Writer: Aleena Aqeel Ahmad



Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ہر اس ذات کے نام، جس نے
کھویا ہے کسی خاص کو
چاہے اس سے تعلق تھا، خون کا
دل کا یا روح کا

علینہ عقیل احمد))

# باب 1

# **ہجر زادی**

بھیگی بھیگی صبح تھی جب وہ تیز تیز چلتی ہوئی اسلام آباد ایئرپورٹ سے باہر نکلی اور ایک لمبی سانس خارج کر کے ملک پاکستان اور شہر اسلام آباد کو سلام کیا۔

اب وہ دراز قد لڑکی، جو سفید رنگ کے باجو کرُونگ میں ملبوس تھی، سر پر اپنے روایتی سکارف سے حجاب باندھے، چہرے پر ماسک لگائے دونوں ہاتھوں سے سُوٹ کیس لیے ایئرپورٹ کے باہر موجود لکڑی کے بینچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

باجو کرُونگ ایک روایتی ملیشین لباس ہے) جو خواتین پہنتی ہیں۔ یہ لباس عام طور پر دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: ایک ڈھیلا لمبا کرتا (باجو) اور ایک لمبی اسکرٹ (سارونگ یا کرُونگ)۔ یہ لباس مختلف ثقافتی اور مذہبی مواقع پر پہنا

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

جاتا ہے اور اپنے سادے اور باوقار انداز کی ے)وجہ سے مشہور ہے

وہ سُوٹ کیس ایک طرف رکھتے ہوئے بینچ پر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ اُس کے قریب ایک کالے رنگ کی کار آ کر رکی۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے مہروز فدا باہر نکلتے ہوئے بلند آواز میں "اسلام علیکم ماہین صاحبہ! سفر میں کوئی تنگی تو پیش نہیں آئی؟" کہتا ہوا آگے بڑھ کر ماہین خاور کا سامان اپنی گاڑی میں رکھنے لگا۔

ماہین نے جواباً مدھم آواز میں "وعلیکم السلام" کہا اور گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔

مہروز سنہری آنکھوں والا ایک سادہ مگر پرکشش مرد تھا، اونچا قد اور صاف رنگت، ہلکی بڑھی ہوئی داڑھی اس کے چہرے کو ایک خاص وقار بخش رہی تھی۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

اس کے گھنگریالے بال قدرتی طور پر بکھرے تھے۔ سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس بلاشبہ وہ بےحد دلکش نظر آرہا تھا۔ اُس کا چہرہ تایا فدا حسین سے ملتا تھا۔
ستائیس برس کی عمر میں وہ خود کا اسلام آباد میں کامیاب ریستوران چلا رہا تھا اور آج اپنے چچا کی بیٹی ماہین خاور کو لینے اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ آیا تھا۔
ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے دوسری بار ماہین کو مخاطب کیا، " تمہارا غالباً یہ دوسرا دورہ ہے نا پاکستان میں ؟ کیسا لگا میرا شہر اسلام آباد؟
"خوبصورت ہے!" ماہین نے جواب دیا۔ وہ" نہایت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔
مہروز نے بے ساختہ کہا، " کون؟ شہر اسلام آباد یا اسلام آباد والے؟ "

ماہین نے ایک گھورتی نظر اُس پر ڈالی اور پھر واپس اپنے موبائل پر موجود ان ریڈ میسجز کو آرکائیو کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد مہروز کی گاڑی فیصل ٹاؤن کی طرف جاتی دکھائی دی، غالباً وہ پہنچنے والے تھے۔

ماہین خاور پہلی بار جب پاکستان آئی تھی تب وہ بارہ سال کی تھی اور آج وہ چوبیس سال کی تھی۔ وہ ایک مقصد کے تحت پاکستان آئی تھی۔ اُس کے پاس چھ مہینے کا وقت تھا، اور ماہین کو اپنا کام کر کے ایک نومبر کو واپس اپنے گھر ملائیشیا جانا تھا۔

مہروز کی گاڑی ایک گھر کے باہر رکی، ماہین نے اتر کر گھر کے باہر تایا فدا حسین کے نام کی نیم پلیٹ پڑھی۔

وہ دو منزلوں پر مشتمل ایک خوبصورت گھر تھا جس کے گیٹ کے دونوں اطراف

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

باغیچے نما پودے تھے، اور گھر کے باہر ایک ہلکے نیلے رنگ کی سکوٹی کھڑی تھی۔ مہروز نے جب گاڑی سے اُس کے دونوں سُوٹ کیس نکال لیے تو ماہین کو اپنی نظروں سے گھر کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھا۔

"ماہین بی بی، یقین کریں، ہمارے ہاں انسان گھر کے اندر رہتے ہیں، باہر نہیں۔" یہ کہتے ساتھ ہی اس نے دروازے کے ساتھ لگی بیل دو بار بجائی۔

ماہین اس کی بات سن کر ہلکا سا مسکرائی، جو اس کے ماسک لگے ہونے کے باوجود مہروز نے بھانپ لیا۔

اتنے میں اندر سے تائی شہناز نے دروازہ کھولا اور مسکراتے ہوئے ماہین کو اپنے گلے سے لگایا۔ " آگئی میری بیٹی! سفر کیسا رہا؟ "

جواباً ماہین بھی کھلے دل سے اپنی تائی سے ملی۔

شہناز روایتی پاکستانی سلیقہ مند خاتون تھیں، جن کے ہر انداز میں نفاست جھلکتی تھی۔ نرم گفتار کی مالکن، ان کے چہرے پر وقت کی جھریاں تھیں، جو ان کی زندگی کے تجربات کی گواہی دیتی تھیں اور انہیں ایک خاص وقار عطا کرتی تھیں۔

"اسلام علیکم تائی جان۔ الحمدللہ، اچھا گزرا سفر۔ آپ بتائیں آپ کیسی ہیں؟"

ماہین نے جواباً کہا، اور اس کے ساتھ ہی تینوں گیٹ کے اندر داخل ہوئے۔

گھر کے صحن میں کچھ کبوتر نظر آئے، ان کا صحن خاصا کشادہ تھا۔ تائی شہناز نے اپنے گھر کو اندر سے بھی سبز پودوں سے مزین کر رکھا تھا۔ اتنے میں اندر سے

خدیجہ فدا باہر آئی اور ماہین سے گلے ملی۔

خدیجہ تیکھے نین نقوش والی لڑکی تھی، مہروز کی طرح اس کی بھی سنہری آنکھیں تھی۔ مگر اس کا وزن بڑھا ہوا تھا۔ وہ کالے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس ہلکے سانولے رنگ کی لڑکی تھی، مگر اپنے تیکھے نین نقوش کی بدولت پرکشش لگتی تھی۔ اس کے برعکس ماہین کا رنگ صاف تھا اور وہ دبلی پتلی تھی، مگر ابھی تک اُس کا چہرہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی بادامی شکل کی آنکھیں تھیں جنہیں ایلمنڈ آئز کہا جاتا ہے۔ اور ان کا ہلکا بھورا رنگ انہیں مزید خوبصورت بناتا تھا۔

اندر آتے ہی وہ بھابھی شارفہ سے ملی اور تائی شہناز سے کہا، "مجھے چینج کرنا ہے، کس طرف جاؤں؟"

تائی نے اپنی بیٹی خدیجہ سے کہا کہ ماہین کو کمرے میں لے جائے۔ خدیجہ نے سر ہلایا اور اپنے بھائی مہروز سے کہا کہ ماہین کا سُوٹ کیس اوپر لے آئے، اور ماہین کو بالائی منزل کی طرف بڑھنے کا کہا۔

"یعنی میرا کمرہ اوپر ہے، شکر ہے۔" ماہین نے سوچا۔

اوپر آنے کے بعد ماہین پہ ایک اور انکشاف ہوا کہ وہ خدیجہ کے کمرے میں رہے گی۔

"ماتی اوئے!" اس نے زیرلب کہا۔ (ماتی اوئے ملیشین زبان ملای میں "ہائے مر گئے" کو کہتے ہیں)

خدیجہ اس سے دو سال چھوٹی تھی، جو اپنے بی ایس انگلش کے آخری سمیسٹر میں تھی۔ فرسٹ کزنز ہونے کے باوجود ان میں کبھی بے تکلفی نہیں ہوئی تھی۔

بس سرسری سی کبھی کبھار بات ہو جاتی تھی لیکن بہت فارمل انداز میں۔ ماہین ایک کامیاب رائیٹر تھی جو لوگوں کو پڑھ کر انہیں اپنی کہانیوں میں ترتیب دیتی۔ اس بار وہ پاکستان تھوڑی مدت پر آئی تھی۔ اس دوران اسے اپنا مقصد حاصل کرنا تھا، جس کے لیے وہ کوئی بھی قیمت چکانے کو تیار تھی۔ وہ پہلی بار اپنی مرضی سے اپنے اصل کی طرف لوٹی تھی۔ پاکستان اس کا آبائی وطن تھا۔ ماہین دو سال کی تھی جب اس کے والد ان سب کو لے کر ملائیشیا چلے گئے تھے، اور اب وہ اپنے باپ خاور سے چھ مہینے کی مدت لے کر آئی تھی۔ یہ مئی کا مہینہ تھا، اور نومبر کو اسے واپس جانا تھا۔

ماہین اپنا سُوٹ کیس کھول کر سب سے پہلے اندر رکھی ایک کتاب کو اٹھا کر بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کے دراز میں رکھنے لگی۔ خدیجہ نے کتاب کا غلاف دیکھ کر اپنا پہلا سوال داغا، "اس غلاف میں کیا ہے؟"
"میرا قرآن"، ماہین نے بے ساختہ کہا، اور واپس اپنے سُوٹ کیس سے کچھ کپڑے نکالنے لگی۔
خدیجہ اس کی ساری کارکردگی دیکھ کر جھٹ سے بولی، "ارے! قرآن پاک ہے تو مجھے دو، میں نیچے جا کر اسے کسی اونچے شیلف پر رکھ آتی ہوں۔" ماہین کے کپڑے نکالتے ہاتھ تھم گئے۔ اس نے مڑ کر پیچھے کھڑی خدیجہ کو دیکھا اور نرمی سے پوچھا، " میں اسے اپنے پاس کیوں نہیں رکھ سکتی، خدیجہ؟"
ماہین اپنی حیرانی پر قابو پانا جانتی تھی۔ وہ نرم مزاج لڑکی تھی، یا شاید وہ

خود کو ان سب چیزوں کے لیے تیار کر کے
آئی تھی۔
"ہم قرآن پاک کو اپنے برابر کیسے رکھ
سکتے ہیں؟ یہ تو بے ادبی ہوئی۔ قرآن تو
ہمیشہ اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے نا؟"
ماہین خاموشی سے اس کی بات پوری
ہونے کا انتظار کرنے لگی، اور پھر ایک
گہری سانس خارج کر کے کہنا شروع
ہوئی، "خدیجہ، جو چیز قیمتی ہو اور
محض آپ کی ذات کے لیے ہو، آپ اسے
خود سے دور کیسے رکھ سکتے ہیں؟
ہمارے پاس سب سے قیمتی چیز یہ قرآن
ہی تو ہے۔ ہم اس کے ادب کا سوچ کر
اسے اتنی اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں کہ
بعد میں ہمارا اپنا ہاتھ اس تک نہیں
پہنچتا۔ قرآن کو تو اتنا قریب رکھنا چاہیے
کہ جب پڑھنے کا وقت آئے تو یہ پاس ہی
موجود ہو۔ لیکن اگر یہ دور ہو تو جتنی

دیر میں ہم یہ سوچتے ہیں کہ اب اٹھنا پڑے گا، اتنی دور جانا پڑے گا، پھر قرآن کو اٹھانا پڑے گا، اتنے میں شیطان اپنا کام کر جاتا ہے۔ اور ہم کسی اور کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کتنے ہی دنوں اور مہینوں تک یہ قرآن کسی اونچے شیلف پر پڑا رہتا ہے۔ اصل بے ادبی تو ہم اس وقت کرتے ہیں، خدیجہ۔ یہ کتاب "تو قریب رکھنے کی چیز ہے۔

خدیجہ کے پاس اس کی کسی بات کا جواب موجود نہیں تھا، اور شرمندگی کے باعث اس کے گال لال ہو رہے تھے۔ وہ پاکستان میں رہ کر یہ بات نہیں جانتی تھی، اور ماہین ملائیشیا میں رہنے کے باوجود قرآن سے اتنی عقیدت رکھتی تھی کہ اسے خود سے دور بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔

"تو کیا ملائیشیا میں لوگ ہم سے زیادہ مذہبی ہیں؟" خدیجہ نے دل میں سوچا۔ وہ ماہین سے متاثر نظر آتی تھی۔ خدیجہ جلد بات سمجھنے والی لڑکی تھی۔ خدیجہ کا شمار ان لوگوں میں نہیں تھا جو محض اگلے کو جواب دینے کے لیے ان کی بات سنتے ہیں، سمجھنے کے لیے نہیں۔

خدیجہ نے جواباً سر کو تائید کی، اور پھر ماہین نے ایک ہلکے گلابی رنگ کی لمبی فراک نکالی، ساتھ میں ایک سکارف اور اپنے سلیپرز بھی۔ اس کے بعد وہ اپنا سُوٹ کیس بند کرنے لگی۔ ان کی یہ پہلی کچھ طویل گفتگو تھی، جس میں خدیجہ نے پہلی بار ماہین کو ماسک کے بغیر غور سے دیکھا تھا۔ اس کے دائیں گال پر ڈِمپل پڑتا تھا جو بات کے دوران زیادہ واضح نہیں ہوتا تھا، لیکن اس کی ہلکی

سی مسکراہٹ پر بھی صاف ظاہر ہونے
لگتا تھا۔ اور ماہین اپنی بات مکمل ہو
جانے پر مسکراتی تھی، شاندار انداز تھا
اس کا اگلے کو چپ کروانے کا۔
خدیجہ نے نوٹ کیا کہ اس نے ہلکے رنگ
کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی۔
گالوں پر بھی سرخی لگی تھی، مگر
آنکھوں پر کوئی میک اپ نہ تھا۔ نہ کوئی
آئی لائنر، نہ کوئی مسکارا۔
ماسک میں ایک آنکھیں تو نظر آتی ہیں،"
اس پر میک اپ کیوں نہیں کر رکھا؟ خیر،
یہ پہیلی بھی حل کر لوں گی"، خدیجہ نے
خود سے کہا۔
اسے پہیلیاں حل کرنے کا بہت شوق تھا۔
کچھ ہی دیر میں ماہین آئینے کے سامنے
کھڑی اپنی لمبی کھلی میکسی اسٹائل
فراک میں اپنے لمبے گھنگریالے بالوں میں
کنگھا کر رہی تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ

کالا سیاہ تھا اور پشت پہ لٹکتے کرلز اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور خدیجہ اس کے لیے جوس اور ساتھ ٹرے میں کچھ بسکٹ رکھے اندر داخل ہوئی۔ اسے آئینے کے سامنے تیار ہوتا دیکھ کر مسکرائی اور کہا،

" آؤ، اماں نے جوس اور بسکٹ بھجوائے ہیں۔ پھر نیچے چل کر کھانا کھائیں گے۔ تمہارے لیے خاص طور پر امی بریانی اور دمبے پکا رہی ہیں ورنہ میرے بڑھتے وزن دیکھ کر انہوں نے گھر پر اس طرح کی کوئی بھی چیز پکانے پر پابندی لگا رکھی تھی۔"

"ایسا کیوں؟"

"انہیں لگتا ہے میں موٹی ہوگئی تو کوئی اچھا رشتہ نہیں ملے گا" یہ کہہ کر

ہنستے ہوئے خدیجہ نے بسکٹ منہ میں رکھ لیا۔

ماہین اس کی بات پر مسکرا کر اسے دیکھتے بولی، " کچھ سال پہلے میں بھی اس ڈر سے کوئی فاسٹ فوڈ یا دوسری موٹاپا کرنے والی چیزوں سے پرہیز کرتی تھی کہ میں موٹی ہوگئی تو میرے ارد گرد کے لوگ پسند نہیں کریں گے۔"

واقعی؟ ہم تو بہنیں نکلیں۔ بھلا ہم" کیوں دوسروں کا سوچے؟ جس نے پسند کرنا ہوتا وہ ایسے ہی کرتا ہے۔"  وہ بے نیازی سے بولی۔

ہم ساری زندگی دو ہی تو کام کرتے رہے" جاتے ہیں خدیجہ۔ یا لوگوں کا سوچتے رہے جاتے ہیں، کہ وہ ہمیں پسند نہیں کریں گے۔ اس لیے ہمیں خود کو بدلنا ہے۔ یا ہم ایک دوسرا پہلو سوچتے ہیں، بھئی

بھلا ہم کیوں کسی کا سوچے؟ ہم اس طرح ٹھیک ہیں۔"

"آہ۔ بلکل۔ میں دوسروں کا نہیں سوچتی۔ میں کسی کے لیے خود کو نہیں بدلنا چاہتی۔ تم کیا سوچتی ہو اپنے بارے؟" خدیجہ اس سے بات بڑھانا چاہتی تھی۔ شاید وہ اس سے دوستی کرنا چاہتی تھی۔

"اب میں جو کرتی ہوں، اپنے لیے کرتی ہوں۔ لیکن پہلے میرا ہر کام دوسروں سے ستائش لینے کی حد تک ہوتا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ مجھ سے ہر کوئی متاثر رہے۔ میں ارد گرد والوں کو اپنی ذات سے اوپر رکھتی تھی خود سے زیادہ دوسروں کا سوچتی تھی اور سمجھتی تھی کہ میں بہت عاجزی پسند ہوں۔"

خدیجہ غور سے اس کے تاثرات دیکھنے لگی جیسے وہ پچھتا رہی ہو یا شکایت

کر رہی ہو خود سے کہ ماہین تم نے خود
پر اتنا  بوجھ کیوں ڈال دیا تھا؟
لیکن خدیجہ نے اپنا وہم جانا اور بولی، "
تم تو بہت اچھی ہو۔ سب کو خود پر
"ترجیح دینا تو کمال بات ہے۔
اس پر ماہین نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا
اور کہا، " نہیں خدیجہ، ہماری اپنی ذات
پر کیا جانے والا سب سے بڑا ظلم یہی ہے
کہ ہم خود سے اوپر دوسروں کو رکھتے
ہیں۔ لیکن میں یہ سب تمہیں بعد میں
سمجھاؤں گی۔
فی الحال ماہین بہت بھوکی ہے اور
مجھے صرف جوس پینا ہے، بسکٹ تم کھا
"لو۔
خدیجہ نے تائیدی سر ہلا دیا، مگر اندر سے
وہ چاہتی تھی کہ ماہین اپنی بات
مکمل کرے۔ کچھ لوگ اتنا خوبصورت
بولتے ہیں کہ دل چاہتا ہے

وہ بس بولتے رہیں۔

جوس پینے کے بعد ماہین نے اپنی نماز چادر نکالی اور نماز ادا کرنے لگی۔ خدیجہ کچھ دیر بیٹھی اسے نماز پڑھتے دیکھتی رہی، اس کی نماز بہت پر سکون تھی۔ بلکل بھائی مہروز کی طرح، وہ بھی ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھنے کا عادی تھا۔ خدیجہ کے ذہن میں ایک خیال جگمگایا، لیکن پھر وہ سر جھٹک کر خالی برتن اٹھائے نیچے چلی گئی۔

ماہین نے سلام پھیرا اور کمرے کا تسلی سے جائزہ لیتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کمرے میں ایک لکڑی نما ڈارک براؤن کلر کا بیڈ تھا جس کے ساتھ کھڑکی لگی تھی۔ کھڑکی سے پار دور کسی مسجد کا مینار نظر آتا تھا، اور قریب کوئی پارک بھی تھا۔ ماہین کچھ دیر وہاں کھڑی رہی، پھر واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

اس نے خدیجہ سے کہہ کر اپنے موبائل
میں وائی فائی کنیکٹ کر لیا تھا۔
اس کا ایک بار پھر موبائل بجا اور اس بار
اس نے اٹھا لیا۔
" اسلام علیکم امی! کیسی ہیں آپ؟ "
جواباً اس کی امی نے "وعلیکم السلام،
میں ٹھیک ہوں، تم ٹھیک ہو؟ کیا تم چھ
مہینے اس ماحول میں رہ لوگی بیٹا؟"
ایک سانس میں کہا۔ اس کی امی
پریشان لگتی تھی۔
پھر اس نے اپنا بہت بار کا دہرایا جواب
دیا، "جی امی، میں ٹھیک ہوں، مجھے
یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ آپ اپنا اور
محراب کا خیال رکھیں۔ میری فکر مت
کریں۔"
محراب اس کی چھوٹی بہن تھی جو
بائیس سال کی تھی اور اس کی سپورٹر
تھی۔

اس کے بعد کال کٹ گئی۔
ماہین وہیں بیٹھی پیچھے بیڈ کے ساتھ کمر
لگائے، آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہی تھی
کہ خدیجہ نے دروازہ بجایا اور اندر آکر
کہا، " کھانا تیار ہے، دوسرے مہمان بھی
آئے ہیں تم سے ملنے۔ آؤ، چلتے ہیں۔"
ماہین نے آنکھیں کھول کر اس سے پوچھا،
""کون مہمان؟"
جواباً خدیجہ نے کہا، " آپی رمشہ آئی ہے۔
اپنے شوہر کے ساتھ، خاص تم سے ملنے۔"
رمشہ، خدیجہ اور مہروز کی بڑی بہن
تھی۔ تایا فدا حسین کے چار بچے تھے۔ ان
کا بڑا بیٹا شاہ زیب بھی دبئی میں اپنا
کاروبار چلا رہا تھا، اس کی بیوی شارفہ
اور سات سالہ بیٹی حوریہ یہی اسلام
آباد میں رہتے تھے۔ ان کے بعد رمشہ تھی،
تائی شہناز کی لاڈلی بیٹی، جن کی ایک
برس پہلے پسند کی شادی ہوئی تھی۔ وہ

شوخ مزاج لڑکی تھی، اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنی زندگی کی ہر خبر کو سوشل میڈیا پر شیئر کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آج بھی وہ اسی مقصد سے آئی تھی کہ اپنی ملایشیا سے آئی کزن کے ساتھ تصاویر بنا کر اپنے سٹیٹس پر اپلوڈ کر سکے۔
ساتھ اس کا شوہر اسد اللہ بھی تھا۔
تایا فدا حسین سے ماہین ملایشیا میں ملتی رہتی تھی۔ ان کا کپڑوں کا کاروبار تھا جو وہ پاکستان میں سستے داموں بنوا کر ملایشیا میں مہنگے داموں بیچتے تھے۔
اور وہ ماہین کے باپ خاور کے بزنس میں تیس فیصد کے مالک بھی تھے۔ اس سلسلے میں ان کا باہر آنا جانا رہتا تھا۔
آج سب لوگ اس کے استقبال کے لیے جمع ہوئے تھے۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ماہین بیڈ سے اٹھی، اور حجاب ٹھیک کر
کے اس میں اپنا ماسک لگانے لگی کہ
خدیجہ اس کی یہ حرکت دیکھ کر ٹھٹک
گئی۔
"گھر پہ سب اپنے ہیں ماہین، تم یہاں
کس سے پردہ کرو گی؟" خدیجہ نے
حیرانی سے پوچھا۔
ماہین نے جواباً کہا، "تم نے ابھی تو کہا
رمشہ کا شوہر بھی آیا ہے۔۔ اور مہروز
بھی تو ہے نیچے۔۔"
""ہاں، لیکن وہ سب تو اپنے ہیں نا۔"
خدیجہ حیرت سے بولی۔
"خدیجہ میں پردہ کرتی ہوں۔ میں اللہ
تعالیٰ کے بنائے اصولوں کو توڑ نہیں پاؤں
گی۔ کیا تم مجھے سمجھو گی؟" ماہین نے
ایک مان سے خدیجہ کو دیکھا۔

جواباً خدیجہ نے محض سر ہلا دیا اور نیچے
کو چل پڑی۔

وہ دونوں زینے اترتی نیچے آئی۔

نیچے ڈائیننگ حال میں سب بیٹھے ماہین کا انتظار کر رہے تھے۔ تایا فدا بھی وہی موجود تھے وہ سربراہی کرسی پر براجمان تھے۔ ان کے ساتھ دو کرسیوں پر ان کی بیٹی اور داماد بیٹھے تھے۔ اس کے سامنے کی کرسی پر تائی شہناز بیٹھی تھی۔ تائی شہناز کے ساتھ دو کرسیاں ماہین اور خدیجہ کے لیے خالی تھیں۔ اس کے ساتھ بھابھی شارفہ اور ان کی بیٹی بیٹھی تھی۔

اور ان کے داماد کے ساتھ والی کرسی پر مہروز بیٹھا تھا جو بے تابی سے کھانا شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

خدیجہ اور پیچھے ماہین نیچے اترتی دکھائی دیں۔

تایا فدا کے علاوہ باقی سب ماہین کا یہ حلیہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ خدیجہ سر جھکائے اپنی ماں کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی اور ماہین کے لیے اپنی ساتھ کی کرسی پیچھے کرنے لگی۔

ماہین نے سب کو سلام پیش کیا اور جا کر تایا فدا اور پھر رمشہ سے ملی اور واپس اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

کھانے کے میز پر سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

تم کھانا نہیں کھاؤ گی بیٹا؟" بات کا آغاز" تائی شہناز نے کیا۔

بلکل کھاؤں گی تائی جان مجھے بہت " بھوک لگی ہے۔ اگر آپ کو لگ رہا ہے کہ میں ماسک میں کیسے کھا پاؤں گیں تو میں کرونا وائرس کے وقت اسی ماسک کے ساتھ مالایشیا میں اپنی من پسند فیکا

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

کافی رُوسٹرز میں جا جا کر چار سے پانچ مرد خواتین کے انٹرویوز لیتے دوران بہت کچھ کھاتی پیتی رہی ہوں مجھے کبھی کوئی مسلئہ درپیش نہیں آیا۔" وہ پرجوش انداز میں بولی۔

(ماہین انسانوں کو اپنے ناول میں ڈالنے کے لیے ان کے انٹرویوز لیا کرتی تھی)

ماہین نے بہت تحمل سے اپنی بات کا جواب سب کو دیا جو اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی انوکھا کام کرنے لگی ہو اور سب حیران ہو کہ بھئی آخر یہ کیسے ممکن ہے؟

ماہین کی اس حرکت پر رمشہ اور اس کا شوہر اسد اللہ دونوں غصے میں آگئے۔

رمشہ آگ بگولا ہو کر بولی، " ماہین ہم اتنی دور سے تم سے ملنے آئے ہیں اور تم

میرے شوہر اور بھائی سے خطرہ
" محسوس کر رہی ہو؟

"نہیں، مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" یہ
کہہ کر وہ خود کھڑی ہو کر اپنی پلیٹ
میں چاول ڈالنے لگی۔

ماہین جانتی تھی کہ جواب ان کو دیا جاتا
ہے جو واقعی میں آپ کو سننا اور
سمجھنا چاہتے ہوں۔ مگر یہاں نہ تو
کوئی اسے سمجھنا چاہتا تھا، نہ ہی اس
کی کسی بات کا ان پر اس وقت اثر ہونا
تھا۔ ماہین اپنا وقت اور الفاظ ان لوگوں
پر ضائع نہیں کرتی تھی جو اس کی بات
صرف جواب دینے کے لیے سنتے ہوں۔اس
معاملے میں خدیجہ اسے بہت اچھی لگی
تھی؛ وہ سمجھدار تھی، بات کو سمجھنے
والی تھی۔ اس کے بعد حال میں سناٹا چھا
گیا۔ سب اپنی اپنی پلیٹ میں چاول ڈالے
کھانے میں مشغول ہو گئے۔

ماہین بائیں ہاتھ سے ماسک کو تھوڑا آگے کھسکا کر، دائیں ہاتھ سے چمچ منہ میں ڈالتی جاتی۔

ماہین کنکھیوں سے مہروز اور اسد اللہ کو دیکھتی رہی۔ مہروز نے ایک مرتبہ بھی دوبارہ نظر اٹھا کر ماہین کو نہیں دیکھا، جبکہ اسد اللہ کی بار بار کوشش ہوتی کہ کہیں سے اس کا چہرہ نظر آجائے۔ اسد اللہ اور رمشہ نے اپنا کھانا ختم کر لیا، جبکہ باقی ابھی کھا رہے تھے۔

اب کی بار اسد اللہ نے ماہین سے سوال داغا، "تو مس ماہین، آپ کو پاکستان کیسا لگا؟"

"میں ابھی پاکستان کو ٹھیک طرح سے جان نہیں پائی۔ میں کوشش کروں گی کہ جاتے وقت آپ کو بتا کر جاؤں کہ

پاکستان کیسا لگا مجھے۔" ماہین نے فوراً جواب دیا۔

ماہین کی اس بات پر مہروز اور خدیجہ دونوں اپنی پلیٹ پر دیکھتے ہلکا سا مسکرائے۔ وہ دونوں اپنے بہنوئی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ اس دوران تایا فدا اور تائی شہناز خاموشی سے منظر دیکھتے رہے۔

اسد اللہ نے ماہین سے ایک اور سوال کیا، ""تو تم شرعی پردہ کرتی ہو؟

ماہین کا کھانا تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اس نے پلیٹ تھوڑا آگے کھسکائی، زیر لب الحمدللہ کہا۔ اور اب دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھ کر سکون سے بیٹھی اور اسد اللہ سے الٹا سوال کیا، " آپ کی نظر میں غیر شرعی پردے کی ڈیفینیشن (تعریف) "کیا ہے، اسد اللہ؟

وہ دوسروں کو بھائی کم ہی کہتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ بھائی ایک خوبصورت لفظ ہے، اس کو پکارتے تحفظ کا احساس ہونا چاہیے، اسے ہر انسان کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہیے۔

اسد اللہ کو اس کا الٹا سوال کرنا ناگوار گزرا۔

"کیا مطلب؟ غیر شرعی پردے تو کچھ نہیں ہوتے" اس بار جواب بھابھی شارفہ کی طرف سے آیا تھا۔ انہیں بھی ماہین کا یہ انداز سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اب کی بار ماہین نے جواب دینے سے پہلے لمبی سانس خارج کی۔ خدیجہ جانتی تھی کہ اب وہ اپنے انداز میں انہیں سمجھائے گی۔ وہ بےتاب تھی اس کا جواب سننے کو۔ مہروز بھی کھانا ختم کر چکا تھا مگر اس نے ابھی تک نظر نہیں اٹھائی تھی۔

ماہین کہنا شروع ہوئی، " بلکل، شریعتِ اسلام میں غیر شرعی پردہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ یا تو شرعی پردہ ہے یا بے پردگی ہے اور میں پردہ کرتی ہوں اور پردہ کرنے والوں سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تم شرعی پردہ کرتی ہو؟ اگر لڑکی نے پردہ کیا ہے تو وہ ہر غیر محرم سے کرے گی۔ نہیں تو وہ منافقت کر رہی ہے کہ اپنے کزنز اور بہنوئی کے سامنے بغیر سر ڈھکے جائے جبکہ باہر وہ خود کو مکمل ڈھکتی ہو۔"

اس کے بعد ماہین نے اپنے تایا کو دیکھا جو سر اٹھا کر اپنی بھتیجی کو دیکھ رہے تھے۔ "کیا میں نے کچھ غلط کہا، تایا جان؟" وہ مسکرا کر اپنے تایا سے پوچھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے تایا اس کی وضاحتوں کو بہت پسند کرتے ہیں،

اور ہمیشہ کہا کرتے تھے، " تم یہ سب " کیسے سوچ لیتی ہو، لڑکی؟

جواباً تایا نے مسکرا کر سر کو تائید کی، اور کہا، "بلکل، اگر کسی کو ماہین کی "بات سے اعتراض ہے تو بولے۔

تائی بےچین نظر آتی تھی، سمجھ نہیں آ رہا تھا کس کا ساتھ دے۔ عجیب سا تناؤ پھیل گیا کھانے کے میز پر۔

رمشہ کو ماہین کے جواب سے اپنے شوہر کی بےعزتی محسوس ہوئی، تو اس نے اپنی طرف سے جوابی وار کیا۔ "ماہین، تمہاری طلاق کا سن کر بہت افسوس ہوا تھا مجھے۔ ابھی عمر ہی کیا تھی تمہاری؟ ایک سال تو چلتی وہ شادی۔ ویسے وجہ کیا رہی تھی اس طلاق کی؟" یہ ساری بات اس نے ایک سانس میں ماہین سے نظریں ملا کر کی۔

وہاں بیٹھے ہر انسان کو رمشہ کی بات سے دھچکا لگا تھا۔ تایا فدا نے ماہین کے آنے سے پہلے سختی سے سب کو خبردار کیا تھا کہ اس متعلق کوئی بھی ماہین سے بات نہیں کرے گا۔

فدا حسین نے اپنی بیٹی کا یہ سوال سن کر غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ تائی شہناز کو اسی بات کا ڈر تھا، وہ اپنی بیٹی کا مزاج بہت اچھے سے جانتی تھیں۔

اس دوران پہلی بار مہروز نے نظر اٹھا کر ماہین کو دیکھا۔ ماہین کی آنکھوں میں کوئی دکھ، کوئی ملال نہیں تھا، یا شاید وہ اپنی تکلیف کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

خدیجہ کو بھی اپنی بہن کا یہ انداز دیکھ کر سخت غصہ آیا، جبکہ بھابھی شارفہ ماہین کا جواب سننا چاہتی تھیں۔ وہ کب

سے چاہتی تھیں کہ ماہین سے اس کی طلاق کی وجہ پوچھی جائے۔

رمشہ اسی طرح مسکرا کر ماہین کو دیکھتی رہی۔

ماہین، رمشہ کو دیکھتے ہوئے جواب دینا شروع ہوئی، "شادی گزارنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اگر دونوں فریق میں سے کوئی ایک بھی ان اصولوں کو نبھانا چھوڑ دے، تو وہ شادی کم، آپ کی ذات پر لدا ہوا بوجھ زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ میری شادی صرف پانچ ماہ چل سکی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اچھے ثابت نہیں ہو سکے۔ ہمیں جلد احساس ہو گیا، اور میں نے راستہ الگ کر لیا۔" ماہین نے یہ ساری بات بہت اطمینان سے رمشہ سے نظریں ملاتے ہوئے کی۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

اب کی بار رمشہ نے اس پر ایک اور تبصرہ کیا، " تمہارے انداز سے لگتا ہے تمہیں تو کوئی دکھ ہی نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہوا ہے اور تم اتنی پُرسکون ہو۔"

اس پر ماہین نے جواب دیا، " میں اب اتنی کمزور نہیں رہی رمشہ، کہ ماضی کے بوجھ اپنے کندھوں پر لیے پھرتی رہوں۔ نہ ہی میں ان لڑکیوں جیسی ہوں جن سے ماضی کا کوئی سوال کر لیا جائے، تو وہ رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ ہر کوئی ان پر ترس کھائے، کیونکہ ان کے ساتھ تو غلط ہوا ہے۔ وہ میرے ماضی کا ایک سبق تھا جو الحمدللہ میں نے بہت جلد سیکھ لیا۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔"

ماہین اب مسکرا کر فخریہ انداز میں بول رہی تھی، "میں نے ماضی کا سامنا کیا

ہے، ماہین خاور ڈر کر چھپی نہیں کیونکہ وقت نے مجھ پر ایک راز ظاہر کیا تھا **جو ماضی سے جتنا بھاگتا ہے، وہ اتنا اس کے پیچھے آتا ہے**، اور میں نے اپنے ماضی کو اپنی ذات پر بوجھ نہیں بننے دیا۔"

اس کے بعد وہ تایا فدا کو دیکھنے لگی اور سر کے خم سے ان سے اوپر جانے کی اجازت طلب کی جو تایا نے مسکرا کر اسے دے دی۔

اس کے ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

ماہین بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

خدیجہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ "وہ اتنی پُرسکون کیسے ہے؟" خدیجہ نے دل

میں سوچا اور برتن اٹھانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

---

ماہین کمرے میں آ کر کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ، خوبصورت طرز کے ساتھ، اپنے والد کی سکھائے ہوئے خوبصورت فقرے دہرانے لگی: **"اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو، جو دنیا کا مالک ہے"، بس نام اسی کا لیا کرو۔**

جب بھی ماہین کہیں سے لڑ کر یا رو کر آتی تھی، اس کا والد ایک طرز کے ساتھ یہ فقرے پڑھ کر اسے سینے سے لگا لیتا تھا۔ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتا تھا، "میری بیٹی نازک شہزادی کب سے بن گئی؟ میری بیٹی تو مقابلہ کرنے والوں میں سے ہے۔ وہ سب کا اپنی تلوار سے مقابلہ کرتی، نا کہ کسی شہزادے کا

انتظار کرتی کہ جو گھوڑے پر آ کر اسے بچا لے گا۔"

ماہین اپنے پسندیدہ ناول سے یہ لائنز یاد کر کے اپنے باپ کو سناتی تھی اور کہتی تھی، "بابا ماہین بہت بہادر ہے۔"

اور جب بھی ماہین روتی تھی، اس کا باپ اس کے بولے گئے یہ الفاظ دہراتا تھا جسے سن کر وہ ہمیشہ ہنس پڑتی تھی۔

ماہین کی طلاق کو چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

اس کا سابقہ شوہر، ارسل نیاز، تقریباً ڈیڑھ سال پہلے پاکستان سے ملائشیا اپنی ماں اور چھوٹی بہن کے ساتھ منتقل ہوا تھا۔

ماہین کا والد خاور اور ارسل کا والد نیاز خان بہترین دوست تھے، جو ایک ساتھ اپنی کمپنی چلا رہے تھے۔ لیکن نیاز خان

نے کبھی اپنی فیملی کو ملائشیا شفٹ نہیں کیا تھا۔ اس کی وفات ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ہوئی، اس کے بعد اس کے گھر کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہ تھا۔

خاور نے پرانی دوستی کی خاطر ارسل اور اس کی فیملی کو اپنے گھر کے ساتھ فلیٹ میں شفٹ کروا دیا۔ وہ لوگ بہت دین دار معلوم ہوتے تھے، ان کے گھر کی عورتیں پردہ کرتی تھیں، اور ارسل نیاز بھی پانچ وقت کا نمازی تھا۔ ارسل ایک خوش شکل نوجوان تھا، اونچا قد، سانولا رنگ، سیاہ آنکھیں، اور لمبی پلکیں۔

خاور نے ارسل کو انجینئرنگ کی جاب دلوائی۔ کچھ عرصہ پہلے ہی اس کی انجینئرنگ کی تعلیم مکمل ہوئی تھی۔

وہاں کچھ عرصہ گزرانے کے بعد، ارسل کی والدہ صفینہ نے اپنے بیٹے کی خواہش

پر ماہین کے لیے رشتہ مانگا۔ ارسل سے ماہین ایک سال چھوٹی تھی۔ ماہین کا رجحان شروع سے دینی لوگوں کی طرف تھا، وہ بھی اپنی عمر کی باقی لڑکیوں کی طرح اسکارف لیتی تھی مگر چہرہ نہیں ڈھانکتی تھی۔

اس وقت تک ماہین کے تین ناولز شائع ہو چکے تھے، وہ خود کو ایک بہادر لڑکی تصور کرتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے والد نے اسے اتنا مضبوط بنایا ہے کہ وہ زندگی کے ہر قسم کے حالات کا سامنا کر سکتی ہے۔ اپنی تحریروں میں، وہ لڑکیوں کی خود شناسی پر زور دیتی تھی، وہ خود کو عام لڑکیوں سے مختلف سمجھتی تھی کیونکہ وہ اپنی ذات کی عزت کرتی تھی۔

ماہین کو لگتا تھا وہ اپنی ذات کی شناسائی کر چکی ہے۔

لیکن وہ اس بات سے ناواقف تھی کہ حقیقی خود شناسی کے لیے اپنے اصل کی طرف لوٹنا ضروری ہوتا ہے۔

بعض اوقات، بہادر اور سمجھدار لوگ ایسی چوٹ کھاتے ہیں کہ ان کی عقل ایک کونے میں بیٹھ کر اُن پر قہقہے لگاتی ہے۔

ارسل نیاز کا رشتہ آنا اسے اپنی خوش نصیبی لگا۔ والد کے پوچھنے پر اس نے رشتہ قبول کر لیا۔ اور کچھ ہی عرصے میں ارسل نیاز کے گھر والوں کی خواہش پر نکاح سادگی سے ہوا۔

ماہین کی شادی کے وقت تایا فدا حسین بھی موجود تھے۔

ماہین بہت خوش تھی کہ شادی کے بعد بھی اپنے والدین کے قریب رہے گی کیونکہ

ارسل کا فلیٹ خاور کے فلیٹ کے ساتھ ہی تھا۔

ماہین کے والدین بھی اس وجہ سے بہت خوش تھے کہ ان کی بیٹی قریب رہے گی۔

لیکن اس دوران محراب بار بار کہتی کہ "ہائے، کیا بتاؤں میں تم لوگوں کو اپنا دکھ؟ ایک ہی بہن تھی، سوچا شادی کے بعد چلی جائے گی اور میں اکلوتی رہ جاؤں گی۔ مگر اب تو لگتا ہے کہ مجھے دور جانا پڑے گا اور یہ پیچھے اکلوتی ہو جائے گی۔"

یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ اپنی جلد شادی کا بھی اشارہ دیتی۔ محراب ہنسمک تھی، اس میں خوب شرارتی پن تھا۔ وہ دوسروں کو باتوں میں الجھا کر معصوم بن کر ان سے کام کروانے میں ماہر تھی۔

*******

**(حالیہ دن)**

ماہین کے میز سے اٹھنے کے بعد تائی شہناز نے رمشہ کی اس حرکت پر ملامت کی۔

لیکن رمشہ بے پرواہی سے بولی، "ہاں تو کیا ہوا اگر پوچھ لیا؟ آپ نے دیکھا نہیں، کس طرح وہ اپنی طلاق کے بارے میں بتا رہی تھی، جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے کر آئی ہو" رمشہ کی باتوں میں ایک عجیب سی تلخی تھی، جس پر تائی شہناز کا دل بجھ سا گیا، مگر وہ خاموش رہیں۔

شام ڈھلتے خدیجہ اوپر آئی، دل میں ماہین کے سامنے جانے کی ہمت جمع کرتی رہی۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ ماہین بیڈ پر بیٹھی شہادت کی انگلی میں ہرے رنگ کی کاؤنٹر تسبیح ڈالے

کچھ پڑھ رہی تھی، اور سامنے لیپ ٹاپ پر ساتھ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی تھی۔

دروازے کھلنے کی آواز پر ماہین نے سر اٹھا کر خدیجہ کی طرف دیکھا، ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر لائی، اور پھر واپس اپنے کام میں مگن ہو گئی۔

خدیجہ نے دیکھا کہ ماہین کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا جبکہ وہ تسبیح پڑھ رہی تھی، یہ منظر اسے الجھا سا گیا۔ وہ خاموشی سے ماہین کے پاس بیٹھ گئی، جیسے اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے خود کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی ہو۔

کچھ لمحے گزرنے کے بعد، خدیجہ نے بات کا آغاز کیا،

"تم کیا کر رہی ہو؟"

ماہین نے لیپ ٹاپ سے نظرے ہٹا کر خدیجہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا، "میری ٹیم مجھ سے پوچھ رہی ہے، میرا ناول کب مکمل ہوگا۔"

"تو تم لکھ رہی ہو ناول؟ کتنی کتابیں لکھ لی ہیں؟ کس طرح کے ناولز لکھتی ہو؟" خدیجہ کی دلچسپی اور حیرت ایک ساتھ بول رہی تھی۔

ماہین نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور مکمل طور پر خدیجہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ میرا چوتھا ناول ہے۔ میں نے چھ ماہ کا بریک لیا ہے، کچھ الجھنوں کی

وجہ سے اس ناول کو پورا نہیں کر پا رہی تھی۔ میں لڑکیوں کی خود شناسی پر لکھتی ہوں، انہیں اپنے الفاظوں کے ذریعے مضبوط بناتی ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو لڑکی میرا ناول پڑھے، **وہ صرف**

**ناول میں موجود ہیرو کی دیوانی نہ ہو، بلکہ اپنی زندگی میں خود کو ہیروئن سمجھے**، اور میری تحریروں سے کچھ نیا سیکھے۔"

خدیجہ نے دلچسپی سے پوچھا، "کیا تمہارے ناولز اردو زبان میں ہیں؟"

"نہیں، میں ملای زبان میں لکھتی ہوں۔ لیکن میرا اگلا ناول شاید اردو میں ہو۔ مجھے لگتا ہے کہ پاکستان کی خواتین کو میری تحریروں کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں کی خواتین اپنے اصل سے دور ہو رہی ہیں، دنیا کی رنگینیاں ان پر حاوی ہو چکی ہیں۔"

(لیکن اس سے پہلے مجھے اپنا سفر مکمل کرنا ہے ورنہ میں شاید پھر کبھی لکھ نہیں پاؤں گی۔) یہ بات ماہین نے دل میں سوچی۔

خدیجہ کو ماہین کی باتیں مکمل طور پر سمجھ نہیں آئیں، مگر اس نے جواب دیا، "ہمم، گڈ۔"

پھر اچانک خدیجہ کو اپنی بہن رمشہ کا رویہ یاد آیا اور وہ بے ساختہ بولی، "میں تم سے آپی رمشہ کی طرف سے معافی مانگتی ہوں وہ بغیر سوچے سمجھے کچھ بھی بول دیتی ہیں۔"

ماہین نے نرمی سے مسکرا کر جواب دیا، "خدیجہ، انہیں اپنی رائے دینے کا حق ہے۔ میں نے بھی ان کے سوال کا جواب دے دیا۔ ماہین کسی کے الفاظ کا بوجھ نہیں اٹھاتی ، اور نہ ہی مجھے اپنے ماضی پر کوئی پچھتاوا ہے۔"

خدیجہ ماہین کی بات سن کر ہلکی سی مسکراہٹ لیے خاموش ہو گئی، جیسے

ماہین کی باتوں نے اس کے دل کو تھوڑا سکون دے دیا ہو۔

*******

رات کا کھانا تائی جان اوپر ہی دے گئیں۔ کچھ دیر ماہین کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں۔ تائی جان تو ماہین کے سکول اور کالج کے دنوں کے قصے سن کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

لیکن خدیجہ اب تک حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کی "معصوم" کزن نے کیسے اپنے سکول میں اگلی کرسی پر بیٹھی لڑکی کے بال پیچھے سے کاٹ دیے تھے?

ماہین کی شرارتیں بس یہی تک محدود نہ تھیں۔ وہ کلاس کے ہر لڑکے کی شکایتیں لگا کر ان کی خوب بےعزتی کرواتی تھی، اور ایک دن تو لڑکوں نے

اجتماعی طور پر پرنسپل سے جا کر ماہین کے خلاف شکایتوں کی پوری فہرست پیش کر دی۔ نتیجہ؟ پرنسپل نے ماہین کو ایک ہفتے کے لیے سکول میں داخل ہونے سے ہی منع کر دیا تھا!

اور کیسے ماہین کی ایک دوست نے خاور صاحب کو جا کر بتایا کہ ماہین ٹیسٹ میں فیل ہو گئی ہے۔ اور اس کے بعد بے چاری ماہین کو دو دن لگے اپنے باپ کو یہ سمجھانے میں کہ اس لڑکی سے تو بس میری لڑائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ جان بوجھ کر آپ کو مرچیں لگا رہی تھی۔

اُس وقت ماہین نے اپنا ٹیسٹ ہی گھر کی چھت پہ پھینک دیا تھا، جو بعد میں ماہین کی ماں ہاجرہ کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

ماہین اپنی شرارتیں اور ماضی کے کارنامے اتنے مزاحیہ انداز میں بتا رہی تھی کہ تائی شہناز کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

جبکہ خدیجہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی 'معصوم' کزن کبھی اتنی شرارتی بھی ہو سکتی تھی! زندگی نے ضرور ماہین کو سنجیدہ بنا دیا تھا، مگر خدیجہ خوش تھی کہ آج اس نے اپنی کزن کی پرانی شرارتوں کا راز جان لیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ماہین سے کچھ اور باتیں بھی بعد میں پوچھے گی، جب اماں کمرے سے جا چکی ہوں گی۔ آخر یہ مائیں موقع ملتے ہی سب کچھ آگے بتا دیتی ہیں۔

رات ماہین قریباً آٹھ تیس تک عشاء کی نماز کے فوراً بعد ہی سو گئی۔

تھکن اس کے چہرے سے عیاں تھی، اور اس کی دیکھا دیکھی خدیجہ نے بھی جلدی نیند کی آغوش میں پناہ لی۔

اگلی صبح فجر کی نماز کے وقت ماہین نے خدیجہ کو بھی جگا دیا۔ دونوں نے نماز ادا کی اور جائے نماز پر بیٹھ گئیں۔

"خدیجہ، آج مجھے باہر جانا ہے، کیا تم فارغ ہو؟ ساتھ چلو گی؟" ماہین نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں، کیوں نہیں! میں فارغ ہوں، لیکن جانا کہاں ہے؟" خدیجہ نے تجسس سے سوال کیا۔

"میں پاکستان کے لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں اس لیے یہاں آئی ہوں کہ یہ جان سکوں کہ یہاں کے لوگ اپنے اصل سے دور کیوں بھاگتے ہیں؟ اور اسلام کے نام پر اتنے شدت پسند کیوں بن جاتے

ہیں؟" ماہین کے لہجے میں کچھ خاص تھا، جیسے اس نے کوئی بڑا فیصلہ کیا ہو۔

خدیجہ نے چونک کر پوچھا، "یہ کیا کہہ رہی ہو، ماہین؟ ہم اپنے اصل سے بھاگتے ہیں؟"

خدیجہ کو ماہین کی بات سے کوئی خاص حیرانی نہیں ہوئی تھی، شاید وہ خود بھی اندر ہی اندر اس بات کو مانتی تھی۔ وہ خود بھی تو اپنے اصل سے ہمیشہ بھاگتی آئی تھی۔ اُسے اپنا نام "خدیجہ" کبھی پسند نہیں آیا تھا، ہمیشہ کہتی تھی کہ میرا نام کچھ آج کے دور کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔ وہ خود کی شخصیت پسند نہیں کرتی تھی، وہ اپنے سانولے رنگ سے بھی ہمیشہ ناخوش رہی۔

"آج باہر چلتے ہیں، پھر دیکھتے ہیں کہ میں صحیح ہوں یا غلط" ماہین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

صبح آٹھ بجے کے قریب، دونوں زینے اترتے ہوئے نیچے آئیں۔ سامنے مہروز کھڑا تھا، ہاتھ میں سیب پکڑے اپنی ماں سے باتیں کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے سر اٹھایا اور انہیں دیکھا، اُس کی آنکھیں پل بھر کو تھم گئیں۔

ماہین نے آج ہلکے بھورے رنگ کی لمبی فراک پہن رکھی تھی، جو اس کی آنکھوں کے رنگ سے ملتی تھی۔ کریم کلر کا سکارف اور اسی رنگ کا کراس بیگ بھی اُس کے لباس کا حصہ تھے۔ ساتھ وہ اپنا ماسک پہنے تھی۔

دوسری طرف، خدیجہ نے نیلے رنگ کی
شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی، اور ساتھ
دونوں نے سپورٹس شوز پہنے ہوئے تھے۔

"کہاں کی تیاری ہے ان میڈموں کی؟""
مہروز نے دل ہی دل میں سوچا اور
خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

خدیجہ اور ماہین آگے بڑھ کر شہناز اور
مہروز کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، بچوں! کہاں کا ارادہ
ہے؟"  تائی نے نرمی سے پوچھا۔

"تائی جان، میں اسلام آباد دیکھنا چاہتی
ہوں، باہر لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔
کیا میں اور خدیجہ جا سکتے ہیں؟" ماہین
نے مؤدبانہ انداز میں اجازت طلب کی۔

اسی لمحے، مہروز نے شرارت بھری
مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "بہت تیاری کے
ساتھ اجازت طلب کی جا رہی ہے!"

خدیجہ فوراً بول پڑی، "بالکل بھائی! کتنی
بری بات ہے نا کہ ماہین، صرف ہم
دونوں کے لیے اجازت لے رہی ہے، آخر
ڈرائیونگ تو آپ نے کرنی ہے۔ امی جان،
"کیا ہم تینوں باہر گھومنے جا سکتے ہیں؟

خدیجہ کی بات سے مہروز کی مسکراہٹ
سمٹی اور ماہین بھی حیرت سے سوچنے
"لگی، "یہ کب طے ہوا تھا؟

تائی شہناز مسکرا کر بولی، "ضرور جاؤ،
"بچو! مگر پہلے ناشتہ تو کر لو سب۔

"نہیں اماں، ہم بھائی کے نیٹ کیفے جا کر
ناشتہ کر لیں گے۔ ماہین کو بھائی کا
ریسٹوران بھی تو دکھانا ہے۔" خدیجہ نے
چہک کے جواب دیا۔

بلکل تائی جان میں یہی دیکھنے تو آئی"
ہوں ملایشیا سے خاص طور پر۔" ماہین
کے انداز پر سب دھیما سا ہنسنے لگے۔

اس کے بعد تینوں مہروز کی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ماہین اور خدیجہ دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔ مہروز نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہی پیچھے دیکھے بغیر پوچھا، "تو کیا تم دونوں پہلے میرے نیٹ کیفے جانا چاہو گی؟"

خدیجہ نے بےزاری سے کہا، "نہیں، اگر آپ چاہیں تو ہمیں ابھی مری کی سیر پر لے جائیں یا کے-ٹو کے پہاڑ دکھا لائے بھائی!"

مہروز نے آج رفتار کو آہستہ رکھا۔ "کیفے کے بعد تم دونوں کہاں جانا چاہتی ہو؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

اس بار خدیجہ ماہین کے جواب کی منتظر تھی۔

ماہین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، "مجھے مسجد جانا ہے۔ کیا تم ہمارے ساتھ چلو

گے، مہروز؟" وہ جانتی تھی کہ ساتھ کسی مرد کا ہونا بہتر ہے۔

خدیجہ نے فوراً پوچھا، "فیصل مسجد؟"

ماہین نے جواب دیا، "نہیں، کوئی بھی عام مسجد۔"

اب وہ مہروز کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔مہروز نے مسکرا کر کہا، "ضرور! لیکن کیا تم میرے ایک سوال کا جواب دو گی؟

ماہین نے اسی انداز میں جواب دیا، "یہ تو سوال پر منحصر ہے۔"

مہروز کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، "تمہیں چاند کیسا لگتا ہے؟"

اس سوال پر خدیجہ نے اپنی آنکھیں میچ لیں، اور دل میں کہا، "کاش ماہین کو اس گدھے کی بات سمجھ نہ آئے!"

ماہین نے خدیجہ کو نا سمجھی سے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو، "بھلا اس سوال کی کیا تُک؟"

خدیجہ نے کندھے اچکا دیے، جیسے وہ بھی اس کا مطلب نہیں جانتی۔

" کیا مطلب؟ "

اس پر مہروز اپنے عادتاً شرارتی انداز میں بولا، "ارے بھائی! چاند کو ملایشیا کی زبان میں کیا کہتے ہوں گے؟"

اس کی بات سن کر ماہین اور خدیجہ مسکرا دی۔اب وہ بات بدل چکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں مہروز کے کافی نیٹ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ ماہین کو وہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے پورے سیٹنگ ایریا کا اپنی نظروں سے جائزہ لیا۔ ریسٹورنٹ کا اندرونی حصہ سیاہ اور نارنجی رنگ کا

تھا، جو بےحد شاندار لگ رہا تھا۔ دیواروں پر لٹکتی ہوئی نارنجی روشنیوں نے ماحول کو مزید دلکش بنا رکھا تھا۔اس کے بعد مہروز نے انہیں بیٹھنے کو کہا، اور سٹاف میمبر کو آرڈر لینے کے لیے بلایا۔ وہ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"تو کیا تمہارا پسندیدہ فیکا کافی رُوسٹرز میرے کافی نیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے، ماہین؟" مہروز نے چمکتے لہجے میں پوچھا.

جس پر ماہین ہنس پڑی۔

جب بھی ماہین، مہروز کی کسی بات پر ہنستی، تو مہروز کو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس نے کوئی عظیم معرکہ سر کر لیا ہو۔ اس لمحے میں، وہ خود کو دنیا کا خوش نصیب شخص سمجھتا۔

کچھ دیر بعد ان کا ناشتہ آگیا، جو واقعی لزیز تھا۔ اس کے بعد تینوں نے کافی پی، اور ماہین کے لیے اب فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اب اس کی من پسند کافی ملایشیا میں ہے یا پاکستان میں۔

ناشتے کے بعد تینوں مسجد کی جانب روانہ ہوئے۔ شاید مہروز کسی ایسی مسجد کو جانتا تھا جو ماہین کی تلاش کا مرکز تھی۔

ایک گھنٹے بعد، وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے، جہاں داخل ہوتے ہی ایک پرانی طرز کی سادہ مسجد نظر آئی۔ ماہین اور خدیجہ کو وہ مسجد دور سے ہی نظر آگئی۔

مسجد کی دور سے جھلک ملتے ہی ماہین نے خود کو مضبوط کیا، ایک لمبی سانس خارج کی اور زیرِلب اپنے والد کے سکھائے

ہوئے فقرے دہرانے لگی، **"اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو، جو دنیا کا مالک ہے، بس نام اسی کا لیا کرو۔"**

مہروز نے گاڑی سائیڈ پر روکی اور پہلی بار بیک مرر میں ماہین کو دیکھا۔ وہ بار بار پلکیں جھپکا رہی تھی، جیسے خود کو کمپوزڈ (سنبھالے) رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اب وہ تینوں گاڑی سے باہر نکلنے لگے۔

مہروز اور خدیجہ نے مڑ کر ماہین کو دیکھا۔

وہ دونوں حیرانی سے رُک گئے۔ماہین بار بار خوفزدہ ہو کر اپنے ہاتھوں سے مکھیوں کو بھگا رہی تھی، اور یہ دیکھ کر مہروز اور خدیجہ بے اختیار ہنسنے لگے۔

ماہین واقعی مکھیوں سے خوفزدہ تھی۔ جب اس نے مہروز اور خدیجہ کو اپنی طرف دیکھتا پایا، تو پہلے شرمندہ ہوئی، لیکن پھر جلد ہی دوبارہ مکھیوں کو بھگانے لگی۔

"یہ جا نہیں رہیں، یا اللہ! مجھے خوف آرہا ہے، خدیجہ!" ماہین نے لرزتے ہوئے کہا۔

ملایشیا میں، جہاں ماہین رہتی تھی، وہاں مکھیوں کو صرف کتابوں میں دیکھا جاتا تھا۔ ان کو اپنے آس پاس دیکھ کر وہ وقتاً فوقتاً ڈر رہی تھی، مگر پھر اس نے ہاتھ ہلا کر انہیں بھگانا بند کر دیا اور مہروز اور خدیجہ کی طرف دیکھ کر خود بھی ہنس پڑی۔ اب وہ کچھ شرمندہ ہو رہی تھی۔

"آئی ایم سوری، یہ صورتحال میرے لیے بالکل نئی ہے۔"

مہروز اور خدیجہ کا ایک بار پھر زور دار قہقہہ لگا۔

"واللہ، میں سوچ رہا تھا کہ ماہین میڈم کو ابھی تک پاکستان کی مخلوق نے تنگ کیوں نہیں کیا؟" مہروز نے ہنستے ہوئے کہا۔

مہروز کو یاد تھا کہ اس کی یونیورسٹی کے پہلے سمیسٹر میں ایک غیر ملکی طالب علم آیا تھا، جو شروع میں مکھیوں اور مچھروں سے بہت تنگ رہتا تھا اور ہر وقت انہیں دور بھگانے میں لگا رہتا تھا۔

خدیجہ ابھی تک ہنس رہی تھی۔ ماہین اب زیادہ شرمندہ نہیں تھی، اس کا خوف کم ہو چکا تھا، مگر مکھیوں کو وہ ابھی

بھی اپنے ہاتوں پر چپکنے نہیں دے رہی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ "جلد ہی ان دونوں کی کوئی بات پکڑ کر وہ بھی خوب ہنسے گی۔"

اس کے بعد تینوں داخلی دروازے سے مسجد کے اندر داخل ہو گئے ۔

# باب 2

# سفرِ خودکشف

ماہین اور خدیجہ نے مسجد کا اپنی نظروں سے مکمل جائزہ لیا۔ مسجد کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اندر سے بھی یہ پرانے طرز پر بنی ہوئی تھی۔ دیواریں سفید رنگ کی تھیں، اور نیچے ہرے رنگ کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ اس کی دیواریں ہر قسم کی سجاوٹ سے پاک

تھیں۔ وہاں ممبر کے ساتھ ایک مائک اور زمین پر ایک ریل پڑی تھی۔ اس کے علاوہ وہاں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ مسجد کی چھت لکڑی سے بنی ہوئی تھی، جس پر فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ یہ واقعی ایک پرسکون جگہ تھی۔

اب ماہین کی نظریں امام کی تلاش میں تھیں۔ مہروز کچھ قدم آگے تھا، اس نے پیچھے مڑ کر خدیجہ اور ماہین کو کونے میں موجود ایک چھوٹے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ دروازہ بند تھا، اور اس کے اوپر لکڑی کی ایک سخت چیز لٹکی ہوئی تھی، غالباً اسی سے دروازے پر دستک دی جاتی تھی۔مہروز نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا، اور مہروز کو دیکھ کر مسکرایا۔ مہروز آگے بڑھ کر اس کے

گلے ملا اور سلام کیا، جیسے وہ پہلے بھی کئی بار یہاں آچکا ہو۔

"ڈاکٹر ہارون، آپ سے کسی کو ملوانے لایا ہوں،" مہروز نے کہا۔

ڈاکٹر ہارون نے پیچھے کھڑی خدیجہ اور ماہین کی طرف دیکھا، اور ان دونوں نے بھی ڈاکٹر ہارون کو سلام پیش کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ ! آؤ بیٹا، نیچے چلتے ہیں۔" دروازے کے پار نیچے جاتی ہوئی سیڑھیاں تھیں، جو ڈاکٹر ہارون کے کمرے کی طرف لے کر جاتی تھیں، جہاں وہ کئی برسوں سے مقیم تھے۔سیڑھیاں اتر کر وہ لوگ کمرے میں پہنچے۔

کمرہ مکمل روشنی سے بھرا ہوا تھا، اور زمین پر لال رنگ کا ترکی قالین بچھا ہوا

تھا، جس پر سفید رنگ کے کوشنز رکھے تھے۔

ماہین نے آج تک اتنا سادہ زندگی گزارنے والا انسان نہیں دیکھا تھا۔ڈاکٹر ہارون زمین پر چوکڑی مار کر بیٹھ گئے، اور وہ تینوں ان کے سامنے تشہد کی حالت میں بیٹھ گئے۔

بات کا آغاز مہروز نے کیا۔ وہ ماہین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا، "ڈاکٹر ہارون یہاں کئی برسوں سے رہ رہے ہیں۔ جب بھی مجھے سکون کی تلاش ہوتی ہے، میں یہاں اسی جگہ آتا ہوں۔ اپنے ہر سوال کا جواب مجھے یہاں ملتا ہے۔"

ماہین نے مہروز کی بات پر سر ہلایا، اور اب وہ مکمل طور پر ڈاکٹر ہارون کی طرف متوجہ تھی، جو ان تینوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ماہین نے ڈاکٹر

ہارون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "میرا نام ماہین ہے، ڈاکٹر ہارون، اور میں کل ہی ملایشیا سے پاکستان آئی ہوں۔ میرے کچھ سوالات ہیں، جن کے جوابات میں تلاش کر رہی ہوں۔ شاید یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں ملائیشیا سے پاکستان سچائی کی تلاش میں آئی ہوں۔"

ڈاکٹر ہارون ماہین کے پراعتماد انداز پر مسکرا دیے۔ "ماہین! یعنی روشنی، سچ کی تلاش کرنے والی۔ آپ بالکل اپنے نام کی مانند ہیں، بیٹی!"

ماہین نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے سر ہلایا، "جی ہاں ڈاکٹر ہارون! میں ماہین ہوں، اور مجھے ماہین (روشنی) کی تلاش ہے۔ مجھے سب سے پہلے اپنے اندر، اور پھر اس دنیا میں، سچائی ڈھونڈنی ہے۔"

اس بار ماہین کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔

ڈاکٹر ہارون اب بھی مسکرا رہے تھے، ان کی پوری توجہ ماہین پر تھی۔ خدیجہ اور مہروز بھی ماہین کی بات کو سننے کے لیے بےتاب تھے۔

وہ جاننا چاہتے تھے کہ آخر کیا ایسی بات ہے جو ماہین کو اتنا دور کھینچ لائی ہے۔

ماہین نے بولنا شروع کیا اور سب خاموشی سے سننے لگے۔

"ڈاکٹر ہارون! اگر دین کے معاملے میں مجھے کوئی الجھن ہو جائے اور میں آپ سے سوال کروں تو آپ کیا فتویٰ جاری کریں گے؟ جب پاکستان کے مسلمان بیرون ملک جاتے ہیں تو وہ وہاں موجود ہر دوسرے شخص کو گناہگار اور جہنمی سمجھتے ہیں۔

ہم ایسی نیکیوں کا کیا کریں، ڈاکٹر، جب ہمیں اپنے اردگرد موجود ہر انسان گناہگار نظر آئے؟ باہر سے اتنے صاف ستھرے نظر آنے والے دین کا لبادہ اوڑھے دوسروں پر کیچڑ کیوں اچھالتے ہیں؟ ڈاکٹر ہارون، پاکستان میں آخر کون سا دین پڑھایا جا رہا ہے؟ صدیوں سے یہاں ایسی باتوں کو دین کا لازمی حصہ سمجھا جا رہا ہے جن کا دین سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بات کوئی کیوں سنجیدہ نہیں لیتا؟

بڑے لوگوں نے اپنی نسلوں کے لیے دین کے نام پر ایسی بدعات چھوڑ دی ہیں کہ جب آج کا نوجوان ان کو سنتا ہے تو وہ اپنے عقیدے پر شک کرنے لگتا ہے۔

ایک لڑکی اگر اذان کے وقت سر پر چادر نہ رکھے، یا بغیر چادر کے گھر میں تسبیح کرے، یا وضو کے دوران ڈوپٹا نہ پہنے، تو

اسے ایسی نفرت بھری نظروں سے دیکھا جاتا ہے جیسے وہ کوئی گناہ کبیرہ کر رہی ہو۔ جبکہ ان سب نظریات کا ہمارے دین میں کوئی مقام نہیں ہے۔ ہمارا دین تو اتنا آسان ہے، مگر یہاں کے لوگوں نے اسے آسان رہنے نہیں دیا ۔

ہم تحقیق کرنے کی زحمت نہیں کرتے، بس فوراً فتویٰ لگا دیتے ہیں، جیسے ہم سب کچھ سہی جانتے ہوں۔" اس نے لمحہ بھر کا توقف کیا۔

"ڈاکٹر ہارون، اگر میں غلط ہوں تو آپ میری اس سوچ پر کیا فتویٰ جاری کریں گے؟"ماہین نے یہ سب بہت ہی صاف اور دو ٹوک الفاظ میں کہا، حالانکہ اس کی آواز کئی بار لرزی جیسے وہ خود کو رو دینے سے روک رہی ہو۔

اس کا یہ انداز مہروز اور خدیجہ کے لیے بالکل نیا تھا۔ خدیجہ تو خوفزدہ ہو گئی کہ شاید ڈاکٹر ہارون ماہین کو منکر قرار دے دیں یا اس پر کوئی فتویٰ لگا دیں گے کہ وہ دین میں انتشار پھیلا رہی ہے۔

جبکہ مہروز، ڈاکٹر ہارون کے جواب کا شدت سے منتظر تھا۔ وہ ماہین کے اس انداز سے اس کے اندر کی تکلیف کو محسوس کر سکتا تھا۔

ڈاکٹر ہارون نے بات کے جواب میں کچھ وقفہ لیا، جیسے وہ ماہین کی بات کے پیچھے چھپی اصل وجہ پر غور کر رہے ہوں۔

پھر انہوں نے جواب دینا شروع کیا، "میں آپ پر فتویٰ کس بنیاد پر لگا سکتا ہوں، بچے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عقل دی ہے، آپ اس کا استعمال کیوں کر رہی

ہیں؟ کیا میں اس بات پر فتویٰ لگاؤں؟ یا اس پر کہ پاکستان میں موجود شدت پسند مسلمان اپنی عقل کا استعمال نہیں کرتے؟ اس بات کا فتویٰ آپ پر لگاؤں؟

ہمارا دین کہتا ہے صفائی نصف ایمان ہے، صفائی کو دین کا نصف حصہ قرار دیا گیا ہے، تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، بچے۔ جب حدیث میں صفائی کو نصف ایمان کہا گیا ہے، تو یہ صرف ظاہری صفائی کی بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً یہاں انسان کے باطن کی صفائی کا بھی ذکر ہے۔ ہم ایسے صاف ستھرے گھروں کا کیا کریں گے جب ان میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے لیے مخلص نہ ہوں؟ جب ان کے دل سیاہ ہوں؟ ہم ایسے صاف ستھرے لوگوں کا کیا کریں گے، جب ان کی زبانیں ہر وقت ماں بہن کی گالیوں اور فحش کلمات سے آلودہ ہوں؟ ہم ایسے

پاکیزہ ماحول کا کیا کریں گے جب ہماری سوچیں میلی ہوں؟ جب ہم دوسروں کو تکلیف دینے سے پہلے ایک لمحے کے لیے بھی نہ سوچیں؟

ہمارا دین سب سے آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بنائے ہوئے انسانوں میں عقل بھی ڈالی ہے۔ اگر وہ انسان اپنی عقل کا استعمال نہ کریں تو یہ زیادتی ہے۔ ہمارے ہاں انسان کو اپنی عقل استعمال کرنے کے لیے بھی آزادی نہیں ہے۔ اور ایسے محدود سوچ والے لوگ جب باہر جاتے ہیں، تو ہر اس انسان کو گناہگار تصور کرنے لگتے ہیں جو اپنی عقل کا استعمال کرنے والا ہوے ہاں، اگر کوئی انہیں خود جیسا مل جائے، جو گلے میں تعویذ لٹکائے ہو، جو اپنی عقل کا استعمال نہ کرتا ہو، تو وہ ان کے نزدیک ان کا "جنتی ساتھی ہے۔

ڈاکٹر ہارون نے دکھ کے ساتھ اپنے لوگوں کی حالت بیان کی۔ وہ حق بات کہنے والے تھے اور دوسرے پڑھے لکھے لوگوں کی طرح اُن لوگوں کو گناہگار نہیں مانتے تھے جو اپنی عقل سے دین یا دنیا کے معاملات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک وہ ہر دوسرے انسان سے بہتر ہیں جو دوسروں پر صرف باتیں بنانا جانتے ہیں۔

ڈاکٹر ہارون کی بات سے ماہین کو تسلی ہوئی کہ وہ واقعی صحیح جگہ پر آئی ہے۔

**"دینِ اسلام کا مقصد خود کو قابو میں رکھنا ہے، نہ کہ دوسروں پر تنقید کرنا۔"** اب کی بار مہروز بولا۔

جس پر ڈاکٹر ہارون نے سر کو خم دیا۔

ماہین نے گہری سانس خارج کی اور گویا ہوئی،

"یعنی اس خطے میں دین کو آدھا ادھورا رکھا گیا ہے۔ کیا یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان دین سے دور بھاگتا ہے؟ کیونکہ یہاں پر انہیں دین کے معاملے میں سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور جب تک ہم منطقی (لوجیکل) جواب نہیں دیں گے، یہ قوم اپنے اصل سے بھاگتی رہے گی۔میں نے تین مہینے لگائے ہیں، ڈاکٹر، دوبارہ سے خود کو تیار کرنے کے لیے۔

پاکستان کے لوگوں نے میرے اندر دین کے متعلق بےزاری پیدا کر دی تھی۔ مجھے میرے ہی عقیدے پر سوال اٹھانا پڑا، اور میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں دوبارہ اس جگہ گئی، جہاں میں نے بچپن میں قرآن پڑھا تھا۔

میں اپنے استاد سے کہتی تھی، "میری تکلیف نہیں جاتی، مجھے لگتا ہے میں پکی جہنمی ہوں۔" میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکی تھی، کیونکہ مجھے پانچ ماہ تک صرف اللہ کے قہر سے ڈرایا گیا تھا۔ اللہ کی رحمتوں کا ذکر کہیں نہیں کیا گیا تھا۔

میرے استاد نے کہا تھا، "ماہین، تم اپنے نام کی طرح کیوں نہیں بن جاتی؟ تم اپنے اصل کی طرف لوٹو اور اپنی روح کی روشنی تلاش کرو۔ دیکھو وہاں کیا چیز ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بناتی ہے۔ تمہیں تمہارے سوالوں کے جواب وہاں ملیں گے، اور جس دن تم ان جوابات کو قبول کرو گی، تم آزاد ہو جاؤ گی۔ ہر انسان جو خود کو نہیں جانتا، جو خود کی عزت کرنا بھول جاتا ہے، وہ اپنے دین کو جاننے اور سمجھنے کچھ وقت

اپنے رب کو دے۔ جس دن وہ اپنے دین کو
صحیح معنوں میں سمجھ گیا، وہ خود سے
بھاگنا بند کر دے گا۔ کیونکہ ہمارا دین
ہمیں خود سے ملاتا ہے، انسان کو اپنے
رب کی اور اپنی پہچان کرواتا ہے۔"

"میں اگلے پانچ ماہ تک پاکستان میں
ہوں، پھر واپس چلی جاؤں گی۔ شاید
لوٹ کر پھر کبھی نہ آؤں، اس لیے میں
خود کو مضبوط بنا کر جانا چاہتی ہوں،
اپنے اصل سے مل کر جانا چاہتی ہوں۔"

ماہین کی بات پر ڈاکٹر ہارون مسکرا
دیے، اور کہا، "تم جب بھی یہاں آنا چاہو،
آ سکتی ہو، بچے۔ خود سے نہ بھاگنا اور
اپنے اصل کو ڈھونڈنا ہمارا مقصد اولین
ہے۔ تم خود سے نہیں بھاگتی، ہاں مگر
تمہیں خود کی تلاش کرنی ہے۔" ماہین نے
مسکرا کر سر ہلایا۔

آج وہ بہت پرسکون تھی، جیسے دل پر پڑا کئی مہینوں سے بوجھ اب ہلکا ہو رہا ہو۔لیکن ماہین کی آخری بات سے مہروز کے چہرے پر سایہ سا گزرا۔ اس کے دل میں عجیب سی تکلیف اٹھی، اور ساتھ بیٹھی خدیجہ کو اپنے گزرے بائیس سالوں پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ "میں کیسے پوری زندگی سیراب میں گزارتی رہی؟" خدیجہ نے خود سے پوچھا۔

اس کے بعد ظہر کی اذان کا وقت ہو گیا۔

"مہروز، آؤ بیٹا، اوپر چلتے ہیں، اذان کا وقت ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر ہارون نے کہا۔

پھر خدیجہ اور ماہین سے مخاطب ہو کر بولے، "بیٹے، آپ دونوں یہیں نماز ادا کر لیں۔" نرمی سے کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

مہروز ان کے ساتھ اوپر جانے لگا، اب پیچھے ماہین اور خدیجہ اکیلی رہ گئیں۔

ماہین اور خدیجہ نے ساتھ موجود وضو خانے میں وضو کیا اور واپس کمرے میں آکر زمین پر ایک دوسرے کی طرف رخ کیے بیٹھ گئیں۔

اب کی بار ماہین خدیجہ کو دیکھ رہی تھی، اور خدیجہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

کیا ہوا ہے؟" ماہین نے پوچھا۔"

خدیجہ اسے دیکھے بغیر بولی، "ماہین، میں ایک بہت عام لڑکی ہوں، جس نے آج تک کچھ خاص نہیں کیا اپنی زندگی میں۔ میرا یہ آخری سیمسٹر ہے، مگر میں نے آج تک اپنے لیے کچھ نہیں کیا۔ میرا دن کا چکر صرف گھر سے یونیورسٹی اور واپس گھر آ کر موبائل اٹھانے تک محدود ہے۔

میرے جیسی کتنی لڑکیاں اپنی زندگی صرف انہی تین چیزوں کے گرد گزار دیتی

ہیں۔ ہم اپنے دین پر اتنا ہی عمل کرتی
ہیں جتنا کبھی دل چاہے، یا کوئی
موٹیویشن ویڈیو دیکھ لیں تو چند دن نماز
اور قرآن پڑھتی ہیں، اور پھر کچھ دن بعد
مؤذن ہمیں بلاتا رہ جاتا ہے، مگر ہم نماز
نہیں پڑھتی، نہ ہی جا کر اونچے شیلف
سے قرآن اٹھا پاتی ہیں۔

ہم عام لڑکیاں ساری عمر زندگی میں آنے
والے ہیرو کا انتظار کرتی ہیں، اور جب
ہماری شادی ہوتی ہے تو ہم ناخوش
رہتی ہیں، کیونکہ ہمیں یا تو ہمارا
پسندیدہ شخص نہیں ملتا، یا پھر شادی
کے بعد وہ بدلا ہوا لگتا ہے۔

تم کہہ رہی تھی نا کہ پاکستان کے لوگوں
کو آدھا دین بتایا جاتا ہے؟ تو میں تمہیں
بتاؤں، ماہین، یہاں آدھا دین اس لیے ہے
کیونکہ یہاں کے لوگ سست ہیں، ان کے
پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ بیٹھ کر

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

کسی کی پوری بات سن سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خطے میں لوگ دین کا صرف وہ حصہ اپناتے ہیں جو ان کی مرضی کے مطابق ہو، اور چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ان کے اس حصے پر عمل کرے۔ یہاں دین علم سے نہیں، بلکہ پرانی روایتوں سے پھیلا ہے، ماہینے بڑے لوگوں کو اس کا قصوروار مت ٹھہراؤ، یہ ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں تھوڑا سا وقت نکال کر اپنے دین کو صحیح معنوں میں نہیں جان سکے۔

ہم اتنے مصروف تھے کہ کبھی یہ وجہ نہیں ڈھونڈ سکے کہ ہم خود کی قدر کیوں نہیں کرتے، خود کی عزت کیوں نہیں کرتے۔

ہمیں ہر کام میں آسانی چاہیے ہوتی ہے، ہم چاہتی ہیں کہ کوئی آئے اور ہمیں ماضی کے غموں سے آزاد کرے۔"

"کوئی کسی کو اس کے غم سے آزاد نہیں کرسکتا خدیجہ۔۔ ایسا سوچ کر ہم خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ کوئی مجھے سنوار نہیں سکتا۔ میں وہ خود ہوں جو خود کو سنوار سکتی ہے، اور اپنے آپ کو بہتر بنا کر اپنی زندگی میں کسی عظیم مقصد پر کام کر سکتی ہوں۔"

آخر میں، خدیجہ کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، ماہین کچھ بھی مزید کہے بغیر اپنی نئی دوست کو گلے سے لگا کر اسے گہرے لمبے سانس لینے کا کہہ رہی تھی۔ "ایک بات ہے ویسے خدیجہ۔۔ تم خود میں بہت خاص ہو۔ مجھے یقین ہے، ہم دونوں مل کر یہ سفر طے کریں گی۔ میری شخصیت ٹوٹ گئی ہے، مجھے اسے واپس سے جوڑنا ہے۔۔ ہم سب کبھی نہ کبھی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر وہ شخص خاص ہے، جو خود کو جوڑنے کا

سفر شروع کر دے۔" ماہین اسے بتا رہی تھی، کہ وہ دونوں بھی ایک سی ہیں۔

وہ اسے احساس دلا رہی تھی، کہ وہ بھی خاص ہے۔ کیونکہ خدیجہ بھی خود کو قبول کرتی تھی۔

کچھ دیر بعد اذان کی آواز فضاء میں گونجی، آج اذان مہروز دے رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایک خاص نرمیت اور خوبصورتی تھی جو دل کو چھو لیتی تھی۔

خدیجہ اور ماہین نے خاموشی سے اس اذان کو سنا اور پھر نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ تقریباً تیس منٹ بعد سب نماز سے فارغ ہو چکے تھے، لیکن مہروز ابھی بھی دعا میں مشغول تھا۔

"میرے اللہ! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں اس پر جو تو نے مجھے دیا، اور اس پر بھی جو تو نے میرے لیے مناسب نہ سمجھا۔

میرے اللہ میں تجھ سے اپنے لیے روشنی مانگتا ہوں، اور ہدایت بھی، اللہ جی میں تجھ سے ایک بار پھر اپنے دل کی چاہت مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے اپنے دل کا سکون طلب کرتا ہوں۔"

دعا کے بعد مہروز نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک سیف فولڈر کھولا، جہاں ایک بچی کی ہنستی ہوئی تصویر تھی۔ اس کے دائیں گال پر ڈمپل تھا اور وہ ہاتھوں کا وی بنائے کھڑی تھی۔

مہروز نے قریباً گیارہ ماہ بعد وہ فولڈر کھولا تھا۔

مہروز، ماہین کو تب سے پسند کرتا تھا جب وہ بارہ سال کی عمر میں اپنے والدین اور بہن کے ساتھ پاکستان آئی تھی۔ ماہین کی شرارتیں، اس کی مسکراہٹیں، سب کچھ اس کے دل میں

محفوظ ہو چکا تھا۔ ان کے معصوم کھیل اور جھگڑے، پورے گھر کی رونق ہوا کرتے تھے۔

ماہین کے واپس ملایشیا چلے جانے کے بعد، ہر عید پر مہروز اپنی ماں سے چاچو خاور کے پاکستان آنے کا پوچھتا، لیکن کبھی اس میں ہمت نہ ہوئی

کہ وہ ماہین کو میسج کر کے اپنے جذبات کا اظہار کرتا۔

اس نے یہ ٹھان رکھا تھا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اپنا کاروبار شروع کرے گا اور پھر اپنے والدین سے ماہین کے رشتے کی بات کرے گا۔

جس دن اس نے اپنے نیٹ کیفے ریستوران کا افتتاح کیا، اس دن وہ بہت خوش تھا۔

کیونکہ آج اس نے گھر جا کر اپنی ماں سے ماہین کے رشتے کی بات کرنی تھی۔

لیکن گھر پہنچنے پر اسے پتا چلا کہ آج ماہین کا نکاح ہوگیا ہے۔

تائی شہناز بہت خوش تھی ماہین کے لیے۔

جبکہ مہروز کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے نکال کر نچوڑ دیا ہو۔ اس کو وہاں کھڑے سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔

اپنے کمرے میں جا کر مہروز نے دروازہ بند کیا اور بے اختیار زمین پر بیٹھ کر رونے لگا۔ وہ چھبیس سالہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا۔ اسے اس دن اپنا سینہ تنگ ہوتا محسوس ہوا۔ وہ پندرہ سال کی عمر سے ماہین کے لیے دعائیں کرتا آ رہا تھا۔ اور آج مہروز کو اس سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیا گیا تھا۔ کیا تکلیف تھی،

کیا کرب تھا۔ کوئی انسان سمجھ سکتا تھا؟

کچھ دیر گزری، مہروز نے اپنا موبائل نکالا۔ اس نے ماہین کی تصویر اپنے موبائل سے سیف فولڈر میں ڈال دی، دوبارہ کبھی نہ کھولنے کے لیے۔ اسے ڈیلیٹ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اسکی۔

لیکن آج گیارہ ماہ بعد وہ تصویر دوبارہ دیکھتے ہوئے اس نے ایک آس لیے ہوئے اللہ سے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

اس نے ارادہ کیا تھا کہ ماہین کے واپس ملایشیا جانے سے پہلے وہ اس سے پوچھے گا کہ کیا وہ مہروز فدا حسین کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے؟

لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی تقدیر اسے ایک پیچیدہ مقام تک لے آئے گی۔

دوسری طرف، تہہ خانے کے کمرے میں بیٹھی ماہین اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ وہ کسی کے لیے اتنی خاص ہے کہ وہ دنیا میں کوئی بھی قیمت چکا کر بس ماہین کو ہر دکھ سے بچا لینا چاہتا تھا۔

*******

اس وقت تینوں مسجد کے باہر کھڑے ڈاکٹر ہارون سے اجازت طلب کر رہے تھے اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ خدیجہ بہت خاموش تھی۔ مہروز اپنی بہن کی آنکھیں دیکھ کر بتا سکتا تھا، کہ کچھ بات ہوئی ہے۔ لیکن اس نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ ڈاکٹر ہارون اور ماہین کی گفتگو کے دوران وہ اپنی بہن کے چہرے پر آئے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کیا سوچ رہی ہے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی ماہین نے بات کا آغاز کیا تاکہ خدیجہ کا موڈ بہتر ہو سکے۔
"خدیجہ، کیا میں تمہیں اپنے سکول کا ایک اور قصہ سناؤں؟"

خدیجہ نے سر ہلا کر اجازت دی، مہروز بھی اپنی گاڑی کی رفتار آہستہ کیے ہوئے تھا، اس کا مکمل دھیان ماہین کے اس قصے کی طرف تھا۔

"آٹھویں جماعت میں مجھے بہت ہوم ورک ملتا تھا، اور میری اکیڈمی ٹیچر میری ڈائری دیکھ کر مجھے پورا ہوم ورک لکھواتی تھی۔ یہ بات مجھے خاص پسند نہیں آئی تھی اُن کی۔سو میں نے ایک دن اپنی سکول ٹیچر سے کہا تھا، کہ میری امی کہتی ہیں اتنا ہوم ورک لے کر گھر مت آیا کرو۔ اور ٹیچر جی میری امی میری ڈائری پر اتنا ہوم ورک دیکھ کر مجھے مارتی ہیں۔ اور غصے میں مجھے

گھر سے نکل جانے کو کہتی ہیں۔ آپ اسے میری ڈائری پر مت لکھا کریں۔"

ماہین کی بات پر مہروز اور خدیجہ دونوں ہنسنے لگے۔

"تو کیا تمہاری ٹیچر مان گئی؟" خدیجہ نے سوال کیا۔

"ارے نہیں! انہوں نے میری امی کو کال کر کے میری ساری کارستانی بتا دی۔ میں اُس دن گھر جانے کے بجائے اپنے ابا کے آفس چلی گئی تھی، اور رات تک وہیں رہی۔ رات اُن کے ساتھ واپس گھر آئی۔ پھر امی سے مجھے اور بابا دونوں کو اچھی ڈانٹ پڑی تھی۔" وہ خود بھی یہ قصہ سناتے ہنس رہی تھی۔مہروز نے ہنستے ہوئے پوچھا، "چاچو کو کیوں ڈانٹ پڑی؟"

"کیونکہ ان کو امی نے بہت بار کالز کر کے مجھے گھر چھوڑ جانے کو کہا۔ جو میں نے

مسکراتے ہوئے منع کر دیا، میں جانتی تھی امی، ابا کے بغیر میرا گھر پر کیا حال کریں گی۔ پھر میں نے بابا کو اپنی کارکردگی بتائی، جس پر انہوں نے اپنا روز کا جملہ دہرایا، 'تم مجھے اور خود کو، دونوں کو گھر سے نکلواؤ گی، ماہین!'"

جواباً میں نے آگے سے ایک طرز کے ساتھ ان کا سیکھائے جانے والا فقرہ پڑھا، "اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کس کو دیا کرو۔" اس پر بابا ہنس پڑے۔

وہ تینوں ہنس رہے تھے، اب مہروز بھی اپنا کوئی قصہ بتا کر اپنی بہن کا موڈ خوشگوار بنا رہا تھا۔

خاور ایسا باپ تھا جو اپنی بیٹیوں کو اڑان بھرنے کی اجازت دیتا تھا، مگر ساتھ ہی اپنے مضبوط پروں کا سایہ بھی فراہم کرتا تھا۔ ماہین کو کبھی شرارتوں سے

منع نہیں کیا گیا تھا، لیکن اس کی ماں اپنے روایتی انداز میں اس کی خوب کلاس لیتی تھی۔

فیصل ٹاؤن تک پہنچتے خدیجہ کا موڈ قدرے بہتر ہو چکا تھا۔ گلی کا موڑ کاٹتے ہوئے مہروز نے ایک بار پھر اپنے شرارتی انداز میں ماہین سے پوچھا، "تمہیں چاند کیسا لگتا ہے؟" اس کی عادت تھی کہ وہ بات کرتے وقت بیک مرر میں کم ہی دیکھتا تھا، اور اس بار بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ ماہین کو اس کی بات ایک بار پھر سمجھ نہیں آئی۔ لہٰذا، اس نے مسکراتے ہوئے جواباً سوال کیا، "چاند کی ڈیفینیشن کیا ہے تمہاری نظر میں، مہروز فدا؟" اس کے لہجے پر مہروز کی مسکراہٹ مزید کھل اٹھی۔

جبکہ خدیجہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ رہی تھی، "یا اللہ، اس گدھے "کو عقل کب آئے گی؟

گھر پہنچنے پر مہروز نے خدیجہ اور ماہین کو اندر بھیجا، اور خود واپس کیفے نیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کھانا تیار تھا، تائی شہناز اور بھابھی شارفہ کھانے میں مشغول تھیں۔ خدیجہ بھی جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی، جبکہ ماہین یہ کہہ کر اوپر آ گئی کہ اسے ابھی بھوک نہیں ہے۔ اور وہ بعد میں کچھ کھا لے گی۔

یہ وقت کال کرنے کے لیے بہترین تھا کیونکہ خدیجہ پاس نہیں تھی۔

---

اسلام علیکم! آج مجھے میرے ایک سوال" کا جواب مل گیا ہے۔" ماہین کھڑکی کے قریب کھڑی فون پر بات کر رہی تھی، اس کی نظریں سامنے نظر آنے والے

مسجد کے مینار پر جمی ہوئی تھیں۔
مسجد کے سامنے کسی گھر کی اونچی
دیوار تھی، جس کی وجہ سے مسجد کا
صرف مینار نظر آتا تھا۔

"تو کیا تم اس جواب سے مطمئن ہو؟"
کال پر دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی
تھی۔

"یہ جواب مجھے خود خدیجہ نے دیا ہے۔
اس کا کہنا ہے کہ یہاں کے لوگ خود
آدھی آدھوری بات سنتے ہیں اور ویسا ہی
عمل کرتے ہیں۔ یہاں کی لڑکیاں بھی
میری طرح ہیں، کمزور۔ اپنی غلطیوں کا
ذمہ دار دوسروں کو ٹھہرانے والی۔ مگر ان
کے پاس آپ جیسے بابا نہیں ہیں، جو
انہیں یہ بتا سکے کہ **تمہیں رونے سے
پہلے اس وجہ کو ڈھونڈنا ہے جس نے
تمہیں رلایا ہے۔ اس وجہ کو دوبارہ**

**خود کو رولانے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔**

**جو لڑکی اپنی عزت کرتی ہے، وہ کسی ایک بات پر دو مرتبہ نہیں روتی۔** اور ماہین اپنی عزت کرنا جانتی ہے، بابا۔" ماہین نے کسی بچے کی طرح اپنے والد خاور کے سکھائے ہوئے جملے دہرائے۔

مگر دور کہیں اندر وہ کسی خدشے کے سچ ہو جانے پرخوفزدہ تھی۔

خاور نے اس کی باتیں سن کر مسکراتے ہوئے کہا، "بس، اب میں چھ مہینے کا انتظار کر رہا ہوں کہ کب گزریں اور کب میرا چراغ میرے پاس واپس آئے۔" کال ختم ہو گئی۔

ماہین نے لمبی سانس خارج کی اور مسجد کے مینار کو دیکھتے ہوئے سوچ میں

پڑ گئی۔ جب ایک جھٹکے سے اس نے ساری کڑیاں جوڑ لیں، اور اس کا دل بوجھل ہو گیا۔ وہ اپنے بیڈ کے ساتھ رکھے ہوئے قرآن کے غلاف کو اٹھانے لگی، جس میں قرآن کے ساتھ ایک نومولود بچے کے سفید دستانے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ماہین انہیں آنکھوں سے لگائے کترے کترے آنسو بہانے لگی۔

*******

# باب 3

# خود قبولی

ماہین کے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا، دل کے بوجھ سے سینے میں عجیب سی تنگی ہو رہی تھی۔ اس نے قرآن کا غلاف اٹھایا اور اپنے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ احتیاط سے کھولا۔

قرآن کے ساتھ رکھے وہ چھوٹے، سفید دستانے اسے کسی اور ہی دنیا میں لے گئے۔ وہ دن جب اس کی زندگی میں ایک خواب جیسی خوشی نے جنم لیا تھا، جو اس کی دنیا کے ہر غم کو اس سے دور لے گئی تھی۔

اور پھر اس خوشی کا چھن جانا، جیسے اس کے وجود کا ایک حصہ کھینچ لیا گیا ہو۔ وہ اپنے باپ کو کہہ سکتی تھی کہ ایک غم پر دو بار نہیں رونا چاہیے، مگر

کچھ غم آپ کی ذات کا حصہ بن کر ایک کالے سائے کی طرح آپ کا پیچھا کرتے ہیں۔

وہ لمحے، وہ امیدیں، اور وہ محبت، سب کچھ ان دستانوں میں سمٹ گئی تھی۔ ماہین کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اور دل ایک ٹھیس اٹھ رہا تھا۔

وہ اس غم کی وجہ تلاش کرنا چاہتی تھی، اس کا قصوروار کسی اور کو ٹھہرانا چاہتی تھی، مگر خدیجہ نے آج اسے یہ احساس دلایا تھا کہ،ہم لڑکیاں، اپنا قصور دوسروں کے سر ڈال کر خود کو محفوظ کر لیتی ہیں کیونکہ ہم یہ قبول نہیں کر پاتیں کہ ہماری ذات نے ہی لوگوں کو وہ اجازت بخشی تھی کہ وہ آئیں اور ہم پر ظلم کریں۔ اور بعد میں سارا قصور ہم ان لوگوں کے سر ڈال دیتی ہیں، یا جب کوئی انسان قصوروار نہیں ملتا تو اپنے

معاشرے کو قصوروار بنا دیتی ہیں، مگر اتنی ہمت نہیں کرتی کہ اپنی ذات کی غلطیاں قبول کر سکیں۔

ماہین نے آہستہ سے وہ دستانے اٹھائے اور آنکھوں سے لگاتے ہوئے دل ہی دل میں دعا کی، "یا اللہ! مجھے صبر عطا فرما، مجھے طاقت دے کہ میں اپنی تقدیر کو قبول کر سکوں۔" ماہین کا کئی مہینوں کا خدشہ آج سچ ہو گیا تھا، کہ اس کا معصوم بچہ جو ابھی دنیا میں آیا بھی نہیں تھا، اس پر ہونے والے ظلم میں وہ بھی قصوروار تھی۔

اس کا قصور خاموشی تھا، خود کو اُس عذاب سے نہ بچانا تھا جس میں وہ پانچ مہینے رہی تھی۔

اس وقت اس کا دل چاہا کہ وہ واپس اپنے وطن چلی جائے، جہاں وہ اپنے والد

کے ساتھ، ان کے سکھائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکے۔

لیکن دل کی دوسری طرف ایک ایسی حقیقت تھی جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ وہ یہاں پاکستان میں آئی تھی کچھ سوالوں کے جواب ڈھونڈنے، اور اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ ان جوابوں کے قریب ہے۔ ماہین کے ذہن میں گونجتا ہوا سوال اب خاموشی اختیار کر گیا تھا، جیسے اسے اپنی منزل کا سراغ مل چکا ہو۔

وہ ایک لمحے کے لیے رک کر سوچنے لگی، "کیا تم خود کو معاف کر سکو گی، ماہین؟ کیا تم میں اتنی ہمت ہے کہ اس حقیقت کا سامنا کر سکو؟"

قرآن کو اپنے دل سے لگا کر، ماہین نے ایک عہد کیا۔ وہ ایک نئی شروعات کرے

گی، لیکن اس بار وہ اپنے آپ کو کمزور نہیں پڑنے دے گی۔ اس نے دل میں طے کر لیا کہ وہ اپنی عزت نفس کو کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکنے دے گی۔

یہ سوچتے ہوئے، ماہین کے دل کی دھڑکن کچھ معمول پر آئی، اور اس نے سکون سے قرآن کو اپنے بستر کے کنارے رکھا۔ پھر آہستہ سے وہ سفید دستانے واپس غلاف میں رکھے، اور دل میں ایک امید جگا کر کہا، "یا اللہ! میں اب خود کو کھونے نہیں دوں گی۔"

ماہین کو وہ دن یاد تھا، جب اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ کتنی خوش تھی، اور اس کے شوہر ارسل نے اسے بتایا کہ کس طرح وہ اپنے والد کی وفات کے بعد تلخ مزاج ہوگیا ہے، اور وہ چاہتا تھا کہ ماہین اسے اس کے دکھ سے باہر نکالے۔

ماہین خوش تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے شوہر کو اس کے ڈراما سے باہر نکال لائے گی۔ شادی کے ابتدائی دن دعوتوں سے بھرے رہے، لیکن چند دن بعد، جب ماہین اپنے کمرے میں تھی، اس کی ساس کمرے میں آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بات کرنے کے بعد، اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں ماہین کے ناولز پر تبصرہ کیا، کیونکہ اس وقت ماہین اپنا چوتھا ناول لکھ رہی تھی۔ ساس صفینہ نے کہا، "تم اس سے وقت کو ضائع کر رہی ہو۔"

ماہین کو اس بات پر دھچکا لگا، کیونکہ اس نے کبھی کسی سے اپنے کام کی ایسی توہین نہیں سنی تھی۔

کس طرح کا ضیاع کر رہی ہوں، آنٹی؟""
ماہین نے بہت ضبط سے سوال داغا۔

تمہاری تحریروں سے کسی کا فائدہ نہیں ہوتا، آج کل کوئی انہیں نہیں پڑھتا، اور تم پتہ نہیں کون کون سی کہانیاں لکھتی ہو۔ تم لڑکیوں کو باغی بنانا چاہتی ہو کیا؟"

ماہین پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی اور گہری سانس لے کر جواب دیا، " آنٹی، چاہے کوئی انہیں پڑھے یا نہ پڑھے، مجھے اللہ تعالی نے ایک صلاحیت دی ہے۔ اگر میں اس کا استعمال نہ کروں تو مجھ سے اس کا سوال ہو گا۔ اور میں باغی نہیں بنا رہی، میں لڑکیوں کو سکھانا چاہتی ہوں کہ کس طرح سے وہ اپنی ذات کے کمزور پہلوؤں پر کام کریں۔ اور ایک مضبوط شخصیت بنیں۔ اور مجھے یقین

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ہے کہ ایک دن میرے ناولز لڑکیوں کی سوچ ضرور بدلیں گے۔"

ماہین نے اپنی گردن اونچی کر کے یہ بات کہی۔ اسے اپنے کام سے عشق تھا۔ اور اس کی توہین برداشت نہیں تھی۔

اس پر صفینہ نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا، "اسلام میں پردہ بھی شامل ہے، تم اس پر غور کیوں نہیں کرتی؟ ان سب فضول باتوں کو چھوڑو، اپنے دین کو بہتر بناؤ، یہی تمہارے کام آئے گا۔"

صفینہ کی باتیں سن کر ماہین کو بہت برا لگا، کیونکہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کوئی کسی کے دین پر اس طرح تنقید کیسے کر سکتا ہے۔ "کیا مسلمانوں کے اس انداز سے کوئی دین کے قریب ہو سکتا ہے؟"

ماہین نے سوچا۔

اس دن کے بعد، ماہین کی ساس اس سے کھیچی کھیچی رہنے لگی، اور ماہین نے بھی ان پر زیادہ غور نہ کیا۔ مگر اصل مسئلہ اس وقت شروع ہوا جب ایک دن اذان ہونے پر ماہین کچن میں کام کر رہی تھی، وہ اذان سن کر رک گئی، مگر سر پر دبٹہ لینے کے لیے نہیں بھاگی۔ جس کی بنا پر اس کی ساس صفینہ اور اس کی نند عارفہ نے اسے بھرپور ملامت کی۔

ماہین کو اپنی اعتقادات پر پختہ یقین تھا، لیکن جب اس کی شادی پاکستانی خاندان میں ہوئی، جہاں لوگ بہت زیادہ شدت پسند تھے اور اپنی روایات کو اسلام سمجھتے تھے، تو اسے ایک نئی حقیقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اذان کے وقت دبٹہ لینا، تسبیح کے وقت سر پر دبٹہ لینا، قرآن کو خود سے دور کسی اونچے مقام پر رکھنا۔ ناخنوں کو مکمل ادھیڑ دینا، وضو کے وقت

سر پر دبٹے ٹکانا، یہ سب چیزیں جن کا
دین سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ یہاں
فرض سمجھے جاتے تھے۔

ان کی ملامتی باتیں سن کر ماہین دبے
دبے غصے میں بولی،

"آپ کے ہاں یہ ادب میں شمار ہوتا ہے،"
مگر ہم اسے صرف شدت پسندی
سمجھتے ہیں۔کیونکہ ہمارے دین میں جو
چیز نہیں ہے، اسے خود پر لاگو نہیں کرتے
ہم۔ اذان کے وقت سر پر دبٹے لینے کی
دین میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ آپ لوگوں
کا خیال ہے کہ اگر قرآن کو اونچے شیلف
پر نہ رکھا یا اذان کے وقت دبٹے نہ لیا تو
یہ بے ادبی ہے، لیکن اصل بے ادبی تب
ہوتی ہے جب ہم قرآن کو کئی دنوں تک
خود سے دور کسی اونچے شیلف پر رکھ
دیتے ہیں، اس کی تلاوت نہیں کرتے، اور
اذان کی پکار کو نظرانداز کرتے ہیں، اور

نماز ادا نہیں کرتے۔ یہ میری ذاتی تحقیق بھی ہے۔ آپ اختلاف رائے رکھ سکتے ہیں، مگر مجھے تنقید کا نشانہ نہیں بنا سکتے۔"

ماہین کی یہ بات سن کر اس کی ساس صفینہ اور اس کی نند عارفہ کو مزید چڑ ہو گئی۔

ان کے سخت ری ایکشن کے بعد، ماہین کو سمجھ آگیا کہ اصل ہمت اور بہادری کسی کے سامنے بغیر خوف کھائے جواب دینے میں نہیں ہوتی، بلکہ اپنی ذات کی کمزوری کو قبول کر کے اپنے اصل سے ملنے میں ہے، چاہے وہ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔ جو صفینہ اور عارفہ نہیں کر سکتی تھی۔

ان میں بھی پاکستان کے روایتی گھروں کی طرح اپنے اصل کو قبول کرنے کی

ہمت نہیں تھی۔ وہ یہ بات کبھی تسلیم نہیں کر سکتی تھی کہ ان کے باپ داداؤں کی سکھائی روایتوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

سو اس نے اپنی ساس اور نند کی تنقید کے باوجود، اپنے اصولوں پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا۔

ماہین کمرے میں آ کر دوبارہ اپنا ناول لکھنے لگی تھی کہ کچھ دیر بعد ارسل نیاز گھر لوٹا۔ ماہین کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور وہ کھڑی ہو گئی۔ مگر جب ارسل کمرے میں داخل ہوا، اس کا غصہ دیکھ کر ماہین کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔ ارسل آج کچھ زیادہ ہی بپھرا ہوا تھا۔

ماہین کا دل پریشان ہو گیا؛ اس نے ارسل کو کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟" ماہین نے فکر مندی سے پوچھا۔ارسل نے خاموشی سے اپنے جوتے اتارے اور ایک طرف رکھ دیے۔ ماہین کو لگا شاید اس کی ماں یا بہن نے کوئی بات کی ہو۔ "آنٹی نے کچھ کہا ہے؟"

ارسل کی آنکھیں غصے سے لال ہو رہی تھیں۔ "اپنی بکواس بند کرو کچھ دیر کے لیے۔ میری جاب چلی گئی ہے۔" ارسل نے سخت لہجے میں کہا۔

ماہین کو اس کی جاب جانے کا دکھ کم اور اس کے الفاظ کی تلخی زیادہ محسوس ہوئی، مگر اس وقت کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

ماہین نے سایڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی
نکالا اور ارسل کی طرف بڑھایا، لیکن
ارسل نے اچانک ایک جھٹکے سے اس کی
گردن دبوچ لی اور اسے دیوار سے لگا دیا۔
ماہین کا سانس اکھڑ رنے لگا۔

"جانتی ہو؟ مجھے جاب سے نکالا جا رہا
تھا۔ میں نے تمہارے باپ کو فون کیا اور
تھوڑی سی سفارش کرنے کو کہا، مگر
انہوں نے میرے منہ پر فون کاٹ دیا اور
کہا کہ پہلے وہ وجہ جاننا چاہتے ہیں۔ کیا
ہو جاتا اگر وہ تھوڑا سا میرا ساتھ دے
دیتے؟" وہ اسی طرح غصیلے لہجے میں
ماہین کی گردن دبوچے بول رہا تھا،
ماہین کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں
میں آنسو بھر آئے تھے۔

ارسل نے ایک جھٹکے سے ماہین کی گردن
چھوڑ دی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
ماہین کی حالت ٹھیک نہیں تھی، وہ

صدمے، تکلیف، اور غصے کی کیفیت میں تھی۔ اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔

ماہین کا سانس بحال ہونے میں کچھ دیر لگی، اس نے خود کو کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل بنایا۔ مگر آنکھیں ابھی تک آنسوؤں سے تر تھیں۔ اس کا دل اس حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا کہ شادی کے دوسرے مہینے میں ہی اس کا شوہر اس پر ہاتھ اٹھا چکا تھا۔

ماہین نے اٹھ کر مغرب کی نماز ادا کی اور جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے روتے ہوئے سب کچھ کہہ ڈالا۔

وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی، دماغ میں بار بار اپنے والد خاور کا خیال آ رہا تھا، "اگر میں بابا کے پاس ہوتی، تو ایسا کبھی نہ ہوتا" وہ اللہ تعالیٰ سے سوال

کر رہی تھی، "مجھے تکلیف ہوئی ہے، میں کیا کروں؟"

کچھ دیر رونے کے بعد ماہین جائے نماز اٹھا کر بیڈ پر آ بیٹھی اور اپنی خالی آنکھوں سے اپنے والد خاور کی چیٹ دیکھنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی، "بتاؤں یا نہ بتاؤں؟"

اتنی دیر میں ارسل کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سفید گلاب تھا۔ ماہین کو سفید گلاب پسند تھے، جبکہ لال گلاب سے اسے چڑ تھی۔

ارسل نے ماہین کے پاس بیٹھ کر گلاب اس کے سامنے کیا، مگر ماہین گلاب کو نظر انداز کرتے ہوئے ارسل کی سیاہ آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ وہ سہمی ہوئی تھی کہ کب دوبارہ اس پر یہ ہاتھ اٹھے گا۔

"میں شرمندہ ہوں تم سے، ماہین۔ غصے میں مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ میں خود

اپنی اس حالت سے پریشان ہوں۔ میں ایک مشکل دور سے گزر رہا ہوں۔ میرے والد کا انتقال ہو گیا، اور آج میری جاب بھی چلی گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دو، میری تکلیف کو سمجھو۔ تم ہی ہو جو مجھے ان ٹراماز سے نکال سکتی ہو۔"

ماہین اپنی بھوری آنکھوں سے ارسل کی سیاہ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا جواب دے۔

اس نے آہستہ سے سر ہلایا اور لمبی سانس خارج کرتے ہوئے اپنی روندھی آواز میں کہا، "میں تمہیں سمجھنا چاہتی ہوں، ارسل۔ مگر دوبارہ خود پر تشدد برداشت نہیں کروں گی۔ میں اس رشتے کو پوری ایمانداری سے نبھانا چاہتی ہوں اور تم سے محبت کرنا چاہتی ہوں، مگر

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

مجھے ڈر ہے کہ تمہارا غصہ مجھے تم سے محبت کرنے نہیں دے گا۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ تمہیں اس صدمے سے نکال سکوں۔" یہ کہہ کر ماہین نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ دی، مگر گلاب کو ہاتھ نہ لگایا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ارسل کے لیے کمرے میں کھانا لے کر آئی۔

ماہین نے اپنے باپ سے ارسل کے لیے کوئی سفارش نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ یقیناً ارسل نے ہی کام دھیان سے نہیں کیا ہوگا، جو بابا نے سفارش سے منع کیا۔

وہ اپنے باپ کا مزاج اچھے سے جانتی تھی؛ وہ کام میں غیر ذمہ داری پسند نہیں کرتے تھے۔اس کے کچھ دن بعد ارسل کو کہیں اور جاب مل گئی۔ وہ پچھلی جاب

جتنی اچھی نہیں تھی، مگر فلحال ارسل
کام پر جا رہا تھا۔

ماہین کی زندگی میں ارسل کی زیادتیاں
ہر دن بڑھتی جا رہی تھیں۔ کبھی ارسل
خود کو بہت محبت بھرا اور خیال رکھنے
والا شوہر ظاہر کرتا، کبھی پھر سے غصے
میں اس کے ساتھ بدزبانی کرتا۔ آہستہ
آہستہ اس کی شخصیت پرستی
(نارسسٹ پرسنیلٹی) بے نقاب ہونے لگی۔

ماہین اس سے جب بھی اس کے کام کے
حوالے سے سوال کرتی، وہ چڑ جاتا اور
ماہین کی زبان یہ کہہ کر بند کرتا،
"گناہگار عورت، تمہیں شوہر سے سوال
کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟ میں کما کر
لاتا ہوں، چپ کر کے کھاؤ، مجھ سے
فضول کے سوال مت کیا کرو۔" اور کچھ
دیر بعد واپس کمرے میں آ کر اپنے ٹراما
اور تکلیفوں کا بوجھ ماہین پر ڈال دیتا۔

ماہین سے خاور نے بہت بار پوچھا تھا، "تم خوش ہو؟ کوئی مسئلہ ہے؟ تم پہلے کی طرح ہنستی نہیں ہو" اور ماہین ہر بار انہیں بتانے سے گریز کرتی۔

ہر بار اس کے دماغ میں اپنے شوہر کی آخری بار مانگی گئی معافی آ جاتی اور سوچتی، شاید وہ واقعی کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔ اس کی زندگی بھی آسان نہیں۔

لیکن ماہین کی بہن محراب ہمیشہ اسے کہتی، "ماہین، تمہارا بدلاؤ دیکھ کر میرا شادی کرنے کا ارادہ ترک ہو چکا ہے۔"

خاور اپنی بیٹی کی خالی آنکھیں دیکھ کر بہت ڈر گیا تھا۔ اس نے ایک دو بار اس سے صاف کہا بھی کہ اگر تمہیں اپنے گھر میں کوئی مسئلہ ہے تو اپنے باپ کے گھر آ جاؤ۔ لیکن ماہین ہر بار ان سب کو

تسلی دے دیتی کہ، "میں ناول نہیں لکھ پا رہی، روز صبح اتنے صفحے لکھتی ہوں اور رات مٹا دیتی ہوں۔ میں بس اس لیے پریشان ہوں۔"

لیکن اس کی بات سن کر کسی کو تسلی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی ماں جانے سے پہلے اپنی بیٹی پر بہت سی قرآن کی سورتیں پڑھ کر دم کرتی تھی، کہ میری بیٹی کا ناول مکمل ہو جائے تاکہ وہ واپس سے کھلکھلا اٹھے۔ "مائیں بھی کتنی معصوم ہوتی ہیں" ماہین سوچتی۔

ماہین کی شادی کا یہ چوتھا مہینہ تھا جب اسے پتہ چلا کہ اب وہ اکیلی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ایک اور ذات جوڑ دی ہے۔ اس کی اولاد کی خوشی نے اسے ہر غم بھلا دیا تھا۔ اس دن وہ اور ارسل بے انتہا خوش تھے، اس کی ساس صفینہ نے بھی گھر پر دعوت رکھی

تھی، اور اس کی نند عارفہ کا رشتہ سال کے آخر پر ارسل کے ایک دوست کے ساتھ طے ہوا تھا۔ رشتہ نہ ملنے کے باعث اس کے مزاج میں جو تلخی پیدا ہو رہی تھی، اب وہ ختم ہونا شروع ہو گئی۔ اب وہ بھی ماہین کے ساتھ خوش اخلاقی سے رہتی تھی۔گھر میں واقعی خوشی کا ماحول تھا۔

ماہین کا باپ خاور آج ایک بار پھر وہ خوشی محسوس کر رہا تھا، جب انہوں نے پہلی بار ماہین کو گود میں لے کر محسوس کی تھی۔ اولاد واقعی سب غم بھلا دیتی ہے۔

ارسل بھی اس دن کے بعد ماہین کا خیال رکھنے لگا۔

ایک مہینے بعد ماہین باہر کھلی فضا میں سانس لینے کو نکلی تھی، ساتھ اس کے

محراب بھی تھی۔ وہ دونوں کے-ایل کی سڑکوں پر چہل قدمی کر رہی تھیں۔

"بھئی بھول جاؤ کہ میرا بھانجا مجھے خالہ" جیسا پرانے زمانے کا لفظ کہے گا۔ وہ مجھے میرے خوبصورت نام سے بلائے گا۔" محراب اتنا خوش تھی کہ وہ اونچی آواز میں ارد گرد لوگوں کو ایک طرز کے ساتھ سنا رہی تھی، "محراب بنے گی خالہ، محراب بنے گی خالہ!"

اس کی یہ حرکتیں دیکھ کر ماہین دل کھول کر ہنسنے لگی۔ اُن دونوں بہنوں کی گال پر ڈمپل پڑتا تھا۔ محراب چاہتی تھی کہ اس کے بھانجے کی گال پر بھی ایسا ہی ڈمپل ہو، اور وہ اپنے باپ پر ذرا بھی نہ جائے۔ محراب کو اپنا بہنوئی اب اتنا پسند نہیں تھا، عجیب سی بے زاری ہوتی تھی اسے ارسل کے نام سے۔

چلتے ہوئے اچانک ماہین کی نظر ایک دکان پر پڑی جس کے شیشے کی دیواروں میں دور ایک بچے کے سفید رنگ کے دستانے نظر آ رہے تھے۔ محراب نے ماہین کی نظروں کا تعاقب کیا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا، "او لا ما!" (او لا ما ملایشیا زبان میں اوہ میرے خدا کو کہا جاتا ہے۔)

محراب اور ماہین اس دکان میں گئیں اور ماہین ان ملائم چھوٹے دستانوں کو چھونے لگی۔ ممتا کے خوبصورت احساس کو ایک بار پھر اس نے محسوس کیا۔

اس نے وہ سفید دستانے اپنے بچے کے لیے خریدے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، جب اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی اور اس کی دنیا ساکت ہوگئی۔ وہ پھٹی آنکھوں سے دستانوں کو دیکھتے ہوئے اُن آوازوں کو سننے لگی۔ اسے لگا کہ وہ دوبارہ چل نہیں سکے گی۔

*******

ارسل کے اپنی پہلی جاب سے نکلنے کی وجہ کام میں لاپرواہی نہیں، بلکہ بددیانتی تھی۔

اس نے اپنی کمپنی کا ضروری مواد، چند پیسوں کی لالچ میں دوسری کمپنی کو بیچ دیا تھا۔

بدلے میں، اس کی کمپنی کو ارسل کی بددیانتی کا علم ہونے پر اسے ایک جھٹکے میں وہاں سے نکال دیا گیا۔

ارسل کے ساتھ دوسری کمپنی نے بھی دھوکہ کیا۔ اسے بعد میں ملنے والی رقم نہیں ملی، اور وہ اس پر کوئی پولیس کیس نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ اس کی اپنی غلطی تھی۔

آہستہ آہستہ ارسل کے مزاج میں دنیا گھلنے لگی۔ اس کی پہلے نمازیں چھوٹی اور پھر دیانتداری بھی۔

ماہین کے باپ خاور کو ارسل کی اس بددیانتی کا علم ہو چکا تھا، اور انہوں نے ہی اس کی کمپنی میں شکایت کی تھی، لیکن ارسل اس بات سے ناواقف تھا۔

اسی لیے نکالے جانے کے وقت، اس نے خاور کو ہی کال کر کے اس کے لیے سفارش کرنے کا بولا۔

جواباً خاور نے روکھے پن سے کال کاٹ دی۔

وہ ساری زندگی اولاد کو حلال کھلانے والا باپ، کسی اور مرد کی بددیانتی کی ملاوٹ اپنی بیٹی تک پہنچنے نہیں دے سکتا تھا۔ انہوں نے ماہین سے اس بارے کوئی بات نہیں پوچھی تھی۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ماہین تک ایسی کوئی بات پہنچے اور اسے تکلیف ملے۔ انہوں نے ارسل کو بلا کر اس کے کارنامے بیان کر کے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر تم نے اپنی حرکتوں کو درست نہ کیا تو ماہین کو میں ایک منٹ بھی تمہارے گھر نہیں رہنے دوں گا۔

لیکن خاور نہیں جانتا تھا کہ ارسل ان کے کہے ہر لفظ کا بدلہ ان کی بیٹی سے لے رہا تھا۔

ارسل کے ایک دوست نے اس کی ایک جگہ جاب لگوا دی، جہاں وہ سستے داموں میں لوگوں کو ویب سائٹ بنا کے دینے کا کام کرتا تھا۔ لیکن یہ صرف نام کا کاروبار تھا، اندر وہ لوگ شراب کا دھندا کر رہے تھے۔ ارسل کے بینک اکاؤنٹ میں ہر ماہ ایک خطیر رقم آتی تھی، جسے وہ گھر

میں نہیں بتاتا تھا۔ گھر میں وہ کم پیسوں کی جاب کا رونا روتا تھا۔

*******

وہ آواز جس نے ماہین کو ایک دکان میں ساکت کر دیا، وہ سورۃ نساء کی آیت تھی، جو دکان کے کونے پر ایک چھوٹا بچہ بیٹھا بار بار دہرا رہا تھا۔ شاید

وہ حفظ کے لیے اپنی آیت یاد کر رہا تھا۔

وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان (سورۃ نساء 4:75)

"اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور لوگوں کی مدد کرنے کے لیے جنگ نہیں کرتے، مردوں، عورتوں اور بچوں کی جنہیں ظلم و ستم سے نجات کی ضرورت ہے۔"

ماہین کو لگا کسی نے اس کے دل و دماغ کو پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگے۔ اسے لگا وہ کسی سیراب سے جاگی ہے۔

"کیا اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پیغام پہنچایا ہے؟" وہ بے اختیار اس بچے کی طرف دیکھنے لگی، جو بار بار ایک ہی آیت دہرا رہا تھا۔ آنکھوں میں پانی کے باعث اسے وہ بچے دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کے الفاظ صاف تھے، اس بچے کے الفاظ ماہین کے دل و دماغ پہ چھائی دھند کو مٹا رہے تھے۔

محراب اپنی بہن کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ٹھٹکی۔ اس نے فوراً اپنی بہن کی آنکھوں کو صاف کیا، محراب کچھ بھی دیکھ سکتی تھی مگر اپنی بہن کی آنکھوں کو بھیگا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"ماہین کیا ہوا ہے؟" وہ بے چینی سے بولی۔ ماہین نے اپنی مدھم بھوری آنکھیں اس بچے سے ہٹا کر اپنی بہن کی بے قرار آنکھوں میں جما دیں۔

اسے کتنے ہی مہینوں بعد کوئی ایسی آنکھیں دکھائی دی جن میں واقعی ماہین کے لیے فکر تھی، جن آنکھوں میں ماہین کے لیے قربت اور تکلیف تھی۔

ماہین اپنی بہن کے سامنے کھڑی گردن جھکا کر نیچے نظریں کیے بے اختیار رونے لگی۔ ہاتھ میں پکڑے دستانوں پر ماہین کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

وہ آنسو جو جائے نماز پر وہ ہر ہفتے بہاتی تھی، ہر بار ایک نئی تکلیف کے ساتھ۔ آج وہ ایک دکان میں بہہ رہے تھے۔

وہ دعا کرتی رہتی تھی کہ اللہ اس کے شوہر کو بدل دے۔ اللہ اس کے شوہر کے ٹراماز کو ہیل کر دے، تاکہ وہ دونوں ایک اچھی پرسکون زندگی گزاریں۔

ماہین نے یہ چار مہینے قرآن پڑھنا چھوڑ دیا تھا، اسے قرآن سمجھ میں آتا تھا۔ وہ عربی کی آیات سمجھ سکتی تھی۔ اس نے قرآن اس لیے نہیں کھولا کہ کہیں قرآن میں پھر سے اس گناہگار کے لیے کوئی وعید نہ سنا دی جائے۔

کیونکہ ارسل اور اس کی ماں نے اس عرصے میں محض اسے انہی باتوں تلے دبایا تھا کہ گھر توڑنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جو مرد کے کسی ذہنی دباؤ یا ٹراما کی وجہ سے اس کی گالیوں اور زیادتیوں کے باوجود ان کے ساتھ گزارا کرتی ہیں، وہ عظیم ہوتی ہیں۔

ماہین نے قرآن کو نہیں اٹھایا تھا، وہ سہم گئی تھی۔ وہ اللہ سے آئے دن رو کر دعائیں کرتی تھی، کہ اللہ جی مجھے جہنم میں نہیں جانا، میرا گھر جوڑ دے۔ میرے شوہر کو بس اس کے ذہنی دباؤ سے نکال دے۔

لیکن آج اس دکان میں کھڑے قرآن اسے کوئی اور ہی بات کر رہا تھا۔

اللہ نے اس سے سوال کیا، "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" یہ وہی سوال تھا جو اس کے والدین، تایا فدا، بہن محراب، دوستیں، اور ناول ایڈیٹرز سب پوچھتے تھے: "ماہین، تم ایسی کب سے ہو گئی؟"

وہ سب کو ٹال سکتی تھی، بہانے بنا سکتی تھی، لیکن آج یہ سوال اس کے رب کا تھا۔ اس کا رب، جو اس کے ہر حال سے واقف تھا، اس کی ہر تکلیف کو جانتا

تھا۔ ماہین اس سوال کا جواب نہیں ٹال سکتی تھی، وہ جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

ماہین روتے ہوئے بول رہی تھی، "اللہ جی، مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ اللہ جی میں آپ کی راہ میں کس کی مدد کروں اس وقت؟ مجھے آس پاس صرف میری اپنی ذات کمزور نظر آرہی ہے، میں خود کی مدد کیسے کروں اللہ؟ یا اللہ مجھے اس ظلم و ستم سے نجات چاہیے، بلکل چاہیے، مجھے خود کو اور اپنے بچے کو اس تکلیف سے بچانا ہے۔"

وہ روتے ہوئے یہ سب باتیں محراب کے سامنے کر رہی تھی، جسے اس کی کسی بات کا مطلب سمجھ نہیں آرہا تھا۔

لیکن وہ جانتی تھی، ماہین کو اس وقت کس جگہ لے جانے کی ضرورت ہے۔ وہ

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ماہین کے آنسو اپنے نرم ہاتھوں سے صاف کر کے اسے اپنے ساتھ لگائے دکان سے باہر لے کر آئی۔

اور اس سے بنا کوئی سوال کیے اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے چلنے لگی۔ ماہین کے آنسو کم ہو چکے تھے، مگر سانس ابھی تک اکھڑا ہوا تھا۔ ماہین کا ایک ہاتھ اس کی بہن محراب کے ہاتھ تھا، اور دوسرے ہاتھ میں وہ سفید نرم دستانے تھے جنہیں ماہین ابھی تک مٹھی میں لیے جکڑے ہوئے تھی۔

تھوڑا آگے چل کر محراب نے ایک ٹیکسی روکی، اور ماہین اور وہ اندر بیٹھ گئیں۔

محراب نے ماہین کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔

ماہین خاموشی سے بیٹھے اپنے ہاتھوں کو اپنی بہن کے ہاتھوں میں دیکھ رہی تھی،

اس کے آنسو محراب کے ہاتھوں پر ٹپک رہے تھے۔ وہ مسلسل رو رہی تھی، جیسے وہ اس تکلیف کو اپنی ذات سے الگ کرنا چاہتی ہو۔ اسے اپنی حالت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ دونوں اپنی بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر موجود ایک مسجد کے باہر کھڑی تھیں۔

اس مسجد میں ماہین اور محراب بچپن میں قرآن پڑھنے آتی تھیں۔ اور زندگی میں دوبارہ جب بھی سکون کی تلاش ہوتی، وہ اس جگہ واپس آ جاتیں۔ اپنے استاد خضر سے سوالات کرتیں، اور ان کے دل کی ساری گتھیاں سلجھ جاتیں۔

ماہین اپنی شادی کے بعد سے ایک بار بھی وہاں نہیں گئی تھی۔

اب وہ ڈرتی تھی کہ کہیں یہاں بھی اسے یہ نہ کہا جائے کہ جہنمی عورتوں میں وہ بھی ہیں جو اپنا گھر توڑ دیتی ہیں اور اپنے شوہر سے سوال کرتی ہیں۔

وہ مسجد کے باہر کھڑی اپنی آنکھیں بند کیے لمبی سانسیں لے رہی تھی، جیسے وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سکون دینے کی کوشش کر رہی ہو۔

مسجد کی دیواریں جالی نما تھیں، سرخ لکڑی کی گہرے رنگ کی خوبصورت جالیاں بنی ہوئی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی ہر طرف بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ فضا میں عجیب سکون اور مہک تھی، جیسے سب درد و غم ہوا ہو گیا ہو۔

دائیں طرف تھوڑا دور ان کے استاد خضر بیٹھے تھے۔ ان دونوں بہنوں کو آتا دیکھ کر

مسکرات□ □وئ□ کھڑ□ □وئ□□ ان ک□ شاگرد ب□ت کم جوان □و جان□ ک□ بعد و□اں آت□ تھ□، اور جو آت□ تھ□ و□ استاد خضر ک□ ب□ت قریب □وت□ تھ□□

"اسلام علیکم استاد جی!" محراب ن□ ان□یں سلام پیش کیا□

"وعلیکم السلام بچوں، کافی دیر ک□ بعد آئی □و□" استاد خضر ک□ت□ □وئ□ ما□ین کی طرف متوج□ □وئ□، جس کی آنکھیں ایک بار پھر نم □و گئیں□

ما□ین و□ی کھڑی ب□ اختیار ک□نا شروع □وئی□

"استاد جی، میں ن□ خود پر ب□ت ظلم کیا □□، میرا ظلم خاموشی اختیار کرنا تھا□ مجھ□ قرآن س□ دور کر دیا گیا، اور میں اپن□ عقائد پر شک کرن□ لگی□ سوائ□ نماز ک□ میں کچھ ن□یں کر ر□ی، استاد جی□

کیا اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دیں گے؟ کیا میرے گناہ اس قابل ہیں کہ مجھے ان کی معافی مل سکے؟ آج میں نے ایک آیت سنی ہے، 'اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور لوگوں کی مدد کرنے کے لیے جنگ نہیں کرتے، مردوں، عورتوں اور بچوں کی جنہیں ظلم و ستم سے نجات کی ضرورت ہے۔' استاد جی، میں نے خود پر بہت ظلم کیا ہے، کیا میں اپنی ذات پر ہونے والے مزید ظلم سے خود کو بچا سکتی ہوں؟"

ماہین کے آنسوؤں کی رفتار اب تیز ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ ایک بار پھر سرخ ہو گیا تھا، جیسے دل کی تمام شدت باہر آ رہی ہو۔

محراب اور استاد خضر ماہین کی یہ حالت دیکھ کر شل تھے۔ محراب کا دل نکال کر کوئی دیکھتا تو جانتا کہ اس وقت

وہ اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر کس گہرے درد سے گزر رہی تھی۔

استاد خضر نے ماہین کی بات سن کر سب سے پہلے اسے نیچے بیٹھنے کا کہا، اور ایک بچے کو بھیج کر اس کے لیے پانی منگوایا۔

پھر انہوں نے اپنا سوال داغا، "کیا تم ایک حدیث سنو گی، ماہین؟" وہ ہمیشہ جواب دینے سے پہلے ان سے ایسے ہی پوچھا کرتے تھے، اور ماہین خود کو مکمل تیار کرتی تھی، استاد خضر کی بات پوری توجہ سے سننے کے لیے۔

مگر آج ماہین ان کی اس بات کا جواب نہیں دے سکی، اسے یقین تھا کہ اب وہ کہیں گے کہ گھر جوڑنے والی بنو ورنہ جہنم میں جاؤ گی، ماہین۔

استاد خضر چند سیکنڈ تک ماہین کو دیکھتے رہے، پھر خود ہی جواب دینا شروع ہوئے: **"حدیث میں آتا ہے، 'من لا یغضب علی الظلم فلا یعتبر نفسه مؤمنا' ' جو شخص ظلم پر ناراض نہیں ہوتا، وہ اپنے آپ کو مومن نہ سمجھے'" (ابنِ ماجہ، حدیث نمبر 3964)**

استاد خضر کی یہ بات سن کر ماہین کو لگا کہ آج اس کے دل کی ساری گٹھیاں سلجھ جائیں گی۔ وہ اپنی نم آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی، اور ان کی بات کی گہرائی سمجھنے کی کوشش کرنے لگی، جیسے ایک نیا راستہ اس کے سامنے کھل رہا ہو۔

اتنے میں ایک بچہ پانی کے دو گلاس لے کر آگیا، ماہین اور محراب نے پانی پیا۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

اب وہ دونوں استاد خضر کے سامنے بیٹھی ان کی اگلی بات کو توجہ سے سننے کے لیے تیار تھیں۔

ماہین بچے! اسلام ہمیں تکلیف برداشت کرنے کا کہتا ہے، مگر یاد رکھو! وہ تکلیف جو ہمارے رب کی طرف سے ہم پر آئے۔ لیکن وہ تکلیف جو انسان ہمیں دیں، اور مسلسل دیں، ان کے خلاف آواز اٹھانا ہم پر فرض ہے۔

اگر ہم سب دیکھتے بوجھتے ظلم پر خاموش رہے، تو ہم سے اس کا سوال ہوگا کہ کیوں نہیں بولے تم اپنی ذات کے لیے؟

کیا اللہ نے تمہیں آواز نہیں دی؟ کیا اللہ نے تمہیں طاقت نہیں دی تھی؟

کس چیز نے تمہیں کسی انسان کے ظلم پر خاموش رہنے پر مجبور کیا؟ چاہے وہ مظلوم ہم خود ہی کیوں نہ ہوں۔

جو لوگ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے آئے ہیں، کیا انہوں نے تمہیں اللہ کی رحمتوں سے آگاہ نہیں کیا؟

کیا ماہین، تم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر غور کرنا بند کر دیا؟

ماہین کو یاد تھا، بچپن میں جب وہ قرآن پڑھنے آیا کرتی تھی، تو استاد خضر نے انہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں موجود اللہ کے دو عظیم ناموں (الرحمٰن الرحیم) کے بارے میں بتایا تھا۔

اور کہا تھا زندگی میں کہیں بھی چلی جانا، مگر ان دو ناموں کو ساتھ لے کر جانا۔

ماہین کے دل سے بوجھ ایک ایک کر کے اترتے چلے گئے۔ جیسے کوئی طوفان کے بعد پرسکون ساحل پر آ جائے۔

استاد خضر کی باتیں، جیسے اس کی روح کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی تھیں۔

ماہین نے دھیرے سے سر اٹھایا، آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، ایک نئی روشنی۔ جیسے کسی کھوئے مسافر کو اپنی منزل کا راستہ مل گیا ہو۔

"استاد جی، میں اللہ کی رحمتوں سے غافل ہو گئی تھی۔ میری زندگی میں اندھیر تھا، اور میرا گناہ یہ تھا کہ میں اس اندھیر میں ڈوبتی چلی گئی۔ لڑکی کی اصل بہادری ہر کسی کو بنا ڈرے جواب دینا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی اصل بہادری خود قبولی ہے۔"

میں خود کو قبول کرتی ہوں، میں کسی کے غم دور نہیں کر سکتی، بلکل اسی طرح جیسے کوئی میرے غم مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔ تکالیف اور آزمائش ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور اسے صرف وہی دور کر سکتا ہے، جب وہ چاہے، جہاں وہ چاہے۔ ہم انسان ایک دوسرے پر اپنے ٹراماز کا بوجھ نہیں ڈال سکتے، ہر کسی کو اپنے غموں سے خود نکلنے کا راستہ تلاشنا ہوتا ہے۔" ماہین خود سے بول رہی تھی، جیسے خود کو سمجھا رہی ہو۔

استاد خضر نے مسکرا کر جواب دیا، "ماہین، اللہ نے تمہیں ابھی جگایا ہے۔ یہ اس کی بہت بڑی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں غفلت کی نیند سے اٹھایا اور یاد دلایا کہ اس کا رحم ہر چیز پر غالب ہے۔"

ماہین کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں، مگر اس بار یہ آنسو غم کے نہیں، بلکہ سکون کے تھے۔

اسے لگا کہ جیسے اس کے دل کے اندر کوئی چھپی ہوئی امید کی کرن پھر سے روشن ہو گئی ہے۔

ماہین نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ اب اپنے شوہر کے ان رویے کو مزید برداشت نہیں کرے گی۔

وہ جانتی تھی کہ اُس کی خاموشی نے اس کے شوہر کو اور زیادہ مضبوط بنایا تھا، لیکن اب وہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے گی۔

اس کے دل میں ایک نیا حوصلہ اور عزم جاگ چکا تھا۔

ماہین نے استاد خضر کا شکریہ ادا کیا اور محراب کا ہاتھ تھام کر وہاں سے نکل

آئی۔ اب اس کی راہیں واضح ہو چکی تھیں، وہ جانتی تھی کہ اسے کس راستے پر چلنا ہے۔۔

"محراب! تم امی اور بابا سے آج کی ہوئی کوئی بات نہیں کرو گی۔ میں اس معاملے کو سنواروں گی۔ یہ میری جنگ ہے، اور میں خود اپنے لیے لڑنا چاہتی ہوں۔"

محراب نے اپنی بہن کے سامنے ہامی بھر دی، کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔

لیکن محراب یہ تہیہ کر چکی تھی، آج رات بابا کے آتے ہی وہ انہیں ساری بات بتا دے گی اور وہ اپنی بہن کو واپس لے آئے گی۔ "آگ لگے اس ارسل کے بچے کو۔"

اس نے غصے سے سوچا۔

ماہین واپس اوپر اپنے اپارٹمنٹ آ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں،

مگر دل بہت پرسکون تھا۔ کتنے عرصے بعد وہ کھل کے سانس لے پا رہی تھی۔

ماہین نے نماز ادا کی، قرآن کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے بیٹھی تھی۔ وہ بہت اپنائیت اور محبت سے قرآن کو چھو رہی تھی، جیسے اللہ تعالیٰ سے تلافی کر رہی ہو۔

"میں کیسے آپ سے دور ہو گئی اللہ؟"

اس نے قرآن کا پہلا صفحہ کھولا، جس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تھے، اور شروع میں الرحمن الرحیم لکھا تھا۔

ماہین گہری سانس لیتے ان دو ناموں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

زیرِ لب پڑھ رہی تھی، یا شاید دہرا رہی تھی۔

الرحمن یعنی سب پر رحم کرنے والا،"
چاہے وہ اللہ کے ولی ہوں یا ہم جیسے
گناہگار۔ اللہ جی، آپ تو سب پر رحم
کرتے ہیں۔ میں کتنا عرصہ دور رہی ہوں
آپ سے، لیکن پھر بھی دیکھیں، آپ نے
مجھے نہیں چھوڑا۔ آج بھی آپ نے اپنے
الفاظ مجھ تک پہنچا دیے۔ یا اللہ، آپ
کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ ماہین
سے کوئی اتنی محبت نہیں کرتا جتنی آپ
کرتے ہیں۔

اور رحیم، یعنی بار بار رحم کرنے والا۔
دیکھنے میں تو دونوں لفظ رحم سے متعلق
ہیں اللہ جی، لیکن مجھے یاد ہے استاد
خضر نے مجھے ان دونوں

الفاظوں کی گہرائی سمجھائی تھی۔

یہ دونوں نام ایک دوسرے سے مختلف
ہیں۔ الرحمن آپ سب کے لیے ہیں، چاہے

وہ کافر، یہودی، عیسائی، ہندو ہو، آپ
ان سب کو رزق دیتے ہیں، انہیں اولاد کی
خوشیاں دیتے ہیں، کیونکہ آپ رحمان
ہیں۔ آپ انسانوں کی طرح نہیں ہیں جو
غلطیوں گناہوں کے بعد موقع نہیں دیتے۔
آپ ہمیں دوسرے لوگوں کی طرح جج
نہیں کرتے۔

اور رحیم، یہ صفت خاص ہمارے لیے ہے،
یعنی ان لوگوں کے لیے جو آپ کو جانتے اور
مانتے ہیں۔ آپ بار بار ہمیں معاف کرتے
ہیں، جیسے آپ نے مجھے معاف کیا ہے۔
میں جتنا بھی دور رہی، ایک معافی پر آپ
راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ میرے پلٹنے کا
انتظار کرتے ہیں۔

یا اللہ، میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب
ماہین آپ سے کبھی دور نہیں جائے گی۔

یا رحمان و رحیم! دنیا میں ماہین سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتی ہے۔

ماہین مسکراتے ہوئے یہ باتیں اپنے رب سے کر رہی تھی، اور قرآن کو واپس غلاف میں ڈالتے، اس نے سفید دستانے بھی اس میں ڈال دیے۔

قریباً مغرب کا وقت داخل ہوا۔

ماہین اپنی نند عارفہ کے کمرے میں موجود تھی۔ عارفہ بہت خوشی سے ماہین کو اپنی شادی کی شاپنگ دکھا رہی تھی۔

وہ دونوں اب اچھی دوستیں بن چکی تھیں۔ عارفہ کے مزاج کا کڑوا پن، دھیمے دھیمے جا چکا تھا۔ اب وہ ماہین پرحلال حرام کے فتوے نہیں لگاتی تھی۔

کچھ دیر بعد ارسل گھر آ گیا۔

ماہین نے عارفہ کو دعا دی، اور اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

ماہین نے سوچا تھا، آج وہ ارسل سے بات کرے گی اور اسے صاف کہے گی کہ اگر اس نے دوبارہ کبھی اس پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی یا اسے گالی دی تو وہ اپنے باپ کے گھر چلی جائے گی۔

وہ یہ بات اچھے طریقے سے شروع کرنا چاہتی تھی، تحمل سے اس کے دماغ میں یہ بات ڈالنا چاہتی تھی۔

کمرے میں آنے پر اس نے ارسل کو بیڈ پر چہرے نیچے کیے بیٹھے دیکھا۔ اس نے اپنے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔

ماہین اسے پانی دینے کے لیے آگے بڑھی، جب ارسل نے اس کا بازو پوری شدت سے مروڑا۔ ماہین کی زور سے چیخ نکل گئی۔

"سمجھتا کیا ہے تمہارا وہ باپ خود کو؟ اسے اپنی بیٹی پر ذرا ترس نہیں آیا کہ اسی کے شوہر کو جاب سے نکلوا دیا تھا؟"

ارسل کو آج یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ اس کی اپنی کمپنی کے ڈیٹا لیک کرنے کی خبر خود خاور نے اس کے آفس دی تھی۔ ارسل کو لگا اس میں ماہین بھی شامل تھی۔

وہ ایک ہاتھ سے ماہین کا ہاتھ پکڑے تھا، جبکہ دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھے ہوئے تھا۔

اس بار ماہین نے پوری شدت سے اس کا ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹا۔

درد کے باعث ارسل کے ہاتھوں کی گرفت نرم پڑی، ماہین نے اپنا بازو چھڑوا کر پوری شدت سے اسے دھکا دیا۔

اور اونچی آواز میں چیخ کر کہنے لگی،
"ارسل نیاز! میں تمہیں آج ایک آخری موقع دینے لگی تھی۔

تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، وہ صحیح نہیں کیا۔ تم اپنے ٹراماز اور ذہنی

دباؤ کو میرے سر ڈالتے گئے۔

تم ایک نارسسٹ مرد ہوے بجائے اپنے ذہنی توازن پر کام کرنے کے، تم مجھے ذہنی مریض بنانا چاہتے ہو۔

میرے باپ نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا، وہ بالکل صحیح تھا۔ وہ میرے لیے کچھ غلط نہیں سوچ سکتے۔ تم جیسا انسان نہ اچھا شوہر بن سکتا ہے، نہ اچھا باپ۔ اور میں اپنے بچے کو اس ماحول میں کبھی نہیں رکھ سکتی۔"

ماہین آج غصے کی شدت میں تھی۔ اس کی آنکھیں آج خالی تھیں۔ اسے کوئی خوف، کوئی غم نہیں تھا۔

ارسل کھڑا ماہین کی باتوں کو سن رہا تھا، جب اس نے غصے سے ہانپتے ہاتھوں سے پاس پڑا وزنی جگ اٹھایا اور پوری شدت سے ماہین کی طرف

پھینکا۔

جگ سیدھا ماہین کے پیٹ میں لگا، اور پھر زمین پر دھماکے سے گر گیا۔

ماہین کے پیٹ میں پلتی وہ نئی دنیا، جس نے ابھی تک سانس بھی نہیں لی تھی، وہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔

ماہین کی تکلیف کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اونچی آواز میں چیختے ہوئے اوندھے منہ لیٹتی گئی۔ اسے لگا کہ آج اس کا دنیا میں وقت ختم ہو گیا۔

ماہین کی چیخیں سن کر عارفہ اور صفینہ دونوں خوف زدہ اور گھبراہٹ میں دوڑتی ہوئی آئیں۔

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئیں، ان کی آنکھیں اس منظر پر یقین نہ کر سکی جو نظر آ رہا تھا۔

ماہین فرش پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی، اس کے پیٹ پر خون کے دھبے پھیل رہے تھے، وہ تکلیف کی شدت میں صرف ایک

آیت ہلکا ہلکا دہرا رہی تھی " ربی انی " مسنی الضر و انت ارحم الراحمین

(مجھے تکلیف پہنچی ہے میرے رب اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ
ہ وہ عربی میں وہ آیت(رحم کرنے والا ہے
دہراتے ہوئے بےہوش ہوگئی۔

اس کے چہرے پر تکلیف کی شدت واضح تھی۔ عارفہ کے ہاتھ کانپنے لگے، اور صفینہ کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا۔

دونوں کو ایک لمحے کے لیے یہ سب خواب سا لگا۔ یہ وہ ماہین نہیں تھی جسے وہ جانتی تھیں، وہ تو ہمیشہ سے مضبوط، خوددار اور اپنی بات پر قائم رہنے والی تھی۔

مگر آج، آج وہ شکستہ اور ٹوٹ چکی تھی۔ ارسل، جس نے یہ سب کیا تھا، اپنے غصے کی شدت میں مبتلا، بنا کچھ کہے کمرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔

اس کو سمجھ نہیں آرہی تھی، اب کیا کرے وہ۔

عارفہ اور صفینہ ہچکچاتے ہوئے ماہین کے قریب آئیں، اس کی حالت دیکھ کر ان کے دلوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

"ہمیں اسے فوراً ہسپتال لے جانا ہوگا!"" صفینہ کی آواز میں گھبراہٹ اور بےبسی کا اظہار تھا۔ وہ دونوں ماہین کو سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں، لیکن عارفہ باہر کی طرف لپکی، اس نے کسی کو مدد کے لیے پکارنا زیادہ مناسب سمجھا۔

اسی لمحے، ماہین کا باپ، خاور، جو ابھی ابھی آفس سے واپس آیا تھا، اپنے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا۔

جب عارفہ نے اسے بتایا کہ ماہین شدید تکلیف میں ہے اور اسے ہسپتال لے جانا ضروری ہے۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

خاور کے دل میں ایک دھچکا لگا، جیسے کسی نے اس کی زندگی کو روند دیا ہو۔ خاور کی سانسیں تیز ہو گئیں، اور وہ بغیر کسی دوسری بات کے ماہین کے اپارٹمنٹ کی طرف بھاگا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ماہین کو خون میں لت پت دیکھا، اور اس کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ اس کی بہادر بیٹی، جسے وہ ہر وقت شرارتے کرتا، اور ہنستے ہوئے دیکھتا تھا۔

اس کے سامنے بے ہوش پڑی تھی، اور اس کی حالت ناقابل بیان تھی۔

خاور نے جلدی سے ماہین کو اٹھایا، اور اسے ہسپتال لے جانے کے لیے باہر دوڑ پڑا۔ اس کے دل میں خوف، غم، اور ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کے چہرے

کو دیکھ رہا تھا، جس پر تکلیف کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

ہسپتال پہنچنے پر ڈاکٹروں نے فوری طور پر ماہین کا معائنہ کیا، اور کچھ دیر بعد خبر دی کہ ماہین کا مسکیرج ہو چکا ہے۔

لیکن ماہین کا آپریشن ابھی تک جاری تھا۔

ماہین کی ماں ہاجرہ اور بہن محراب بھی ہسپتال پہنچ گئیں۔ دونوں کی حالت بری تھی، آنکھوں میں آنسو اور دل میں خوف۔ محراب اپنے آپ کو کوس رہی تھی کہ کاش وہ اپنی بہن کو واپس جانے ہی نہ دیتی، تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔

خاور ایک طرف کھڑا تھا، جیسے اس کی روح اس کے بدن سے نکل گئی ہو، وہ پھٹی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا

تھا، لیکن اس کے لیے کچھ بھی سمجھنا ناممکن ہو گیا تھا۔

تایا فدا، جو اس وقت مالایشیا میں تھا، اپنی بھتیجی کی حالت کی خبر سن کر فوراً ہسپتال پہنچ گیا۔ وہاں کی فضا میں ایک عجیب سا سناٹا تھا، جیسے وقت رک گیا ہو، اور ہر کوئی بس ایک ہی سوال کر رہا ہو: "آخر یہ سب کیسے ہوا؟"

خاور کے لیے یہ وقت انتہائی کٹھن تھا۔ انہوں نے اپنی جان سے پیاری بیٹی کو اس حالت میں دیکھا، جو ایک ماں بننے والی تھی، لیکن اس کا بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی چلا گیا تھا۔

خاور کے لیے اس لمحے کی اذیت کو بیان کرنا ممکن نہیں تھا، وہ ایک ٹوٹے ہوئے انسان کی طرح اس آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑا تھا۔

فدا حسین کے آنے پر ہسپتال کے سارے لوازمات انہوں نے دیکھے، کیونکہ خاور سے اس وقت ایک قدم چلنا بھی دشوار تھا۔

ان سب کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد، ڈاکٹر ایک بار پھر وارڈ کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

تمام لوگ جنہوں نے ہر لمحہ دعا میں گزارا تھا، امید بھری نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگے۔

ڈاکٹر نے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے بتایا، "ماہین کا آپریشن کامیاب رہا ہے، مگر اس کی مکمل صحت یابی کے لیے دو سے تین ہفتے درکار ہوں گے۔ قریباً ایک مہینے تک اسے زیادہ چلنے نہ دیا جائے۔

فی الحال، اسے بےہوش رکھا گیا ہے، اور کچھ دیر بعد اسے ہوش آئے گا۔ ہم اسے دوسرے وارڈ میں منتقل کر رہے ہیں۔"

یہ خبر سن کر سب نے اطمینان کا سانس لیا، لیکن خوشی کے ساتھ ایک درد بھی تھا۔

ماہین کی ماں اور بہن کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ وہ اللہ کے شکر گزار تھے کہ ان کی بچی محفوظ تھی، مگر بچے کھونے کا غم ان کی خوشی کو ادھورا کر رہا تھا۔

دل کی گہرائیوں میں ایک خلا محسوس ہو رہا تھا، جو شاید کبھی پُر نہیں ہو سکتا تھا۔

عارفہ اور صفینہ ابھی تک صدمے میں تھیں کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟ ان کے دماغ

میں بےشمار خدشات اُبھر رہے تھے، مگر ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔

خاور نے ڈاکٹر کی باتیں سننے کے بعد لمبی سانس خارج کی، جیسے وہ اپنے سینے سے بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کر رہا ہو، اور پھر ہسپتال سے باہر نکل گیا۔

اسے کہیں اور جانا تھا، کسی اور جگہ۔

*******

تین گھنٹے بعد، ماہین کو ہوش آیا۔

جب تک ماہین نے آنکھیں کھولیں، محراب، اپنی ماں اور فدا حسین کو دن بھر کی تمام باتیں بتا چکا تھی۔

صفینہ بار بار معذرت کرنے کی کوشش کر رہی تھی، "میرا بیٹا ذہنی دباؤ کا شکار ہے، اسی وجہ سے اس کا غصہ بڑھ جاتا

ہے۔ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد سے ہی اس حالت میں ہے۔"

عارفہ خاموش کھڑی، نیچے زمین کو تکتی رہی۔ اس کے چہرے پر ندامت کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

ماہین کی ماں، جو اپنے سرائیکی انداز میں بات کرنے کی عادی تھی، صفینہ کی حد تک بےعزتی کر چکی تھی۔

"اگر تمہارا بچہ پاگل ہے تو تم ہمیں بتاتی، میں تمہیں پاگلوں کے انجیکشن لا دیتی، کم سے کم میری بچی اس کے پاگل پن کا شکار نہ بنتی!" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

ماہین کی ماں سرائیکی خاتون تھی))

*******

ماہین کو ہوش تو آ چکا تھا، مگر اس کی تکلیف ابھی ایسی ہی تھی۔ وہ اپنے آنسوؤں کو پی کر خاموشی سے چھت کو گھور رہی تھی، جیسے وہاں سے کوئی تسلی بخش جواب ملنے کی امید ہو۔ لیکن اس وقت وہاں صرف خاموشی تھی، اور اس خاموشی میں وہ خود کو بےبس محسوس کر رہی تھی۔

ماہین جانتی تھی کہ اُس کا بچہ اب دنیا میں نہیں رہا۔

اس کی آنکھیں خالی تھیں۔ وہ صدمے کی ایسی کیفیت میں تھی کہ اُس کے لب خاموش اور آنکھیں بےنور تھیں، جیسے وہ دنیا اور اس میں موجود لوگوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

اُس کے چاروں اطراف موجود چہرے، اس کے لیے مانوس ہونے کے

باوجود اجنبی محسوس ہو رہے تھے۔

ماہین کی خواہش تھی کہ صفینہ بس کسی طرح وہاں سے چلی جائے۔ وہ ارسل کی ماں کو وہاں برداشت نہیں کر پا رہی تھی، لیکن وہ اب بھی خاموش تھی۔

اس کے دل میں کتنے ہی طوفان اٹھ رہے تھے، مگر وہ سب اس کی خاموشی میں چھپے ہوئے تھے۔

یہ رات کے ایک بجے کا وقت تھا، خاور اور ارسل کے سوا سب لوگ اُس کمرے میں موجود تھے، اور اُسے دیکھ رہے تھے۔

فدا حسین، غصے اور تکلیف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ، خاموش کھڑے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خاور اس وقت کہاں ہے اور کیا کرنے گیا ہے۔ وہ چاہتے تھے خاور اپنا کام مکمل کر کے جلد واپس آئے۔

ارسل اس وقت اپنے ایک دوست کے گھر چلا گیا تھا۔

وہ خوف میں مبتلا تھا، اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں، اُسے اپنی سنگین غلطی کا احساس ہو چکا تھا، اور وہ اُس سے بچنے کا کوئی راستہ تلاش کر رہا تھا، جب اچانک اُس گھر کے باہر پولیس کی گاڑی آ کر رک گئی۔

سائرن کی آواز سن کر ارسل کے جسم پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے، خوف اُس کے چہرے پر واضح تھا۔ اُس کے دوست نے دروازہ کھولا۔ باہر پولیس یونیفارم میں ملبوس ایس-ایچ-او یوشاکا کھڑا تھا، جو ایک ملائیشیائی آدمی تھا۔

وہ کسی پولیس فورس کے ساتھ نہیں آیا تھا، وہ اکیلا تھا۔ اُس کے ساتھ خاور بھی

موجود تھا۔ یوشاکا اور خاور بہت پرانے دوست تھے۔

اُس نے ارسل کے دوست سے مخاطب ہو کر کہا، "ارسل کو باہر بھیجو۔"

اُس کی گرج دار آواز نے ارسل کے دوست کو دہلا دیا۔

اُس نے بنا سوچے سمجھے کہا، "ارسل اندر موجود ہے۔"

یوشاکا اندر داخل ہوا، اُس کے پیچھے خاور بھی آیا۔ اندر سامنے حال میں، ارسل بیٹھا تھا، گردن جھکائے، خوف زدہ حالت میں۔

خاور آگے بڑھا اور ارسل کے منہ پر ایک زور دار مکا مارا۔

ارسل میں ہمت نہ ہوئی کہ وہ مزاحمت کرتا۔

یوشاکا ایک طرف ہاتھ باندھے سکون سے
کھڑا ہوگیا، جب کہ خاور مسلسل ارسل
کو گھونسے مار رہا تھا۔

ارسل کی ناک اور ہونٹ سے خون بہنے
لگا۔

اس بار ارسل بھی خاور پر ہاتھ اٹھانے کے
لیے آگے بڑھا، مگر خاور نے اُس کا ہاتھ پکڑ
کر اُس کے منہ پر زور دار تھپڑ مارے۔

یہ تھپڑ اتنے شدید تھے کہ ارسل زمین پر
اوندھے منہ گر گیا۔

اس کے بعد یوشاکا آگے بڑھا اور ارسل کو
گھسیٹ کر باہر گاڑی تک لے گیا، اُسے اندر
بٹھا کر ہتھکڑی نکالی اور اُسے لگائی۔
""آج تمہارا قصہ ختم ہوا۔"

خاور کا سر غصے سے گھوم رہا تھا، لیکن
یوشاکا نے اُسے سنبھالا۔ اُسے پکڑ کر آگے

گاڑی میں بٹھایا، پیچھے ارسل کے ہاتھ ہتھکڑی سے بندھے ہوئے تھے۔

گاڑی پوری رفتار میں چل رہی تھی۔ خاور چاہتا تھا کہ ارسل ابھی اسی وقت گاڑی سے باہر کود جائے اور فنا ہو جائے، لیکن ارسل خاموشی سے بیٹھا رہا، اُس کے منہ پر زخم واضح تھے۔

وہ جان چکا تھا کہ اب وہ جو بھی کرے گا، اُس کے خلاف ہی جائے گا۔

یوشاکا خود ارسل کو جیل میں بند کر کے واپس خاور کے پاس آیا۔

اُس سے ارسل کے خلاف ایف-آئی-آر درج کروائی۔

اور خاور کے کہنے پر اُس کے تمام کاموں کی جانچ پڑتال شروع کر دی گئی۔ اب اُس کا بچنا ناممکن تھا۔

"سکون کرو خاور۔ اب پولیس کو اپنا کام کرنے دو۔ یقین کرو، اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملے گی۔" یوشاکا نے خاور کو تسلی دی۔

خاور اور یوشاکا اس وقت یوشاکا کے آفس میں اکیلے تھے۔

"میرا جی چاہتا ہے، میں اس کی چمڑی اس کی ہڈیوں سے الگ کر دوں یوشاکا۔ تم نے نہیں دیکھا، میری ماہین کس حال میں تھی۔ میں وہ نہیں بھول سکتا۔"

خاور اپنے پاکستانی انداز میں شدید غصے میں بول رہا تھا۔

"اسے ہر بات کی سزا ملے گی، تم تسلی رکھو۔ اب ماہین خطرے سے باہر ہے۔ وہ کچھ بہتر ہو، تو ہم اس کا بیان لیں گے۔"

یوشاکا نے خاور کے کاندھے پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھ کر کہا۔

خاور اب کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے اپنے بھائی فدا حسین کو کال کی، اور ماہین کا حال پوچھا۔

انہوں نے خاور کو اطلاع دی، کہ وہ ہوش میں آ چکی ہے مگر کسی سے بات نہیں کر رہی، ساکت ہے۔

خاور نے خاموشی سے کال کاٹ دی۔

اب آفس میں خاموشی چھا گئی۔ یوشاکا سامنے اپنے دوست پر نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔

جب اچانک خاور کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے۔ وہ مرد جو ساری

عمر ایک مضبوط کردار رہا، بڑی سے بڑی مشکل نے بھی اسے اس طرح سے نہیں توڑا تھا جیسے وہ آج ٹوٹا تھا۔

وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے، ہچکیوں سے رونا شروع ہو گیا۔ اس کی تکلیف کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

یوشاکا خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا رہا، اس نے اسے چپ ہو جانے کا نہیں کہا۔

وہ جانتا تھا کہ جب کوئی مضبوط انسان آپ کے سامنے رونے لگے، تو اس کا مطلب ہے وہ تھک گیا ہے، کوئی بھاری بوجھ اٹھا کر۔ کچھ دیر اسے رو لینے دیا جائے تاکہ وہ واپس اپنی اصلی حالت میں آ سکے۔

کسی روتے ہوئے انسان کو صرف تین باتیں نہیں کہنی چاہیئے: پریشان مت ہو، رونا بند کرو، خاموش ہو جاؤ۔

چاہے آپ کو وہ انسان کتنا بھی عزیز ہو، کچھ دیر خاموشی سے رو لینے دینا چاہیے۔

یہ چند قطرے آنسو کبھی کبھی دل کا بہت سارا بوجھ اٹھا کے آنکھوں کے اندر چھپے ہوتے ہیں۔ جب بوجھ ہلکا کرنا ہو تو کسی ایسے کے پاس جانا چاہیے جو انہیں بہنے سے روکے نہیں۔ بس خاموشی سے ہمارے کندھے پر ہاتھ رکھ دے۔

خاور روتے ہوئے کہنے لگا، "یوشاکا، میری بیٹی کو کتنی بار اس نے اذیت دی ہوگی؟ کتنی بار میری بیٹی نے خاموشی سے اپنے باپ کو پکارا ہوگا؟

ماہین جب چھوٹی تھی، تو وہ محراب کو تنگ کرتی تھی، اس کے رونے پر ہاجرہ ماہین کو تھپڑ لگانے اس کے پیچھے بھاگتی، اور وہ بھاگ کر میرے پیچھے چھپ جاتی تھی۔ اور معصومیت سے اپنی ماں سے 'کہتی، 'میرے حصے کا بابا کو مارے امی ے

یوشاکا، میری بیٹی ایک بار بھی میرے پاس کیوں نہیں آئی؟"

*******

ماہین نے ڈاکٹر سے درخواست کی تھی کہ وہ کچھ دیر اکیلی رہنا چاہتی ہے، اور اس درخواست پر عمل کرتے ہوئے ڈاکٹر نے اس کے تمام گھر والوں کو کمرے سے باہر بھیج دیا تھا۔

کمرے میں ماہین کا وجود مکمل خاموش تھا۔ وہ چھت کو دیکھتے ہوئے زیرلب بول رہی تھی، "اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو، جو دنیا کا مالک ہے، بس نام اُسی کا لیا کرو۔"

اس کے لبوں سے نکلنے والے یہ الفاظ اُس کے دل کی کیفیت کو بیان کر رہے تھے، جیسے وہ لوگوں کے رویے کو اللہ کے

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

سامنے پیش کر رہی ہو۔ بتا رہی ہو، مجھ دکھ دیا ہے تیرے بندوں نے اللہ۔

جیسے ہی اس نے یہ کلمات ادا کیے، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنا شروع ہوئے۔ وہ آنسو، جو دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے تھے، اچانک ٹپکنے لگے۔

پہلے تو ایک دو آنسو، اور پھر وہ بے قابو ہو کر زور زور سے رونے لگی۔

اُس کا دل جیسے اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتا تھا جو اس پر سوار کر دیا گیا تھا۔

محراب باہر کھڑی تھی، جب ماہین کی دل دہلا دینے والی چیخوں کو سن کر کمرے میں بھاگتی ہوئی آئی۔

اُس کی ماں ہاجرہ تہجد کی نماز ادا کر رہی تھی۔

لیکن ماہین کی چیخوں نے محراب کی روح کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

محراب نے ماہین کو بستر پر لیٹا دیکھا، اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا،

اور وہ پوری قوت سے رو رہی تھی۔ محراب اُس کے قریب آئی اور اُس کے سر کو اپنے سینے سے لگا لیا، جیسے وہ اپنے وجود کے ذریعے ماہین کے درد کو کم کرنا چاہتی ہو۔

"مجھے تمہیں جانے ہی نہیں دینا چاہیے تھا، ماہین، مجھے معاف کر دو،" محراب مسلسل کہتی جا رہی تھی، اور خود بھی اُس کے ساتھ روتی جا رہی تھی۔

دونوں بہنیں اپنے دلوں کے بوجھ کو آنسوؤں کے ذریعے ہلکا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ماہین کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی، جیسے اُس کے جسم نے اُس درد کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا ہو جو اُس پر سوار تھا۔

محراب کے دل میں خوف اُبھر آیا، اور وہ فوراً کسی ڈاکٹر کو بلانے کے لیے باہر کی طرف لپکی۔

کچھ ہی لمحوں بعد، ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی اور ماہین کو آکسیجن ماسک لگا دیا تاکہ اُس کی سانسیں دوبارہ بحال ہو سکیں۔

نرس نے گھر والوں کو سختی سے تاکید کی کہ وہ ماہین کو کسی بھی قسم کی پریشانی سے دور رکھیں، کیونکہ اُس کا جسم اور دل مزید تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہیں تھے۔

ماہین کو بے ہوش کر دیا گیا تھا تاکہ وہ کچھ دیر سو سکے، لیکن اُس کی پلکیں ابھی بھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں، جیسے اُس کا دل ابھی بھی اُس درد سے باہر نہیں نکل سکا تھا جو اُس پر گزر چکا تھا۔

ماہین کی ماں، ماہین کے ساتھ کھڑی تر آنکھوں سے اس پر دم درود کر کے پھونک رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی بچی کے سر پر شفقت سے، محبت سے ہاتھ پھیرتیں۔

ماہین کی ساس صفینہ، عارفہ کے ساتھ واپس جا چکی تھی۔ وہ ہاجرہ کی غصے سے بھرپور تیز آنکھوں سے ڈر گئی تھی۔

اور انہیں ارسل کے بارے بھی پتہ کرنا تھا، کیونکہ وہ ابھی تک اس کی گرفتاری سے لاعلم تھی۔

*******

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ماہین کو بے ہوشی کی حالت میں کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔

اُس کا جسم بے جان سا ہو گیا تھا، جیسے ساری زندگی کی طاقت اُس سے نکل چکی ہو۔

نرس نے بارہا آ کر اُس کا معائنہ کیا، اور ہر بار اُس کی حالت کو دیکھ کر کچھ نہ کہہ پاتی۔

اِس دوران، خاور واپس ہسپتال آگیا۔

ماہین کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوا، تو اُس نے دیکھا کہ محراب، ہاجرہ اور فدا حسین ماہین کے قریب ہی بیٹھے تھے۔

ہاجرہ ماہین کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھی، جیسے ماں کے لمس سے ماہین کو کچھ سکون مل جائے گا۔

محراب کی آنکھوں میں آنسو ابھی بھی چمک رہے تھے، لیکن وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنی بہن کے لیے دُعا کر رہی تھی۔

فدا حسین بے چین تھا، اس نے آگے بڑھ کر خاور کو گلے لگایا۔ اس کو تسلی دی، "وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ تم پر گئی ہے، وہ بہادر ہے۔"

خاور نے خاموشی سے ماہین کے بستر کے قریب جا کر اُس کے چہرے کو

غور سے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن چہرے پر بکھری ہوئی خاموشی نے خاور کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ وہ کبھی

بھی اپنی بیٹی کو اِس حالت میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اُس کے دل میں بے شمار سوالات اُبھرتے جا رہے تھے۔

کیوں؟ یہ سب کیوں ہوا؟ کیا وہ اپنی بیٹی کو محفوظ نہیں رکھ سکا؟

خاور نے آہستہ سے ماہین کے سر پر ہاتھ پھیرا، اُس نے نرمی سے کہا، "ماہین، میری بچی، میں یہاں ہوں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔"

اچانک، ماہین کے جسم میں ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔ اُس کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں، اور نرس جو باہر موجود تھی، فوراً کمرے میں دوڑ کر آئی۔ اُس نے فوراً ڈاکٹر کو بلانے کے لیے ایمرجنسی بٹن دبایا۔

ڈاکٹر نے فوراً ماہین کا معائنہ شروع کیا اور اُس کی سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کی۔

خاور اور ہاجرہ پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہ لمحے اُن کے لیے جیسے قیامت کی گھڑیاں بن چکے تھے۔

ڈاکٹر کی مسلسل کوششوں کے بعد، ماہین کی سانسیں بحال ہو گئیں، لیکن اُس کا جسم بہت نازک ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر نے خاور سے کہا، "ہمیں دعا کرنی ہوگی کہ وہ اِس مشکل گھڑی سے گزر جائے۔ اُس کا جسم بہت کمزور ہو چکا ہے، اور ہمیں اُس کی حالت پر بہت قریب سے نظر رکھنی ہوگی۔"

خاور نے صرف سر ہلایا، اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر اُمڈ آیا۔ وہ جانتا

تھا کہ اب اُس کے پاس صرف اللہ کا آسرا ہے۔

اس نے زیرِلب دعا شروع کی، "یا اللہ، میری بیٹی کو محفوظ رکھ، اُس کی حفاظت فرما۔"

*******

ماہین کی سانسیں واپس بحال ہوتے دیکھ، محراب نے گہری سانس لی۔ لیکن اس کا دل ایک بہن کا دل تھا، جو اب بھی بے چین تھا۔

وہ جانتی تھی کہ ماہین نے جو صدمات برداشت کیے ہیں، ان کا اثر اس کی جسمانی حالت کے ساتھ ساتھ اس کے دل و دماغ پر بھی ہوا ہے۔ ماہین کو واپس نارمل ہونے میں بہت وقت لگنے والا ہے۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

محراب دوبارہ ماہین کے کمرے میں گئی۔ ماہین اب بھی بے ہوش تھی، مگر اس کا چہرہ کچھ پرسکون لگ رہا تھا۔

"کیا اسے ایک بار بھی ترس نہیں آیا ہوگا؟"

محراب نے ماہین کے قریب بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"ماہین، میں جانتی ہوں تم بہت مضبوط ہو،" محراب نے دھیرے سے کہا، "تم ہمیشہ سے میری ہیرو رہی ہو۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں اس حال میں دیکھ کر میں ٹوٹ چکی ہوں۔

لیکن میرا یقین ہے کہ اللہ میری بہن کو جلد ٹھیک کر دے گا، آخر تم اللہ کی لاڈلی ہو۔" وہ یہ کہہ کر ہنس دی۔

ماہین بہت جلد اپنے ہر مسئلے سے چھٹکارا پا لیتی تھی۔

اسکول، کالج میں کم پڑھ کر بھی اچھے نمبرز حاصل کر لیتی تھی۔ جبکہ سب کے پوچھنے پر بس اتنا کہتی تھی، "بابا کہتے ہیں، میں اللہ جی کی لاڈلی بندی ہوں نا، "بس اسی لیے خاص کرم ہے مجھ پر۔

اور پورے دل سے مسکراتی تھی جیسے کہہ رہی ہو، ہاں یہ سچ ہے۔

وہ کہتی تھی، 'میرے لیے میرا اللہ معجزے کرتا ہے، ہاں مگر تم لوگ دیکھ نہیں سکتے۔' اور حقیقت یہی تھی، کتنی بار اسے بڑی سے بڑی پریشانی اور مشکل میں بھی اس کے دوستوں نے اسے مسکراتے ہوئے نکلتے دیکھا تھا۔ پتہ نہیں کیسے اس کے لیے راستے اپنے آپ بن جاتے تھے؟

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

اور پھر وہ باری باری سب کو کہتی کہ، 'دیکھو کیسے اللہ نے میرے لیے راستہ نکالا ہے۔ میں اللہ کی ایک لاڈلی مخلوق ہوں، یاد رکھنا اب سبے مجھ سے پنگے مت لینا۔'

واہ! کیا مان تھا، کیا یقین تھا اپنے رب پہ۔

ماہین کے ہاتھ کی ہلکی سی جنبش نے محراب کے دل کو امید سے بھر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی بہن کس درد سے لڑ رہی ہے۔

کسی ہنستے ہوئے کی گہری خاموشی بعض اوقات دل دہلا دیتی ہے۔ اور یہ تکلیف ماہین کے گھر والے برداشت کر رہے تھے۔

*******

اگلا دن پھر ہسپتال میں گزرا۔

آج عارفہ اور صفینہ صبح صبح آئی تھیں۔ انہیں ارسل کی گرفتاری کا علم ہو گیا تھا۔

صفینہ موٹے موٹے ٹسمے بہا رہی تھی، اور خاور سے اپنے بیٹے کی آزادی کا کہہ رہی تھی۔

مجھے اس وقت صرف اپنی بیٹی کی فکر ہے۔۔ ماہین ٹھیک ہو جائے اس کے بعد اس بارے میں دیکھیں گے۔۔ خاور صرف اس وقت صفینہ کو کسی طرح ٹالنا چاہتا تھا۔

عارفہ، محراب کے ساتھ کچھ دیر کے لیے ماہین سے ملی تھی۔ عارفہ نے اس سے معافی بھی مانگی، اور ماہین نے محض سر کو خم دیا۔ وہ اس بارے میں فالحال بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد صفینہ اور عارفہ واپس چلی گئیں۔

خاور نے ناشتہ لا کر محراب، ہاجرہ اور فدا حسین کے سامنے رکھا۔ ناشتے کے بعد خاور نے فدا حسین کے ساتھ جانے کی تیاری کی۔ انہیں پولیس اسٹیشن جا کر ارسل سے ملنا تھا۔

*******

پولیس اسٹیشن کی سرد، بے جان فضا میں، چند لمحوں بعد وہ دونوں میٹینگ روم میں ارسل کے سامنے کھڑے تھے۔

ارسل شرمندہ نظر آتا تھا، جیسے اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے کھڑا ہو۔

خاور اور فدا حسین کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا، لیکن بات کا آغاز فدا حسین نے کیا۔

"ماہین کو کب سے اذیت دے رہے تھے تم؟"

خاور نے بے بسی سے آنکھیں موند لیں۔

یہ سوال جتنا کربناک تھا، جواب سننا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا۔

ارسل نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی، اس کی گردن جھکی ہوئی تھی، اور لبوں سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

فدا حسین کا صبر اب جواب دے چکا تھا۔ "مجھے تمہاری خاموشی نہیں، جواب چاہیے، بے غیرت انسان!"

فدا حسین کی آواز میں غصے کی شدت تھی، جیسے ہر لفظ آگ برسا رہا ہو۔

ارسل نے پہلی بار اپنی نظریں اٹھائیں، اور بے بسی سے کہا، "ماہین مجھے بہت عزیز ہے... وہ کس حال میں ہے؟"

ارسل کے الٹے سوال پر خاور کا ضبط ٹوٹ گیا۔

اس نے فوراً ارسل کا کالر پکڑ لیا اور غصے سے چیخا، "اگر دوبارہ میری بیٹی کا نام لیا، تو میں تمہاری جان لے لوں گا، ذلیل انسان!"

ارسل کے چہرے پر پچھتاوے کے سائے تھے، لیکن اس نے ایک بار پھر بولنے کی کوشش کی۔

"میں آپ کے سوال کا جواب دوں گا فدا صاحب، لیکن پہلے مجھے یہ بتائیں کہ ماہین اور میرا بچہ دونوں ٹھیک ہیں؟"

اس بار فدا حسین کی گہری آنکھوں میں غضب کا طوفان اٹھا۔ اس نے سرد مہری سے کہا،

"ماہین کے بچے کا قتل کر دیا گیا ہے، اور اس کا خون اس کے باپ کے ہاتھوں ہے۔ اور جہاں تک ماہین کی بات ہے، وہ اللہ

کے حکم سے بلکل ٹھیک ہے، لیکن تمہارے "لیے وہ ہمیشہ کے لیے مر چکی ہے۔

فدا حسین کی باتیں سن کر ارسل پر سکتہ طاری ہو گیا، جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا انجام ہو چکا ہے۔

فدا حسین نے اپنے اندر کا زہر نکالتے ہوئے پھر پوچھا، "اب جواب دو، ماہین کو کب "سے اذیت دے رہے تھے تم؟

ارسل نے بے بسی سے سر جھکا لیا، "میں نے جان بوجھ کر کبھی اسے تکلیف نہیں پہنچائی۔ میرے باپ کی وفات کے بعد سے ساری ذمہ داری مجھ پر آ گئی تھی۔ میں ماہین کو اذیت دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جو کچھ ہوا، وہ غصے کی حالت میں ہوا۔ میں اس وقت ایک بہت برے دور سے گزر رہا تھا۔ ماہین سمجھتی

ہے مجھے، اور میں جانتا ہوں، وہ مجھے معاف کر دے گی۔"

ارسل کی ڈھٹائی دیکھ کر خاور اور فدا حسین دونوں حیران و پریشان تھے۔ ارسل کی باتوں میں ذرا سی بھی ندامت نہیں تھی، اور یہ بات انہیں مزید دکھی کر رہی تھی۔

وہ الٹا ہر چیز کا قصور اپنے حالات کو دے کر خود کو آزاد کر رہا تھا۔

اس جیسے لوگ جب بھی پھنستے ہیں، وہ اپنے ماحول یا حالات کا سہارا لے کر خود کو بے قصور بنا دیتے ہیں۔

فدا حسین اور خاور ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئے، جیسے ارسل کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ فضا میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔

خاور کی مٹھی سختی سے بھینچ گئی تھی، جیسے اس نے خود پر قابو پانے کی آخری کوشش کی ہو، لیکن فدا حسین کے دل میں کچھ ٹوٹ رہا تھا۔

"معاف کر دے گی؟" فدا حسین نے جیسے خود سے کہا، "تم کیا سمجھتے ہو کہ ماہین تمہاری نارسسٹ پرسنیلٹی کو سمجھ نہیں پائے گی؟"

ارسل نے ایک بار پھر اپنی نظریں جھکائیں، "میں جانتا ہوں، میں نے غلطیاں کی ہیں۔ لیکن ماہین کے دل میں میرے لیے ابھی بھی محبت ہے۔ وہ مجھے چھوڑ نہیں سکتی، میں اس کا شوہر ہوں۔"

خاور کا ضبط اب ختم ہو چکا تھا۔ وہ ارسل کی طرف بڑھا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ ارسل کی گردن ایک

طرف کو ڈھلک گئی، اس کے چہرے پر حیرت اور تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

"محبت؟" خاور نے غصے سے کہا، "تمہیں محبت کی ڈیفینیشن معلوم ہے؟ محبت میں انسان ایک دوسرے کی عزت کرتے ہیں، نہ کہ انہیں اذیت دے کر خود کو مطمئن کرتے ہیں۔ محبت ایک وعدہ ہے، ایک دوسرے کو بچانے کا، ساتھ نبھانے کا، ایک دوسرے پر جان چھڑکنے کا۔ تم نے ماہین کی زندگی برباد کر دی، اور اب تمہیں امید ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے گی؟"

فدا حسین نے خاور کو پیچھے کیا اور ارسل کے قریب جا کر سرد لہجے میں کہا، "تمہیں کیا لگتا ہے کہ معافی مانگ کر سب ٹھیک ہو جائے گا؟ نہیں ارسل، تم نے ایک معصوم جان کا قتل کیا ہے۔ تمہاری یہ غلطیاں معافی کے قابل نہیں۔ اور

جہاں تک ماہین کا تعلق ہے، وہ اب تمہارے لیے کبھی وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے تھی۔"

ارسل کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا، لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔ اس کی آنکھوں میں اب پچھتاوے کے بجائے خوف تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میں نے غلط کیا، لیکن میرے دل میں ماہین کے لیے محبت ابھی زندہ ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں جی سکتا۔" ارسل کی آواز میں بے بسی نمایاں تھی۔

خاور نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا، "محبت اور ظلم ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ تم نے اپنی محبت کے نام پر جو کیا ہے، وہ ظلم ہے، اور اس کا کفارہ تمہیں بھگتنا ہوگا، ساری زندگی۔"

فدا حسین نے سختی سے کہا، "تمہارے لیے صرف ایک ہی راستہ بچا ہے، اور وہ ہے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا۔"

ارسل کے چہرے پر سناٹا چھا گیا۔ اس کے دل میں بس ایک ہی بات گونج رہی تھی، "کفارہ ادا کرنا ہے۔"

خاور نے فدا حسین کی طرف دیکھا اور کہا، "چلیں، ہمیں یہاں مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

فدا حسین نے آخری بار ارسل کی طرف دیکھا، اور پھر دونوں وہاں سے نکل گئے۔ ارسل وہیں بیٹھا رہا، جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔ اس کے دل میں ایک عجیب سا خالی پن تھا، جیسے اس نے سب کچھ کھو دیا ہو۔

خاور اور فدا حسین جب باہر آئے تو خاور نے گہری سانس لی۔ اس کے دل میں

ابھی بھی ایک عجیب سی بے چینی تھی، جیسے کوئی بوجھ دل پر ہو۔ "کیا تم ٹھیک ہو؟" فدا حسین نے خاور سے پوچھا۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں، لیکن دل کو سکون نہیں مل رہا۔" خاور نے جواب دیا۔

"ماہین کا جسم اب ٹھیک ہے، خاور، جلد اس کا دل بھی بہتر ہو جائے گا۔" فدا حسین نے دھیرے سے کہا۔

خاور نے سر ہلایا، "ہاں، لیکن دل کو تسلی دینا مشکل ہے۔"

"ہم بس دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ ماہین کو جلد صحتیاب کرے اور اسے اس آزمائش سے نکلنے کی طاقت دے۔" فدا حسین نے کہا۔

خاور نے آسمان کی طرف دیکھا، "اللہ کرے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔"

*******

کچھ دن گزر چکے تھے۔ ماہین اب اپنے باپ کے گھر تھی۔

محراب اور ہاجرہ مسلسل ماہین کے پاس تھیں، ہر لمحہ اس کے ساتھ کھڑی تھیں۔

ماہین اب بہت خاموش رہنے لگ گئی، جیسے اس کے اندر کی دنیا مکمل طور پر بدل گئی ہو۔ وہ گہری سوچوں میں گم رہتی اور کم بولتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ چمک اور شرارتی پن اب نظر نہیں آتا تھا جو کبھی اس

کی زندگی کی علامت تھے۔

محراب نے ماہین سے ایک دن کہا، "ماہین، تمہیں دوبارہ اپنے آپ کو تلاش کرنا ہوگا۔ جو ہوا، وہ بہت دردناک تھا، لیکن زندگی رکتی نہیں ہے، نہ زندگی

بدصورت ہوتی ہے، زندگی کو خوبصورت بنانا پڑتا ہے۔"

ماہین نے محراب کی طرف دیکھا، لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا خالی پن تھا، جیسے وہ زندگی کی حقیقت سے بھاگنا چاہتی ہو۔

محراب نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا، "ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، اور ہمیں یقین ہے کہ تم اس آزمائش سے نکل آؤ گی۔ اللہ نے تمہیں بہت طاقت دی ہے، تمہیں صرف اس کا یقین کرنا ہے۔"

ماہین نے اپنی بہن کی بات سنی، اور ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"لیکن دل کو تسلی دینا مشکل ہے۔"

محراب نے نرمی سے کہا، "میں سمجھتی ہوں، لیکن تمہیں اپنے دل کو مضبوط کرنا

ہوگا اللہ نے تمہیں ایک نئی زندگی دی ہے، اور یہ موقع ہے کہ تم اسے نئے سرے سے شروع کرو۔"

ماہین نے آہستہ سے سر ہلایا، "شاید تم صحیح کہہ رہی ہو، لیکن مجھے ابھی وقت چاہیے۔"

محراب نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا، "ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور تمہیں جتنا بھی وقت چاہیے، لے لو۔ ہم کہیں نہیں جا رہے۔"

ماہین نے ایک گہری سانس لی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں، جیسے اپنے اندر کی جنگ سے لڑ رہی ہو۔ وہ جانتی تھی کہ اسے آگے بڑھنا ہوگا، لیکن ابھی اسے اس کے لیے طاقت جمع کرنی تھی۔

کچھ روز مزید گزرے، اور ماہین چلنے پھرنے کے قابل ہوئی۔ وہ استاد خضر کی

طرف چلی گئی۔ بس وہی ہیں، جو مجھے تسلی بخش جواب دے سکتے اس وقت۔

کچھ دیر بعد وہ استاد خضر کے سامنے بیٹھی تھی۔ "مجھے اب لگتا ہے، زندگی بے رنگ ہے۔کبھی لگتا تھا ساٹھ ستر سالہ زندگی بہت چھوٹی ہے، اتنی بڑی دنیا میں رہنے کے لیے۔ لیکن اب لگتا ہے یہ ساٹھ ستر سال بہت بھاری ہیں ہمارے وجود پر۔"

استاد خضر بہت عقیدت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی، وہ بکھری بکھری سی لگتی۔

"بچے! پہلے کے لوگ بہت صدیوں تک زندہ رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے قد اور عمریں کم ہونے لگیں۔ اور اب

بمشکل کوئی ایک صدی تک زندہ رہ پاتا ہے، ورنہ پچاس سے ساٹھ برس، بس!

میں سوچتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی بنائی مخلوق کو جانتے ہیں، اس لیے ہمیں زیادہ سال نہیں دیے، کیونکہ اس دور میں انسان کے جسمانی مسائل سے زیادہ دماغی اور دل کے مسائل ہیں یہ دور سادہ لوگوں کا دور نہیں رہا، یہاں ہر کسی نے اپنی زندگی میں کسی دوسرے کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔

شکر ہے اللہ کا، ہمیں صدیوں تک زندہ نہیں رکھا گیا۔ چھوٹی سی زندگی ہے، اس میں خود کو تلاشو، اپنا مقصد تلاشو، اس کو پانے کی جدوجہد کرو۔"

یہ بات کہہ کر استاد خضر تسلی سے مسکرائے۔ جب ماہین کا دھیان ان کے لفظوں پر ٹک گیا، "خود کو تلاشو۔"

"خود کو تلاشنا کہاں سے شروع کیا جائے استاد جی؟"

وہ ہلکا سا مسکرائے، "اپنے نام کے مطلب سے۔ ہمارا نام بہت خاص ہے۔ یہ اس دن نہیں رکھا گیا جب ہم پیدا ہوئے، بلکہ یہ صدیوں سے طے تھا، تب سے طے تھا جب ہمارا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ کہ اس دن اس جگہ اس نام کا انسان پیدا ہوگا۔ لیکن ہم انسان اپنے ناموں کی گہرائی تک نہیں جاتے۔ ورنہ ہر انسان کا مقصد اور اس کی تلاش اس نے نام میں مخفی ہے۔"

ماہین کچھ دیر بعد مسجد کے سامنے کھڑی تھی، اس بار ایک نئے عزم کے ساتھ۔ وہ جانتی تھی، اسے خود کو تلاشنا ہے۔ اس کے نام کا مطلب تھا، چاند کی روشنی۔ وہ روشنی جو گم جائے تو اس

کی تلاش کی جاتی ہے۔ روشنی یعنی سچائی، اس کو ڈھونڈنا۔

سب سے پہلے وہ وہاں سے، پولیس سٹیشن گئی۔ اب ماہین میٹنگ روم میں بیٹھی تھی، اور ارسل کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب کچھ دیر بعد وہ ایک پولیس اہلکار کے ساتھ دروازے پر نمودار ہوا۔

ماہین کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ "آج نہیں ماہین! آج تمہیں مضبوط بننا ہے۔"

ارسل آ کر میز کی دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا، وہ ایک ہارا ہوا انسان لگتا تھا۔ بڑھی شیو، آنکھوں کے گرد گہرے ہلکے۔ یہ وہ ارسل تھا ہی نہیں۔

ماہین اسے آتا دیکھ کر بھی کھڑی نہیں ہوئی۔ پولیس اہلکار دروازے کے باہر

کھڑا ہوگیا۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ ماہین ارسل کی نگاہوں میں دیکھ کر بولنا شروع ہوئی۔

"اب میں پہلے سے کافی بہتر ہوں۔ اس لیے آج تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔"

ماہین کو پولیس سے ارسل کے شراب کے دھندے کے بارے میں بھی ابھی علم ہوا تھا۔ ماہین کا دل جیسے کسی نے نچوڑ دیا تھا۔ وہ شدید غضب میں تھی۔ لیکن ارسل کے سامنے خود کو بہت نارمل رکھے ہوئے تھی۔ ارسل نے اس کی بات پر سر ہلایا، اور نظریں جھکا کر بیٹھ گیا۔

وہ جانتا تھا اب کیا ہوگا۔ "تم نے میرے بچے کا قتل کیا، تم نے مجھے اذیت دی، تم نے اپنے حرام مال سے مجھے بھی کھلایا ارسل۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں

تمہارے ظلم کے، کن لفظوں میں بیان کروں میں؟

تمہاری بھی ایک بہن تھی۔ تمہیں اس کے بارے میں خیال نہیں آیا؟ میں تم جیسے انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، مجھے تم سے طلاق چاہیے۔۔ ابھی، اسی وقت!"

ماہین کی بات تھی، یا کوئی پگلا ہوا سیسہ جو ارسل کے کانوں میں سزا کے طور پر انڈیلا جا رہا تھا۔

"طلاق؟ کیا تمہارے لیے یہ الفاظ اتنے آسان ہیں ماہین؟ کیا تمہیں مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آ رہا؟ میری حالت دیکھو ماہین، مجھے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔۔۔ مجھے تم سے محبت ہے۔۔ ماہین، میں نہیں جی پاؤں گا تمہارے بغیر۔" ارسل لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ بولا۔

اس کے بعد ارسل نے اپنا بایاں بازو آگے کیا، اس پر سے کپڑا ہٹایا۔ ماہین کی نگاہیں اس کے بازو تک گئیں۔

اس پر کسی نوکیلی چیز سے کیے گئے زخم کے نشان تھے۔ ارسل نے جیل میں کیل کے ساتھ خود کو تکلیف دی تھی، اپنے ہاتھوں کو چھیلنا شروع کر دیا تھا۔

یہ میں نے خود کو سزا دی ہے، ماہین۔ مہربانی کرو، مجھ سے الگ مت ہو، ورنہ میں خود کو مار دوں گا۔

ماہین خاموشی سے ہاتھوں میں ہاتھ پھنسائے ارسل کو دیکھنے لگی۔

"ارسل نیاز! میری بلا سے اب تم کسی کھمبے کے ساتھ چپک جاؤ، یا جیل کے اندر موجود کپڑے دھونے والی سرف کھا لو۔ مجھے پرواہ نہیں ہے۔ تم جیسا شخص جب پھنستا ہے تو وہ خود کو جس حد تک

چاہے مظلوم بنا کر پیش کرتا ہے، ایک نارسسٹ پرسنیلٹی ہے تمہاری۔" وہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

"تم جتنا مرضی انکار کرو، مگر تم نے اپنی تسکین کے لیے ماہین پر بہت ظلم کیا ہے، اور ماہین اب خود کو تکلیف نہیں پہنچنے دے گی۔

اب میں خود کی حفاظت کروں گی، ارسل نیاز۔

تم مت دو طلاق، تم سے میرا وکیل بات کرے گا اب۔" یہ کہہ کر ماہین اٹھ کر باہر آگئی۔ باہر، کھلی فضا میں۔ اور آکر گہری لمبی سانسیں لینے لگی۔ اسے اب شدید بےزاری محسوس ہو رہی تھی ارسل سے۔

سارے احساس اس بچے کے ساتھ مر گئے تھے۔

"تکلیف مائی فٹ، ارسل! تم تکلیف کا مطلب بھی نہیں جانتے۔" غصے میں کہتی ماہین واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

فدا حسین واپس پاکستان جا چکے تھے۔ ماہین اسی رات محراب کے ساتھ جا کر اپنا سامان ارسل کے گھر سے اٹھانے لگی۔

عارفہ نے بھی اس میں ان کی مدد کی۔

ارسل کے جیل میں ہونے کی وجہ سے، صفینہ اور عارفہ کے گھر کا خرچہ خاور نے اٹھا لیا تھا۔ خاور کے بہت قریبی دوست نیاز  کی بیوی اور بیٹی کو وہ، اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

جب قریباً سارا سامان واپس پہنچ گیا، اور اب ماہین اپنا قرآن اٹھانے آئی تھی، آخری چیز، جب صفینہ اس کے پاس آئی اور ماہین کو پاس بیٹھنے کا کہا۔

محراب پیچھے تیور چڑھا کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی، ماہین کے چہرے پر کوئی جذبات نہیں تھے۔

وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔"ماہین! لاکھ اختلاف سہی، لیکن میری بات کو سکون سے سننا اور سمجھنا۔ ارسل کا قصور ہے، میں مانتی ہوں۔ لیکن ہر چیز کے پیچھے ایک وجہ ہوتی ہے۔

پاکستان میں ہم ارسل کے ماموں کے گھر رہتے تھے، کیونکہ اس کا باپ یہاں ملائشیا تھا، گھر میں کسی مرد کا ہونا ضروری تھا۔

میں پردے کی وجہ سے اپنے دیوروں کے ساتھ نہیں رہتی تھی۔ ارسل کے ماموں آئے دن اپنی بیوی کو اپنے تشدد کا نشانہ بناتے، وہ جب بھی اپنے شوہر سے خرچے یا کوئی ضرورت کی چیز بھی مانگتی، اس

کا شوہر منع کر دیتا کیونکہ میرے بھائی کے حالات ٹھیک نہیں تھے۔

ہم بھی انہیں ہر ماہ کرائے کے پیسے دیتے تھے۔

جب ہر بار انکاری پر، میری بھابھی اپنے شوہر سے اونچی آواز میں بولتی تھی، تو وہ پھر سے اسے مارتا تھا۔ اور ارسل یہ سب دیکھتے ہوئے بڑا ہوا ہے۔"

وہ دکھ سے بول رہی تھیں۔"آپ کی بھابھی نے اپنے لیے کچھ کیا کیوں نہیں؟"

پیچھے کھڑی محراب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

ماہین کافی حد تک اس بات کا جواب جانتی تھی، مگر اقرار کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

کیونکہ ہمیں یہی سکھایا جاتا ہے، "صبر کرو، اپنا گھر بناؤ۔ اللہ تعالیٰ گھر توڑنے والی عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔ گھر بنانا مشکل ہے، یہ سب تو بہت عام باتیں ہوتی ہیں۔ انہیں برداشت کرو۔"

محراب شل کھڑی تھی، "یا اللہ تیرا شکر ہے۔ بابا ہمیں پاکستان سے لے آئے۔ ہم کیسے رہتے اس ماحول میں؟"

محراب نے شکر ادا کرنے والی سانس خارج کی، جبکہ محراب کے الفاظ ماہین کے کانوں سے گزر کر اس کے دماغ میں جم گئے۔ "ہم کیسے رہتے اس ماحول میں؟" ماہین نے زیر لب یہ کلمات ادا کیے۔

صفینہ اب ماہین کو دیکھ کر بولنے لگی، ""کیا تم ارسل کو معاف نہیں کر سکتی؟

ماہین خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی، جو بھی تھا۔ وہ ایک ماں تھیں جو اپنے بچے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ ماہین نے کتنی ہی بار ارسل کو اپنی ماں سے اونچی آواز میں بولتے اور بدتمیزی کرتے دیکھا تھا، مگر وہ عورت پھر بھی اس وقت اس کے سامنے بیٹھے اسی بچے کی معافی کا کہہ رہی تھی۔

ماہین وہاں سے اٹھ گئی، اور صفینہ کو دیکھتے ہوئے بولنے لگی۔"آپ اسے کہیں کہ وہ مجھے طلاق دے دے، میں اپنا تشدد کا کیس واپس لے لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے آگے بڑھ گئی، جبکہ محراب کو اس کی بات پر شدید غصہ آیا اور اس کے پیچھے لپکی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے، ماہین؟ تم ان کی جذباتی باتوں میں آگئی؟ جب انسان

پھنستا ہے تو وہ ایسے ہی باتیں کرتا ہے۔"

"صبر رکھو، محراب، میں اپنا کیس واپس لوں گی۔ لیکن اس پر شراب کی غیر قانونی خرید و فروخت کا الزام بھی ہے۔ وہ اس سے جلد رہا نہیں ہوگا۔ بعض اوقات ہمیں وہی کھیل کھیلنا پڑتا ہے جو دوسرے کھیلتے ہیں، تاکہ ان کا سامنا کر سکیں۔

میں نے اس زندگی سے ایک سبق سیکھا ہے، اور اب میں اپنے فیصلے خود کروں گی۔"

یہ بول کر وہ مسکرا دی۔

"سمارٹ ہاں۔" محراب نے اس کی بات سن کر تسلی ہوئی۔ محراب اور ہاجرہ کو اس کے شراب کے دھندے کے حوالے سے

خاور پہلے ہی بتا چکا تھا، مگر ماہین کو آج علم ہوا تھا۔

ماہین کے قدم مضبوط اور پختہ تھے، اور ان بھوری آنکھوں میں ایک نئے عزم کی چمک تھی۔ صفینہ کی معافی کی درخواست اور اس کی بے بسی نے ماہین کو ایک بڑی تبدیلی کی طرف مائل کر دیا تھا، لیکن اس نے اپنے اصولوں سے سمجھوتا نہیں کیا۔

جب خاور گھر پہنچا، تو اس نے سارے دن کی کارستانی اپنے باپ کو بتائی۔ "مجھے اپنے فیصلے پر مکمل یقین ہے بابا۔"

ارسل کا کردار، اور آنٹی صفینہ کی حالت، سب کچھ میرے لیے واضح ہے۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ یہ بات صاف ہو جائے کہ میرا فیصلہ کسی دباؤ یا جذبات کی بنا پر نہیں ہے۔"

خاور نے سنجیدگی سے اس کی بات سنی، اور کہا، "صفینہ کی حالت کی وجہ سے تمہاری ہمدردی قابلِ قدر ہے، لیکن تمہیں اپنی خودی اور اصولوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔"

ماہین نے سر ہلایا اور کہا، " جی بابا! میں جانتی ہوں کہ ارسل کے خلاف کیس مضبوط ہے، اور میں چاہتی ہوں کہ ان کی غیر قانونی سرگرمیاں سامنے آئیں تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا بھگت سکیں۔"

اسی دوران، محراب نے ماہین سے کہا، "ماہین، میں جانتی ہوں کہ تمہارے فیصلے دل سے ہیں، لیکن سب سے پہلے تمہیں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہوگا۔ یہ تمہارا امتحان ہے اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

ماہین نے محراب کو پیار سے دیکھا، "تمہاری حمایت ہمیشہ میرے لیے اہم رہی ہے۔ میں اس وقت اپنے اصولوں کے مطابق چلنا چاہتی ہوں، اور میں اب کسی بھی حالت میں عزت نفس اور انصاف سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتی۔"

چند دن بعد، ماہین نے ارسل کے خلاف غیر قانونی کاروبار کے کیس میں مزید تفصیلات عدالت میں پیش کیں۔ اس کے فیصلے نے سب کو حیران کن طور پر متاثر کیا اور ایک نیا سبق سکھایا کہ خودداری اور انصاف کی راہ میں کھڑے رہنا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ارسل کو دس سال جیل کی سزا سنا دی گئی۔ اور ساتھ میں ایک بھاری جرمانہ اس پر عائد کر دیا گیا۔

*******

کچھ دن بعد، ارسل نے طلاق کے کاغذات پر دستخط کر دیے، اور یہ دن ماہین کی آزادی کا دن تھا۔ اُس کے دل میں کسی قسم کا پچھتاوا نہیں تھا، بلکہ وہ ایک سکون کی حالت میں تھی۔

ماہین کی عدت شروع ہو چکی تھی، اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلے وہ خود کو تلاش کرے گی۔ عدت کے بعد، وہ ایک نیا مقصد بنائے گی، خود شناسی کرے گی، تاکہ وہ ارسل کی دی ہوئی اس تکلیف سے خود کو ٹھیک کر سکے۔

باہر سے وہ جتنی بھی مضبوط نظر آتی، اندر سے ایک خالی پن تھا جو اسے بھرنا تھا، اور یہ صرف اُس وقت ممکن تھا جب وہ خود کو دوبارہ سے مضبوط بنا سکے۔

اُس نے ناول لکھنے کی کوشش بھی کی، مگر ہر بار اُس کی کمزور سائیڈ اُسے روک دیتی تھی۔

اس دوران، ماہین نے کچھ فلیٹس چھوڑ کر ایک پاکستانی سرائیکی گھر کی آٹھ سالہ بیٹی کو قرآن پڑھانے کے لیے وقت دیا۔

سائرہ دعا، جو ملائشیا کی زبان نہیں جانتی تھی اور صرف چند مہینوں کے لیے پاکستان سے ملائشیا گھومنے آئی تھی، اس کی ماں نے ماہین کی ماں، ہاجرہ سے بات کر کے اپنی بیٹی کو اس دوران ماہین کے پاس بھیجنا شروع کر دیا تھا۔

ماہین روز مغرب کے وقت اُسے قرآن پڑھاتی تھی اور مفہوم کے ساتھ سمجھاتی تھی۔

سائرہ بہت خوش اخلاق دبلی پتلی سی سمجھدار لڑکی تھی، وہ بار بار ماہین سے سوالات کیا کرتی تھی۔

اُس کے سر پر ہلکے نیلے رنگ کا ریشمی اسکارف ہوتا تھا جو سر پر ٹِک نہیں

پاتا تھا۔ سائرہ روز آ کر ماہین سے شکایت کرتی تھی کہ یہ اسکارف سر پر ٹِکتا ہی نہیں ہے۔

ماہین اُس کی شکایت پر ہنس دیتی تھی۔

ایک دن پڑھتے ہوئے، سائرہ نے ماہین سے سوال پوچھا۔

"آپی اللہ کی محبت پانا کتنا مشکل ہے؟ کیا میں بھی اللہ کی محبت پا سکتی ہوں؟"

"مشکل؟ سائرہ بچے، اللہ کی محبت ہم سب کے لیے ہی تو ہے، اور دنیا میں سب سے آسان کام اللہ کی محبت پانا ہے۔ اگر کچھ مشکل ہے تو وہ اس محبت کا مان رکھنا، جو ہم انسان بہت آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔"

"تو کیا محبت آسانی سے مل جاتی ہے؟"

"آپی! آسانی سے ملی چیز کی قدر ہی نہیں کرتے ہم تو۔"

اس آٹھ سالہ لڑکی نے ماہین کو چپ کروا دیا تھا، اور ایک نئے زاویے سے سوچنے کا موقع دیا اسے۔

"بلکل صحیح کہہ رہی ہو لڑکی! ہم لوگ تو آسانی سے ملی چیزوں کی کوئی قدر نہیں کرتے۔ لیکن سوچنے والی بات ہے، اللہ کی محبت کیا مانگتی ہے؟"

سائرہ دعا کھڑی ہوئی اور ماہین کے کان کے قریب سرگوشی کی صورت میں بولی، "قربانی!"

یہ لمحہ تھا، کہ ماہین کا وجود ساکت پر گیا۔

وہ سائرہ کو دیکھنے لگی، جو اب واپس بیٹھ کر قرآن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اللہ کی محبت قربانی مانگتی ہے۔"

کچھ پل گزرے، جب ماہین نے ایک جوش سے کہا "بلکل سائرہ! تم صحیح کہہ رہی ہو۔ اللہ کی محبت قربانی مانگتی ہے، لیکن وہ ذات قربان نہیں ہونے دیتی۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل کی قربانی مانگی گئی، لیکن اسماعیل کو اللہ نے قربان نہیں ہونے دیا۔ اور یہ قربانی اللہ کو اتنی عزیز ہے کہ اسے قیامت تک کے لیے آباد کر دیا گیا۔"

جیا جیا!" سائرہ نے اونچی آواز میں صدا دی۔

اب ماہین مزید سائرہ کے سوال کی تفصیل بیان کرنے لگی، لیکن وہ اس سے زیادہ خود کو بتا رہی تھی۔

"دیکھو سائرہ، جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرتا ہے، تو اسے ہم سے زیادہ اللہ سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے ایک قربانی دی ہے، بہت عظیم قربانی۔ سو بدلے میں اسے اتنی ہی اللہ کی زیادہ محبت ملتی ہے۔ اللہ بدلے میں اس کی پچھلی زندگی کے سارے برے اعمال معاف کر دیتا ہے۔

اسی طرح سے ہم مسلمانوں کو بھی اپنی کوئی عزیز چیز قربان کرنی ہوتی

ہے، جس کے بدلے ہم بھی وہ محبت اور عقیدت اللہ سے محسوس کر سکیں اور اللہ کی محبت کے حقدار بن سکیں۔

ہم سب کی زندگیوں میں ایک اسماعیل ہوتا ہے، جسے قربان کر کے ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں، اور یاد رکھنا اللہ بہت غیرت والا ہے۔ ہم چاہے وہ چیز اللہ کے لیے قربان کر دیں، مگر اللہ قربانی رائگاں نہیں جانے دیتا۔ اللہ ہمیں بہت احسن طریقے سے ہماری قربانی کا بدلہ دیتے ہیں۔

ہماری اللہ کے لیے قربانی قیامت تک کے لیے محفوظ کر لی جاتی ہے۔"

"کیا تم سمجھ رہی ہو سائرہ؟"

سائرہ بہت غور سے ماہین کی ساری باتیں سنتی اور آخر پہ سر ہلا دیتی۔ "جی

ہاں آپی! میں اسے کبھی نہیں بھولوں گی۔"

ماہین اب کی بار مسکرا دی، مگر وہ سوچ رہی تھی "میں نے اللہ کے لیے کیا چیز قربان کی؟" اس کا سوال خود سے تھا۔

جب وہ ایک بار پھر سائرہ کو اپنا ریشمی نیلا اسکارف ٹھیک کرتے دیکھنے لگی۔ وہ بار بار گرتا، اور سائرہ اسے دوبارہ سر پر رکھتی۔

ماہین کو سمجھ آ گئی تھی، وہ قربانی کیا ہو سکتی ہے۔

"میں دوں گی یہ قربانی اللہ جی، آپ کے لیے۔" اس نے ایک بار پھر خود سے کہا۔

رات کھانا کھاتے وقت، ماہین نے سب کی موجودگی میں اعلان کیا۔ "مجھے پردہ

کرنا ہے، میں نے پردہ کرنے کا فیصلہ لیا ہے۔"

سب اسے دیکھنے لگے۔

اس کی بات سے کسی کو اعتراض نہیں تھا۔

"بالکل کرنا بیٹا!" خاور نے مسکراتے ہوئے اسے کہا۔

خاور اور ہاجرہ ماہین کی ہر بات مانتے تھے، اسے کچھ بھی نہیں کہتے تھے اب۔ البتہ محراب سے ماہین کی کبھی چھوٹی موٹی نوک جھوک ہوتی رہتی تھی۔ جس میں ہاجرہ اب الٹی محراب کی بےعزتی کرتی تھی۔

*******

ماہین کی عدت ختم ہونے کے بعد، اگلے ہی دن وہ استاد خضر کے پاس گئی۔

وہ کالے رنگ کی لمبی فراک پہنے، سر پہ سلک حجاب اوڑھے، انگلی میں ہری کاؤنٹر تسبیح پہنے ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

آج ماہین کا چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی رنگت قدرے بہتر تھی  اور حلیہ سنورا ہوا تھا۔ "میں بہت بہتر ہوں اب استاد جی، میری جسمانی تکلیفیں بھی اب زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔ مگر دل میں ایک خلا ہے، جو پورا نہیں ہوتا۔ مجھے اپنی کمزور ذات پر غصہ آتا ہے، میں ایسی کیوں تھی؟ یہ ایک سوال مجھے روز تنگ کرتا ہے۔

مجھے لگتا ہے میں خود کو جانتی ہی نہیں ہوں استاد خضر۔

میں کون ہوں؟ ماہین کیا ہے؟ ہاری ہوئی کمزور ذات؟ مجھے غصہ آتا ہے جب

میں اپنا ناول نہیں لکھ پاتی۔ میں اوور تھنکنگ کا شکار ہو رہی ہوں۔ کبھی لگتا ہے میں ٹاکسک ہورہی ہوں۔ محراب سے لڑائی کے بعد میں کمرے میں جا کر رونے لگ جاتی ہوں۔ میری کسی دوست سے لڑائی ہو جائے میرا رونا بند نہیں ہوتا۔ میں انہیں بہت سناتی ہوں۔ میں پہلے ایسی نہیں تھی، میں کیا کروں خود کو واپس پانے کے کیے؟"

ماہین کی ساری بات سن کر استاد خضر گہری سانس لے کر بولے، "یہ تب ہوتا ہے جب انسان ایسے ماحول میں کچھ عرصہ رہتا ہے، جہاں اس کی بات کی اور اس کی ذات کی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس شخص کی ذات پر، یا اس کے عقائد ونظریات کی بنا پر اسے بار بار نیچا دکھایا جاتا ہے۔

تم تئیس سال اپنے باپ کے گھر میں رہی ہو ماہین، جہاں تمہیں بولنے کی آزادی تھی۔ تمہاری بات کو سنا جاتا تھا، تمہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر تم ایسے ماحول میں گئی، جہاں تمہاری بات کو کوئی سمجھا نہیں، تئیس سال تمہاری ذات کو لاڈ سے رکھا گیا تھا۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے تمہیں بےمول سمجھا۔ اپنی بات سمجھانے کے لیے تم چیخی ہوگی، اپنا مدعا بیان کیا ہوگا لیکن اگلی جانب سے بے رخی پا کر تمہاری ذات آہستہ آہستہ مسخ ہوتی گئی۔ تم اب دوستوں اور محراب سے لڑائی ہوجانے پر اس لیے روتی ہو، تمہیں لگتا ہے یہ لوگ بھی تمہیں سمجھ نہیں رہے۔"

انہوں نے کچھ لمحوں کا توقف کیا اور پھر بولے۔

"حقیقت یہ ہے ماہین، اب کسی سے بھی بحث ہو جانے پر تمہارا دماغ الرٹ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص مسلسل تنقید، الزام تراشی، یا گناہگار ٹھہرائے جانے والے ماحول میں رہتا ہے، تو اس کا دماغ ایک خاص طرح کی حساسیت پیدا کر لیتا ہے۔ وہ جذباتی طور پر اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ ہلکی سی جھڑپ یا بحث بھی اسے شدید محسوس ہوتی ہے۔"

"کیا میرا کردار مکمل طور پر مسخ ہوگیا ہے استاد خظر؟ میں کیسے اپنے دماغ کو سمجھاؤں کہ وہ لوگ میرے اپنے ہیں، میرے قریبی میرے دوست میری بہنے وہ مجھے سمجھیں گے۔" وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی۔

"تمہارا دماغ ہر بار بحث یا جھگڑے میں خود کو دفاعی پوزیشن میں محسوس

کرتا ہے۔ ماہین، جیسے کہ وہ مسلسل اپنے وجود کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ معمولی الفاظ یا باتیں بھی اسے اس احساس میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ اس کی غلطی ثابت ہونے والی ہے، اور وہ اپنی دفاع کی تمام دیواریں اٹھا لیتا ہے۔ تمہیں خود کو وقت دینا ہے۔ تم زبردستی خود کو پہلے کی طرح جوڑ نہیں سکتی۔ تمہیں آرام سے اپنی ذات کے ٹوٹے ٹکروں کو جوڑنا ہے۔ اور مجھے یقین ہے میرا بچے۔ تم اپنے نام کی مانند روشن ہو جاؤ گی۔ میں پھر سے تمہیں یاد دلاتا ہوں، جب انسان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تب بھی اللہ جانتے تھے، یہ کس نام سے دنیا میں پکارا جائے گا۔ ہر انسان کو اپنے نام پر غور کرنا چاہیے، اپنے نام کی گہرائی ناپنی چاہیے۔"

استاد خظر ہر بار اس بات پر زور دیتے تھے۔ اپنے ناموں میں خود کو تلاشو۔

استاد خضر کی باتوں نے ماہین کی کتنی گھتیاں سلجھا دی تھی۔ وہ ہر بات کو دماغ میں نقش کر رہی تھی۔ اور بس، اپنے ایک آخری خدشے کی تصدیق چاہی۔

"میرے اس رویے پر میرے دوست مجھ سے جلد بدظن ہو کر چھوڑ دیں گے؟ انہیں میں ٹاکسک لگوں گی۔" وہ پلکیں جھپکائے کسی معصوم بچے

کی مانند سوال کر رہی تھی۔

خظر چند لمحے اسے دیکھے گیا، اس کے بہت گنے چنے قریبی دوست تھے۔ اور وہ سہم گئی تھی شاید، اکیلے رہ جانے کے ڈر سے۔کبھی کبھار زندگی کے تجربات بہت تلخی اور اکیلا پن پیدا کر دیتے ہیں۔

"دوست آپ کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے ماہین وہ انتظار کرتے ہیں، آپ کے لوٹ آنے کا۔ حالات کی تلخیاں بھی دوستی میں کرواہٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ دوستی کسی روبیشہ کی مانند ہوتی ہے، یعنی ایک قیمتی پتھر۔ اگر آپ رو رہے ہوں، تو دوست یہ نہیں کہتا چپ کر جاؤ۔ وہ آپ کے آنسوؤں کے پیچھے چھپی اصل وجہ کو ڈھونڈتا ہے، جو آپ خود بھی اکثر نہیں جانتے ہوتے۔ ماہین دوست نہیں چھوڑتے، اور جو چھوڑ جائے وہ دوست نہیں ہوتے۔"

انہوں نے پھر چند لمحوں کا توقف کیا، اور پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ

اپنی آخری بات مکمل کی۔

"تمہیں ایک راز بتاتا ہوں۔" وہ سرگوشی کی صورت میں بولے۔

"ایک وقت آتا ہے، جب کسی اچھے خاصے سمجھدار انسان کا دماغ بھی کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔"

"کونسا وقت؟" وہ بےاختیار بولی۔

"جب آپ کا دوست رو رہا ہو۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے، جب آپ کا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی ساری تلخ باتیں آپ کے دماغ سے نکل جاتی ہیں، صرف ایک بات آپ کے وجود پر سوار ہو جاتی ہے۔ کہ میرا دوست رو رہا ہے، وہ تکلیف میں ہے۔"

اس لیے دوستوں کی پریشانی مت لو۔ وہ کہیں نہیں جائیں گے۔ تم خود پر دھیان دو۔ تمہیں خود کو بچانا ہے۔

ماہین مسجد سے باہر یہ سب سوچتے ہوئے نکلی۔ اس کا دل قدرے ہلکا ہو چکا تھا۔

اس کے دماغ پر پڑی دھند کم ہو چکی تھی۔ اب اس نے طے کیا تھا، وہ اپنا مقصد اپنے نام کی گہرائی سے تلاش کرے گی۔ وہ حقیقت جاننا چاہتی تھی، ان لوگوں کی جنہوں نے اسے ذہنی اذیت دی تھی۔

اچانک صفینہ کی باتیں اس کے دماغ میں گھومنے لگیں، "پاکستان میں ایسا ہی ہوتا ہے، وہاں لڑکیوں کو یہی سکھایا جاتا ہے، صبر کے ساتھ اپنے گھر کے مردوں کی اچھی بری سب سنتی رہو، جواب بھی نہ دو، انہیں محبت سے سمجھانے کی کوشش بھی مت کرو۔"

"یا اللہ! کیا پاکستان میں عورتیں اتنی کمزور ہیں؟ صحیح غلط پر بول بھی نہیں سکتیں؟ ان کی روایتوں کی دین میں کیا حقیقت ہے، یہ بھی نہیں جانتیں؟

کیا وہ سوال نہیں کر سکتیں؟ یا اللہ! ماہین کو سچائی ڈھونڈنی ہے، مگر اپنے اصل کی طرف جا کرے سچائی کی تلاش کے لیے اپنے اصل کی طرف مڑنا ہوتا ہے۔"

ماہین آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بول رہی تھی، اور اپنا عزم پختہ کر رہی تھی۔ واپس گھر آنے پر اس نے یہ بات سب سے پہلے محراب کو بتائی، محراب نے خاموشی سے اپنی بہن کی بات سنی اور سمجھی، اور اس کے ساتھ مل کر خاور اور ہاجرہ کو منانے کا فیصلہ کیا۔

رات خاور کے آنے پر، ماہین نے اپنے باپ سے پاکستان جانے کی اجازت طلب کی، جبکہ اس کی ماں ہاجرہ نے فوراً انکار کر دیا۔

امی مہربانی کریں۔ مجھے اپنے جواب"
چاہیے، ورنہ میں کبھی اپنے ناولز نہیں لکھ
پاؤں گی۔ مجھے اس شخص کے خود پر
کیے مظالم کی وجہ تلاشنی ہے، وہ کیسے
اتنا عرصہ مجھے تشدد کا نشانہ بناتا رہا،
صرف اس وجہ سے کہ وہ پاکستان میں
یہ سب سیکھ کر آیا تھا؟

پاکستان میرا گھر ہے، میرا اصل ہے۔ میں
وہاں سے نہیں بھاگ سکتی۔ مجھے یہاں
"سے کچھ بریک چاہیے۔

وہ روندھی آواز میں کہنے لگی۔ جبکہ
محراب نے بھی اپنی ماں کو سمجھانے کی
کوشش کی۔

جب خاور کی گرجدار آواز گونجی، "ٹھیک
ہے۔ ماہینے میں تمہیں چھ مہینے کا وقت
دیتا ہوں۔ اس چھ مہینے میں تم اپنی
ریسرچ مکمل کر لو۔ میں تمہیں آگے

بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم جتنا جلدی اس ٹراما سے خود کو باہر نکالو گی، اتنا اچھا ہے۔ بچے، ہم اب بھی تمہارے ساتھ ہیں۔"

خاور کا دل پریشان تھا، وہ بیٹی کو اتنا دور نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا یہ اس کے لیے ٹھیک ہے۔

خاور ماہین کے عدت کے دورانیے میں اسے کتنی کتنی دیر خاموش، کھڑکی کے ساتھ سر ٹیکے، دیکھتا رہتا تھا۔

ماہین کو خاور کی موجودگی کا احساس بہت دیر بعد ہوتا۔ وہ اپنی بیٹی کو اس سانحے سے نکلنے میں جتنی ہو سکے اتنی مدد کرنا چاہتا تھا۔

وہ ہنستی تھی، مگر پہلے کی طرح نہیں۔ خاور اپنی بیٹی کی ہنسی واپس چاپتا تھا، پہلے جیسی۔

وہ واحد مرد تھا، جسے ماہین کو روتا دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی۔

باپ اتنے پیارے کیوں ہوتے ہیں؟

ان کی بات سے ماہین کو بہت سکون پہنچا۔ مگر ماہین کی ماں اب بھی نہیں مان رہی تھی، جب ماہین اور محراب نے انہیں محبت سے گلے لگایا، اور معصومیت سے انہیں منانا شروع کر دیا۔ انہیں منانے میں ایک ہفتہ

لگا تھا۔

لیکن ماہین نہیں جانتی تھی، واپسی پر اس کا ملایشیا ویران ہو جائے گا۔

اب ماہین کا پاکستان کی طرف سفر تیار تھا۔ وہ خود سے بھاگی نہیں، اس نے اپنے اصل کو قبول کیا تھا۔

وہ جانتی تھی، پاکستان سے واپسی پر وہ پہلے جیسی نہیں رہے گی۔ کیونکہ ہر نیا سفر انسان کو شیپ دیتا ہے۔

" میں ماہین ہوں۔ اور مجھے ماہین کی تلاش ہے۔ "

*******

سر پہ کیپ پہنے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا میٹنگ روم میں داخل ہوا۔ ارسل نے نظر اٹھا کر اس مرد کو دیکھا، جس کے گھنگھریالے بال تھے، گہری آنکھیں، اور ہلکی سانولی مگر پرکشش رنگت۔ اس کا لمبا قد اور مضبوط جسمانی ساخت فوراً توجہ کھینچ لیتے تھے۔ پینٹ کوٹ میں ملبوس، آستینیں چڑھائے، اور آنکھوں پہ کالے چشمے لگائے، وہ نہایت باوقار انداز میں ارسل کے سامنے بیٹھا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی چھ انگلیاں تھیں۔

اس کے چہرے پر ایک پُرکشش مگر رازدارانہ مسکراہٹ تھی۔

"آپ کون ہیں؟ مجھ سے کیا کام ہے؟"" ارسل نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

اس نے معنی خیز انداز میں ارسل کو دیکھا اور کہا، "میں تمہیں جیل سے رہائی دلوا دوں گا، لیکن تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

*******

# باب 4

# اسلام آباد

ماہین ان نرم سفید دستانوں کو ہاتھ میں لیے، ایک گہری سوچ سے باہر نکلی۔ اس

کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ اس نے
ان دستانوں کو واپس غلاف میں رکھا۔
قرآن کو کھولا، تو سورہ بقرہ کا آخری
صفحہ سامنے آیا۔

ماہین رندھی ہوئی آواز میں اس کی
تلاوت کرنے لگی، جب وہ آیت 286 پر
پہنچی۔

اس کی آواز اس آیت کے شروع میں
لڑکھڑانے لگی، اسے یاد تھا کہ آگے اللہ کیا
فرمائیں گے۔

سورة البقرة (2:286): "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا..."

"اللہ کسی جان کو اس کی استطاعت
سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اس آیت کو پڑھ کر اس نے قرآن کو
آنکھوں سے لگا لیا۔ اس کے آنسو اور
زیادہ بہنے لگے۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

"اللہ جی، آپ بہت پیارے ہیں۔ بلکل میں
صبر کے ساتھ سہوں گی، تکلیف اور
آسانی دونوں آپ کی طرف سے ہی
ہیں۔"
ماہین گہری سانس لینے لگی، اور اس
آیت کو بار بار زیر لب دہراتے ہوئے قرآن
واپس غلاف میں لپیٹنے لگی۔
ماہین کی آنکھیں ابھی بھی لال تھیں، مگر
وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔
اب وہی کلمات بول رہی تھی، جو ہمارے
نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غم
پہنچنے پر بولے تھے۔
"بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل
غمگین ہے، لیکن ہم وہی کہیں گے جو
ہمارے رب کو پسند ہو۔"
وہ اب مسکرا کر یہ بات بول رہی تھی۔
کچھ وقت گزرا، تو ماہین کو محراب
کا میسج موصول ہوا۔

"کیسی ہو میری رائیٹر؟ میں تمہاری نئی
کتاب کی شدت سے منتظر ہوں۔"
"واقعی؟ میری پچھلی تین کتابوں کے نام
کیا ہیں، مس محراب؟"
"مجھے لگتا ہے تم ٹھیک ہو، میں بھی
ٹھیک ہوں۔ پوچھنے کا شکریہ۔"
محراب کے جواب پر ماہین مسکرانے
لگی، اس کی گال پر ڈمپل نمایاں ہوا۔
اس نے محراب کو بس ایک سمائیل
ایموجی بھیج دی اور اپنا موبائل ایک سائیڈ
پر رکھ دیا۔
وہ بور ہو رہی تھی۔
اس نے اپنا اسکارف اور ماسک پہنا اور
نیچے چلی گئی۔
"اسلام علیکم تائی جان۔" ماہین
مسکراتے ہوئے تائی شہناز کے کمرے میں
داخل ہوئی، اس نے اپنا ماسک نیچے کیا۔

کمرے میں صرف خدیجہ اپنی ماں کے پاؤں
دبا رہی تھی، اور ساتھ بھابھی
شارفہ کی بیٹی حوریہ بھی کھیل رہی
تھی۔
تائی شہناز نے ماہین کے سلام کا جواب
دیا۔ اسے دیکھ کر وہ بھی مسکرائیں۔ "آؤ
بیٹا۔ کچھ کھایا؟"
"نہیں، میں شام میں ایک ہی بار کھا لوں
گی اب، تائی جان۔"
"ٹھیک ہے۔ صحت کا خیال رکھو، کام تو
ہوتے رہیں گے۔"
"جی جی، بلکل۔"
خدیجہ کے چہرے پر سناٹا تھا۔ ماہین نے
بس ایک نظر اسے دیکھا تھا، پھر وہ تائی
شہناز کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔
"تائی جان، کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے
جہاں میں کچھ خواتین سے مل سکوں؟
مجھے ان سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔"

"بچے، کسی یونیورسٹی یا کالج چلی جاؤ۔ وہاں کافی بچیاں ہوں گی۔"

"نہیں تائی جان، اصل میں مجھے شادی شدہ عورتوں سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔"

"لو بیٹا! پھر ہم ہی سے کر لو۔ ہمیں قریباً پینتیس سال تو ہوگئے ہیں بیاہی کو۔"

ماہین ہلکا سا مسکرائی ان کی بات پر۔

"تائی جان، یعنی یہاں مجھے آپ کے علاوہ کوئی نہیں ملے گا؟"

خدیجہ کو اچانک یاد آیا: "اوہ، پچھلی گلی میں میلاد ہے، چار دن بعد، اس جمعہ کو۔ وہاں بہت سی عورتیں ہوں گی، ماہین۔ ہر طرح کی۔"

اس کی بات سن کر ماہین خوش ہو گئی۔ "واؤ! ٹھیک ہے، تو پھر اگلا قدم جمعہ کو اٹھائیں گے۔"

"تو کیا سوالات کرتی ہو تم، ماہین؟ ہم سے بھی پوچھو۔"

"تائی جان، میں نے سنا ہے پاکستان میں خواتین اپنے شوہروں کو بہت اچھے سے قابو کرتی ہیں، بس وہی راز جاننا ہے۔"

وہ ہنس رہی تھی یہ بات کرتے ہوئے۔ خدیجہ بھی اس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔

"لو بھئی! کہاں قابو ہوتی ہیں یہ بلائیں۔" تائی شہناز نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

ماہین ان کی بات پر زور سے ہنسنے لگی۔ حوریہ ماہین کے پاس آئی۔

"پھوپھو، آپ میرے لیے کوئی تحفہ نہیں لائی؟"

ماہین اسے دیکھنے لگی، وہ واقعی کسی کے لیے تحفہ نہیں لائی تھی۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

"مجھ□ معاف کرنا، سون□□ میں با□ر س□
تو ن□یں لائی، لیکن جمع□ کو تم □مار□
ساتھ چلنا، میں تم□یں تم□اری پسند کی
چیزیں ل□ دوں گی□"
اس پر حوری□ راضی □و گئی□
کمر□ میں چند لمحوں کی خاموشی چھا
گئی□ خدیج□ اپنی ماں ک□ پاؤں دباتی
ر□ی، اور تائی ش□ناز ما□ین کی طرف
دیکھت□ □وئ□ سوچن□ لگی ک□ ی□ لڑکی آخر
کیا کچھ س□□ چکی □□□
کچھ لمح□ بعد ما□ین اور خدیج□ دونوں
اوپر آگئ□□ اپن□ کمر□ میں□
ما□ین ن□ بات کا آغاز کیا□
"خدیج□، تم ن□ میر□ ایک سوال کا جواب
دیا □□ آج□ میں بھی تم□یں ایک بات کا
جواب دینا چا□تی □وں□ اجازت □□؟"
خدیج□ ن□ چونک کر ما□ین کو دیکھا، "
میں ن□ کون سا جواب دیا تم□یں؟"

ماہین مسکرانے لگی، "یہی کہ ہم لوگ
ہر چیز کا قصور دوسروں کے سر اس لیے
ڈالتے ہیں کہ اپنے آپ کو آزاد رکھ سکیں۔
حالانکہ جتنا ظلم کرنے والے کی غلطی ہو،
اتنی ہی سہنے والے کی بھی ہوتی ہے۔
جب اللہ نے آواز دی، تو کیوں نہیں
اٹھائی؟ عقل تھی، تو کیوں استعمال نہیں
کی؟ ظلم کے خلاف خاموشی بھی ظلم
ہے۔"

ماہین نے گہری سانس لے کر بات مکمل
کی۔"اب میری باری ہے، خدیجہ، تمہارے
ایک سوال کا جواب میں جانتی ہوں۔ تم
نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی موٹیویشن
ویڈیو دیکھ کر کچھ دیر نماز قائم رکھتی
ہو لیکن پھر چھوڑ دیتی ہو۔

اس میں مسئلہ ویڈیو کا نہیں ہے، ویڈیو
تو ایک ریمائنڈر ہوتا ہے جو اللہ کی طرف
سے آپ کے سامنے آتا ہے، آپ کی

یاددہانی۔ لیکن محض ایک ویڈیو سے آپ
نماز کی پابندی نہیں کر سکتے۔ ہمیں کہا
جاتا ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز
پڑھاؤ اور اگر دس سال تک وہ بچہ نہ
پڑھے تو اسے بہت سختی سے پڑھاؤ، حتیٰ
کہ اس پر ہاتھ بھی اٹھانا پڑے۔
اس بچے کے یہ درمیان کے تین سال عادت
ڈالنے کے لیے ہی ہیں۔ جب وہ بچہ دس
سال کے بعد دن میں پانچ بار پڑھی جانے
والی نماز کو ایک بار بھی چھوڑے گا، تو
اسے بےچینی گھیر لے گی، جب تک کہ وہ
نماز پڑھ نہ لے۔
دیکھو، جب کسی نامحرم سے بات کرنے
کی عادت ہو جاتی ہے، تو ایک
دن بھی بات نہ ہو تو انسان کو بےچینی
رہتی ہے، اور انسان سمجھتا ہے کہ اب
ہم دوست نہیں رہے، مجھے تو اس سے
محبت ہو چکی ہے۔ لیکن وہ محبت نہیں

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ہوتی، بس عادت ہوتی ہے۔ اور عادت
محبت سے زیادہ خطرناک ہے۔
آج کے دور میں والدین اپنے بچوں کو سات
سال کی عمر میں نماز کی عادت نہیں
ڈالتے، تو جب بچے بڑا ہوتا ہے، تو اسے
نماز کی وہ عادت قائم کرنے میں بہت
کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض
ایک ویڈیو اس کے کام نہیں آ سکتی۔
تمہیں میں ایک طریقہ بتاتی ہوں،
خدیجہ، نماز پڑھنے کی عادت بناؤ۔ اور
سب سے پہلے فجر کے علاوہ ہر نماز کی
صرف فرض رکعات پڑھو، جب تک پختہ
عادت نہ بن جائے۔ اس کے بعد سنتیں
شامل کرنا، پھر اس کی عادت بنانا، پھر
نفل کی طرف آنا۔
خود کو وقت دو اور نماز کی عادت قائم
کرو۔ لیکن کسی ایک نماز کی ایک

بھی فرض رکعت نہیں ضائع ہونی
چاہیے۔اپنے ذہن میں ایک بات بٹھا لو، اسے
اپنے موبائل کے وال پیپر اور کمرے کی
دیوار پر چپکا دو،
"اللہ کے لاڈلے نماز ضائع نہیں کرتے۔"
خود کو ایک مہینے کا وقت دو، اس میں
تمہاری ایک بھی فرض رکعت ضائع نہیں
ہونی چاہیے۔ اس کے بعد تم سنتیں شامل
کرنا۔ اس طرح عادت بناؤ۔سمجھ رہی
ہو نا؟"
ماہین بہت جذباتی انداز میں بولی تھی،
کہ اس کا ہر لفظ خدیجہ کے سیدھا دل
کو لگا۔ خدیجہ کو لگا جیسے کوئی وزن
تھا دل و دماغ پر، جو ماہین کے لفظوں
سے اتر گیا۔
"بالکل ماہین۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ
مجھے انہی لفظوں کی ضرورت تھی۔
بہت شکریہ تمہارا، میں کچھ بھی کروں

گی مگر یہ نماز ہاتھ سے نہیں جانے دوں
گی۔ اپنی عادت کو پختہ کروں گی، جو
بھی ہو جائے۔ انشاء اللہ۔"
اس کے بعد وہ کچھ دوسری باتیں کرنے
لگیں۔ باتیں کرتی ہوئی دونوں رات دیر
سے سوئی تھیں۔

*******

اگلے روز ماہین کو بخار تھا۔ وہ فجر کے
بعد دوبارہ سو گئی تھی، لیکن خدیجہ
جاگ رہی تھی۔ اسے کچھ اور کرنا تھا۔
قریباً دس بجے ماہین کی آنکھ کھلی۔ اس
کے پورے جسم میں تکلیف تھی، آنکھیں
سرخ تھیں۔ وہ بڑی کوشش سے اٹھ کر
بیٹھی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ ماہین
بیڈ سے نیچے اتری اور اپنا حلیہ سنوارنے
کے لیے اٹھی۔ جب اس کی نظر کھڑکی کے
ساتھ چپکے ہوئے ایک کاغذ پر پڑی۔

وہ سادہ سفید رنگ کا کاغذ تھا جس پر ہرے رنگ سے بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا، "اللہ کے لاڈلے نماز ضائع نہیں کرتے۔"
نیچے خدیجہ اور ماہین کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ماہین بے اختیار ہنس پڑی۔
پھر وہ اٹھ کر فریش ہونے لگی، لیکن اس کے جسم میں ابھی بھی درد تھا۔
"افف یہ بخار! بغیر اجازت کے منہ اٹھائے حاضر ہو جاتا ہے، بدتمیز!"
ماہین اپنے بخار کو برا بھلا کہنے لگی۔
اتنے میں خدیجہ اور حوریہ اس کا ناشتہ لے کر اوپر آئیں۔
"واؤ، پھوپھو! آپ کے بال بہت پیارے ہیں!""
حوریہ نے پہلی بار ماہین کو بغیر حجاب کے دیکھا تھا۔
سفید رنگت پر سیاہ گنھگریالے بال بہت حسین لگ رہے تھے۔

ماہین اس کی بات سن کر مسکرانے
لگی۔
"آؤ حوریہ، ناشتہ میرے ساتھ کرو گی؟""
حوریہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔
خدیجہ نے ناشتے کی ٹرے بیڈ پر رکھی۔
ماہین جا کر خدیجہ کے پاس بیٹھ گئی۔
"مجھے بخار ہو گیا ہے۔ کوئی دوا پڑی
ہے؟" خدیجہ نے ماہین کی سرخ آنکھیں
دیکھیں اور پھر اس کی پیشانی پر ہاتھ
رکھ کر بولی، "تمہیں بہت تیز بخار ہو
رہا ہے، ماہین۔ ناشتہ کرو، پھر میں
تمہیں دوا لا دیتی ہوں۔"
ماہین نے سر ہلایا اور ناشتہ کرنے لگی۔
اسے شدید سر درد ہو رہا تھا۔
کچھ دیر بعد خدیجہ نے اسے سر درد کی
دوا دی، اور وہ لیٹ گئی۔ آج ماہین نے
کوئی کام نہیں کیا، نہ کہیں گئی تھی۔

قریباً دوپہر دو بجے کے قریب، وہ نیچے کھانا کھانے آئی۔ تائی شہناز نے اسے بلوایا تھا۔ کھانے کی میز پر تائی شہناز، مہروز، بھابھی شارفہ، اور حوریہ موجود تھے۔ تایا فدا غالباً کام سے باہر ہوں گے، اس نے سوچا۔

پھر اس کی نظر مہروز پر پڑی، جو نیچی نظریں کیے بیٹھا تھا۔ اس نے کالے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، اور آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں۔

ماہین کے چلنے کی آہٹ سن کر اس نے نظریں اٹھائیں۔ ماہین گہرے نیلے رنگ کی لانگ فراک میں ملبوس ساتھ میں چپل پہنے، حسبِ معمول سر پر سکارف اور ماسک پہنے ہوئے تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں، اور مہروز نے فوراً نظریں نیچی کر لی۔ وہ ماہین سے نظریں نہیں ملا پاتا تھا۔

یہ کیسا احساس ہے؟ جب بھی اسے
دیکھتا ہوں، مکمل اپنا وجود لگتا ہے۔
ماہین آ کر خدیجہ کے ساتھ والی کرسی
پر بیٹھ گئی۔اس کا کھانا کھانے کا دل نہیں
تھا، لیکن اگر نہ کھاتی تو تائی شہناز سے
بےعزت ہوتی، سو وہ چپ چاپ نیچے
آگئی۔
سب کھانے میں مشغول تھے کہ دورانِ
کھانا شہناز نے ماہین سے گفتگو کا آغاز
کیا۔"بیٹے، طبیعت کیسی ہے اب؟"
"ٹھیک ہوں تائی جان، لیکن سر درد نہیں
جا رہا۔"
"کیوں؟ اسلام آباد کا پانی راس نہیں آ
رہا؟" اب کی بار سوال بھابھی شارفہ نے
کیا تھا۔ ان کی آواز میں اکھڑا پن تھا، جو
ماہین نے فوراً بھانپ لیا۔

جب بھی ہم نئی جگہ جاتے ہیں، وہاں کا
پانی آرام آرام سے راس آتا ہے، بھابھی۔"
ماہین نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔
ماہین اسی طرح کھانے میں مشغول
ہوگئی۔
"بھلا میں نے کیا بگاڑا ہے ان کا؟ ہنہہ" وہ
غصے میں سوچ رہی تھی۔
جبکہ بھابھی شارفہ اسی انداز میں جواب
پا کر مزید چڑ گئی تھی۔
"ماہین، تمہیں اس وقت ملایشیا کی سب
سے زیادہ کس چیز کی یاد آتی ہے؟"
سوال مہروز کی طرف سے تھا، جو
ماحول کو خوشگوار بنانا چاہتا تھا۔
"ناسی لما" مجھے بہت یاد آ رہا ہے،"
ماہین نے جوش کے ساتھ کہا۔
"وہ کیا ہے، ماہین؟" خدیجہ نے پوچھا۔
"ناسی لما ایک روایتی ملائیشیائی کھانا
ہے، جو ناریل کے دودھ میں پکے ہوئے

چاول، پتیوں میں لپٹی ہوئی مچھلی یا گوشت، اور مختلف قسم کی چٹنیاں اور اچار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اففف، مت پوچھو وہ کتنا مزیدار ہوتا ہے۔" اس کے انداز پر مہروز، خدیجہ، اور تائی جان ہنسنے لگے۔

"پھوپھو، کیا وہ چاول آپ یہاں بنا دیں گی؟ مجھے بھی کھانا ہے۔"

اب کے حوریہ جوش کے ساتھ بولی۔

"بلکل، اگر بھابھی شارفہ نے میری مدد کی تو۔"

ماہین نے جواب دیا اور بھابھی شارفہ کی طرف دیکھنے لگی۔ ماہین چاہتی تھی کہ ان کے درمیان کوئی تلخی ہو تو وہ ختم ہو جائے، اس نے پہلی اور آخری بار کوشش کی۔

"ہمم، کل بناتے ہیں۔" بھابھی نے بھی نرم آواز میں کہا۔

ماہین کو سکون ہوا۔
"میرے سر کا درد نہیں جا رہا، خدیجہ کی دی ہوئی دوا بھی کھائی ہے، آرام بھی کر چکی ہوں۔ بخار کچھ کم ہوا ہے، لیکن یہ درد نہیں جا رہا۔"
"بیٹے، سر کو دوپٹے سے زور سے باندھ لو، شام تک ٹھیک ہو جائے گا، دیکھنا۔"
ماہین مسکرانے لگی، اس کی امی بھی ہمیشہ یہی کرتی تھی۔ اور محراب ہمیشہ کہتی تھا،
"امی، یہاں پر یہ کام چھوڑ دیں۔ آئیں، آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔"
اوپر آنے پر ماہین نے اپنے اسکارف کو زور سے سر پر باندھ لیا۔
وہ دوبارہ ناول لکھنا چاہتی تھی، اس کا موڈ قدرے بہتر تھا۔ اس نے اپنی ٹیم کو میسج کیا، "میں دوبارہ ناول شروع کرنے لگی ہوں۔"

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

*******

اگلے روز صبح سات بجے خاور کی کال آئی تھی۔ ملائیشیا میں اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ کال اٹھانے پر خاور کچھ پریشان محسوس ہوتا تھا۔

"کیا ہوا بابا؟ آپ ٹھیک ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں ماہین، تم کیسی ہو؟"

"مجھے لگ رہا تم کچھ چھپا رہی ہو۔

ماہین کے چہرے پر تھکی ہوئی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس کا سر درد ابھی بھی نہیں گیا تھا۔

"بابا، میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ہلکا سا سر میں درد ہے۔"

کوئی دوا لی تم نے؟ خاور بےچینی سے بولا۔

"جی بابا، لی تھی، ابھی جا کر نیچے کاوا بنا کر پیتی ہوں۔"

"خیال رکھو ماہین، اور جلد واپس آؤ۔ میں کچھ دیر بعد کال کروں گا، تب تک تم کاوا پی چکی ہو اور سر کا درد غائب ہو تمہارا" وہ تحکم سے بولتے ہوئے کال کاٹ چکے تھے۔

ماہین اب سوچ رہی تھی، بابا کو کیسے الہام ہوگیا؟ یا اللہ بس امی کو الہام نہ ہونے دینا، ورنہ کل میری فلائٹ کروا دیں گی۔ وہ سر پیچھے کو ٹکائے خود سے بول رہی تھی۔ پاس خدیجہ سو رہی تھی، ماہین اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ "اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے" ماہین نے خاموشی سے اسے دعا دی اور اٹھ کر نیچے چلی گئی۔ اپنا کاوا بنانے۔

کچھ دیر بعد وہ کچن میں کھڑی تھی، گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

"شاید سب آرام کر رہے ہیں،" اس نے سوچا۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

پیچھے سے مہروز اپنی صبح کی کافی بنانے کچن میں آیا۔ سامنے ماہین کھڑی پانی گرم کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک کچھ لال تھیں۔ اس نے سکارف اور ماسک پہنا ہوا تھا اور اپنے کل کے کپڑوں میں ہی ملبوس تھی، جبکہ مہروز جاکنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ غالباً وہ جاکنگ کر چکا تھا۔

"واؤ ماہین، مجھے بھی پانی گرم کر کے دے دو۔ اس موسم میں گرم پانی پینے کے بہت سے فائدے ہیں۔"

مہروز نے نہایت بہتکی بات کی تھی، اس بات کا اندازہ اسے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد ہوا تھا۔ وہ بس کچھ دیر ماہین سے بات کرنا چاہتا تھا۔

ماہین نے گھوم کر اسے دیکھا، "بالکل مہروز فدا! مئی کے اس گرم مہینے میں، پانی ابال کر ہی تو پیا جاتا ہے۔"

اور بتاؤ، دسمبر میں برف کھانا شروع کر دوں میں ڈاکٹر مہروز؟" وہ اپنی ہنسی ضبط کیے تحمل سے بولی۔

مہروز اس کی بات سن کر زور سے ہنسا، "اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ "ویسے تم کیا کر رہی ہو؟

میں شاہی محل تعمیر کر رہی ہوں۔ آ جاؤ تم بھی کوئی اینٹ لگا دو۔

وہ بھی اب ہلکا ہلکا ہنس رہی تھی۔

"نہیں، میں جاگنگ کر کے آیا ہوں، میں تھک چکا ہوں۔ اور تھکے ہوئے لوگ کام نہیں، آرام کرتے ہیں۔" وہ پوری ڈھٹائی سے بولا۔

ماہین اب گرم پانی میں چائے کی پتی ڈال رہی تھی، جب مہروز واپس مڑنے لگا۔

"اچھا جو بھی بنا رہی ہو، زیادہ بنانا۔ میں بھی پیوں گا۔"

ماہین غصے میں جواب دینے کو مڑی، لیکن وہ دور جا چکا تھا۔ اب ماہین نے پانی کی مقدار بڑھا دی اور اسے تیز آگ پر گرم کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ دو کپ میں کاوا انڈیل رہی تھی۔ ایک کپ وہ مہروز کے دروازے کے باہر رکھ کر ،اس کا دروازہ بجا کر واپس مڑ آئی۔

جب مہروز نے دروازہ کھولا، نیچے کپ پڑا دیکھ کر مسکرا دیا۔ لیکن جیسے ہی اس نے گھونٹ بھرا، اس کا پورا منہ کڑواہٹ سے بھر گیا۔

ماہین مسکراتے ہوئے اوپر آ رہی تھی، "اب بولے مجھے کوئی کام، ہنہہ!" تقریباً نو بجے کے قریب خدیجہ اٹھی تھی۔

اب ماہین سر پر دوپٹا باندھے، لیپ ٹاپ پر کھٹاکھٹ کچھ لکھ رہی تھی۔ خدیجہ کو اٹھتا دیکھ کر ماہین بولنے لگی، "میں اپنا

ناول کا تھیم سوچ چکی ہوں۔ میں جلد
"شروع کروں گی۔
خدیجہ کچھ سوچتے ہوئے بولنے لگی۔
"لیکن اس بار تم اسے اردو زبان میں بھی
ترجمہ کر کے شائع کرنا۔" ماہین اسے
دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور واپس ٹائپ
کرنے میں مشغول ہو گئی۔
کچھ دیر بعد مجھے ایک پروجیکٹ جمع
کروانے جانا ہے اپنی یونیورسٹی، تم چلو
گی ساتھ؟" خدیجہ نے پوچھا۔
"ہاں ضرور،" ماہین نے جھٹ سے جواب
دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ناشتہ کر کے
تیار تھیں اور زینے اترنے لگیں۔ ماہین نے
مہرون رنگ کا عبایا پہنا تھا آجے سر پر
بھی اسی رنگ کا سکارف ٹکائے، ساتھ
ماسک لیے، اپنا کراس بیگ پہنے تیار تھی۔
جبکہ خدیجہ نے بھی آج لانگ فراک پہنی
تھی۔ سر پر حجاب اوڑھے چہرے پر میک

اپ کیے ہوئے تھی۔ وہ دونوں تائی شہناز
سے اجازت لیے باہر کو چلی گئیں۔
دروازے کھولتے سامنے مہروز کی گاڑی
کھڑی تھی۔ مہروز بار بار گھڑی کی
طرف دیکھ رہا تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر
سیدھا ہوا، "جلدی کرو، مجھے واپس کیفے
نیٹ جانا ہے۔"
"بس بھائی، قریباً پندرہ منٹ لگیں گے۔
مجھے اندر، بس جلدی سے گھر چھوڑ کر
جہاں چاہے جانا۔"
ماہین اور خدیجہ اب گاڑی میں بیٹھ رہی
تھیں۔ "مہروز تم ہمیں وہاں چھوڑ کر
واپس چلے جانا، مجھے ناسی لما پکانے کے
لیے کچھ چیزیں چاہیے، گھر مکمل سامان
نہیں پڑا۔ مجھے وہ خریدنے جانا ہے۔"
مہروز نے تائدی سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد
وہ خدیجہ کی یونیورسٹی پہنچ گئے۔

ماہین اور خدیجہ اتر کر اندر چلی گئیں۔
مہروز وہاں سے گاڑی موڑتا واپس ہو
گیا۔ خدیجہ نے اپنا پروجیکٹ جمع کروایا،
اور قریباً بیس منٹ بعد دونوں وہاں سے
باہر نکلی۔ خدیجہ نے اپنی سب دوستوں
سے ماہین کا تعارف کروایا تھا۔
یونیورسٹی سے باہر نکلتے، ماہین کو
عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ بار بار مڑ
کر پیچھے دیکھتی، جیسے کوئی تعاقب کر
رہا ہو۔ جب وہ دونوں ایک سائیڈ پر
رکی، تو کالے رنگ کی گاڑی ان کے سامنے
آ رکی۔
"اندر سے مہروز نکلا، "ہو گیا کام؟
بھائی، آپ گئے نہیں؟" خدیجہ نے پوچھا۔"
مہروز دھیما سا سر ہلا کر کہنے لگا۔ "
گیا تھا۔ مریضہ کے سر درد کی دوا لینے۔۔
"سوچا یہ دیتا جاؤں۔

ماہین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر اس
نے نظریں نیچی کر لیں۔ "شکریہ تمہارا،"
ماہین نے محض اتنا کہا۔
اب بتاؤ؟ چاند کیسا لگتا ہے تمہیں؟""
ماہین اب کے غصے سے بولی، "اگر ایک
اور بار تم نے یہ پوچھا، تو میں اپنے ناول
میں تمہیں لکھ کر مار دوں گی، مہروز!"
اس کی بات سن کر خدیجہ اور مہروز کے
چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ وہ خود بھی
ہنسنے لگ گئی۔ خدیجہ دوسری طرف
سے پیچھے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی،
مہروز بھی اندر بیٹھ گیا۔ ماہین جیسے
ہی دروازہ کھولنے لگی، اس کے ساتھ
کوئی ٹکرایا تھا اور تیزی سے وہاں سے
آگے چلا گیا۔
ماہین نے جلدی سے واپس اس طرف نظر
گھمائی، جہاں سے وہ انسان دائیں طرف
کو بھاگ رہا تھا۔ ماہین کے قدم منجمد

ہوگئے، وہ اس پرفیوم کو بہت اچھے سے
پہچانتی تھی۔ اور اس کی خوشبو اس
قدر تیز تھی، جیسے صرف اسے سنگھانے
کے لیے پوری بوتل کسی نے لگا لی ہو۔
"یہ پرفیوم؟ یہ تو ارسل کی خوشبو ہے؟"
ماہین کے قدم زنجیر تھے، اور
دماغ ماؤف، اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔
"کیا یہ حقیقت ہے؟"
اسے اس طرح دیکھتے، مہروز واپس باہر
نکلا۔ "کیا ہوا ماہین؟" ماہین نے واپس
اس کی طرف دیکھا، اور محض گردن
ہلائی۔ وہ بار بار واپس دائیں طرف کو
دیکھ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم کانپنے
لگا تھا۔
کچھ دیر بعد مہروز نے اسلام آباد کے
معروف سینٹورس مال کے سامنے گاڑی
روکی۔ ماہین مکمل خوف میں ڈوبی

ہوئی تھی، اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔

"یہ میرا وہم ہے؟ وہ تو جیل میں ہے۔""

وہ خود سے سوچتی۔

گاڑی رکنے پر اس نے نظر اٹھا کر باہر دیکھا اور فوراً پوچھا، "ہم ادھر کیوں آئے ہیں؟"

"تم نے چاول بنانے کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں نا؟" خدیجہ نے نرمی سے جواب دیا۔

"اوہ ہاں!" ماہین جیسے حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی۔ وہ گاڑی سے اتری اور فوراً اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہر گاڑی سے ڈرتی، ہر نظر میں خوف، جیسے ابھی کہیں سے ارسل سامنے آ جائے گا۔

ماہین کی ساری طاقت، ساری مضبوطی ایک پل میں کافور ہوگئی تھی، کچھ تھا تو بس ارسل کا خوف۔

"تم ٹھیک ہو، ماہین؟" خدیجہ نے پوچھا، جو کب سے اسے پریشان نظریں دوڑاتے دیکھ رہی تھی۔

مہروز اپنی گاڑی پارک کر رہا تھا۔

"ہاں، اندر چلتے ہیں،" ماہین نے جلدی سے کہا، جیسے اپنے خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی ہو۔

خدیجہ نے ماہین کا ہاتھ تھاما اور وہ دونوں مال کے اندر جانے لگیں۔

ماہین نے خدیجہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دیکھا، "کیا خدیجہ کو اندازہ ہوگیا کہ میں خوفزدہ ہوں؟"

یہ سوچ آتے ہی اس نے خدیجہ کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

اندر جا کر وہ دونوں مچھلی خریدنے میں مشغول ہوگئیں۔

کچھ لمحے بعد مہروز اندر آیا، مہروز دور کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ

اپنے موبائل پر کسی کو پیغام بھیج رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں واپس گاڑی میں بیٹھ گئے، لیکن ماہین کی ذہن میں صرف ایک ہی سوچ چل رہی تھی، "صبح بابا کی کال کیوں آئی تھی؟ کیا جاننا چاہتے تھے وہ؟ کیا انہیں کچھ پتہ ہے؟ یا یہ سب میرا وہم ہے؟"

گھر پہنچنے پر فدا حسین کے گھر کے سامنے ایک اور مرد کھڑا تھا، غالباً ان کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ اپنے سیاہ بالوں کو نفاست کے ساتھ جیل سے سیٹ کیے ہوئے تھا، سیاہ آنکھیں، ہلکی بھوری داڑھی، سرمئی رنگ کا پینٹ کوٹ پہنے، اور ہاتھوں میں کالے رنگ کی گھڑی پہنے، وہ اپنی ہیوی بائک کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کا قد مہروز سے

دو انچ چھوٹا تھا، لیکن انداز میں کوئی
کمی نہ تھی۔
گاڑی سے اترتے ہوئے ماہین نے اسے اوپر
سے نیچے تک گھورا۔ اس نے ماہین اور
خدیجہ پر ایک نظر ڈالی، پھر مہروز سے
ہاتھ ملانے لگا۔
اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ
تھی۔ ماہین اور خدیجہ اندر آگئیں۔
"یہ کون تھا؟" ماہین نے خدیجہ سے
پوچھا۔
"وہ ہینڈسم بندہ؟ برحان شیخ ہے، بھائی
کا جگری یار۔ بچپن سے دوست ہیں
دونوں۔ پیشے سے پرائیویٹ انویسٹیگیٹر
ہے۔ " خدیجہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
ماہین نے خدیجہ کو گھور کر دیکھا،
""ہینڈسم، ہاں؟
خدیجہ بے اختیار ہنسنے لگی، "اور ایک
خاص بات بھی ہے اس کی۔

وہ غیر شادی شدہ ہے،" اس نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

ماہین نے شرارتاً کہا، "کیا اسلام آباد میں شادیوں کا رواج ختم ہو رہا ہے؟ مہروز بھی قریباً تیس کا ہونے والا ہے۔"

خدیجہ بھی اسی انداز میں بولی، "بھائی کا تو پوچھو ہی مت، وہ ہر لڑکی کو انکار کر دیتے ہیں۔ امی سے کہہ رکھا ہے، جب برحان شادی کرے گا تب میں بھی کر لوں گا۔ اور یہ دونوں ہی کسی کو منہ نہیں لگاتے۔"

دونوں ہنستے ہوئے کچن کی طرف چل دیں۔

باہر مہروز اور برحان کافی نیٹ کی طرف جانے لگے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں کافی نیٹ کی چھت پر آمنے سامنے میز پر بیٹھے تھے۔

ان کی دوستی ایسی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کی پچھلی سات نسلوں سے واقف تھے۔ ان کی زندگیوں میں ایسا کوئی راز نہیں تھا جو ایک دوسرے سے مخفی ہو۔

برحان نے سنجیدگی سے پوچھا، "وہ لال لباس والی ماہین تھی؟"

مہروز نے کچھ لمحے بعد جواب دیا، "ہاں، وہی تھی۔ اس نے چھ مہینے پہلے خلا لے لیا تھا اور اب پاکستان آئی ہے۔ وہ سب سے کسی طرح چھپنا چاہتی ہے۔"

برحان نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا، "کیا اس نے خود تمہیں بتایا ہے کہ وہ یہاں چھپنے آئی ہے؟ لیکن وہ چھپنا کس سے چاہتی ہے؟"

"میں جانتا ہوں برحان، اسے لگتا ہے کہ وہ پاکستان میں اپنے جوابات لینے آئی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس جگہ سے فرار چاہتی تھی۔ شاید اسے اپنے کچھ سوالات

کہ جوابات بھی مل جائیں، مگر اصل بات
یہ ہے کہ وہ خود بھی نہیں جانتی کہ وہ
"کس چیز سے بھاگ رہی ہے۔
مہروز نے توقف کیا اور گہری سانس لے
کر کہا، "اسے خود پر غصہ ہے۔ وہ قبول
نہیں کر رہی کہ اس نے غلطی کی ہے،
ماہین کو اس دن ہی
اس کمینے کا ہاتھ روک دینا چاہیے تھا جب
پہلی بار اس نے اس پر ہاتھ
اٹھایا تھا۔
اب وہ اس بات کا جواب چاہتی ہے کہ
اس خطے کی سب لڑکیاں اس کی طرح
ہیں؟ اگر ہیں تو وہ انہیں مضبوط بنانے
کے لیے کیا کر سکتی ہے؟
برحان خاموشی سے اپنے دوست کو سن
رہا تھا، اسے بات کی گہرائی کا اندازہ ہو
چکا تھا۔

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو، مہروز؟" برحان نے نرمی سے پوچھا۔

"میں بس... بس اسے تکلیف سے بچانا چاہتا ہوں۔" مہروز نے اب کی بار نظریں جھکا لیں۔

"وہ ابھی بھی تمہارے دل میں ہے؟"

"وہ کبھی دل سے نکلی ہی نہیں۔" اس نے بہت سادگی سے جواب دیا۔

"تو کیا تم اپنے احساسات کا اظہار نہیں کرو گے؟" برحان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں، میں جانتا ہوں اس وقت وہ منع ہی کرے گی۔ اس کے لیے ہر مرد ایک جیسا ہے، سوائے اس کے باپ کے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ پہلے خود کو اس تکلیف سے نکالے، پھر کوئی فیصلہ کرے۔"

برحان نے تھوڑے غصے سے کہا، "یہ چار
باتیں مجھے کال پر بھی بتا سکتے تھے تم،
اتنی جلدی میں کیوں بلایا ہے؟"
مہروز اب اسے دیکھ کر ایک معنی خیز
مسکراہٹ کے ساتھ  بولا۔
"بے رحم شخص! اصل میں کچھ اور
مسئلہ ہے۔ آج ارسل نے ہمارا پیچھا کیا
ہے۔"
یہ سنتے ہی برحان ایک جھٹکے سے آگے کو
ہوا، "ارسل؟ وہ پاکستان میں ہے؟"
"ہاں، ویسے اسے ہونا تو پھانسی کے
پھندے پہ چاہیے تھا، مگر آج وہ
ہمارے پیچھے تھا۔" مہروز نے تحمل سے
بات مکمل کی۔
"تمہیں یقین ہے؟ ماہین نے دیکھا اسے؟""
برحان نے پوچھا۔
"پتہ نہیں، جب میں ان دونوں کو
یونیورسٹی اتار کر مڑا، تب میں نے ایک

شخص کو دور درخت کے پیچھے چھپتے
دیکھا تھا۔ میں نے گاڑی واپسی پر اس کے
پاس سے گزاری، اس کی نظریں
یونیورسٹی کے گیٹ پر جمی تھیں، جیسے
بس ان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا
"ہو۔ میں پہچانتا ہوں اسے، یہ وہی تھا۔
مہروز نے سانس بھرتے ہوئے کہا، "اسی
لیے میں اپنے کیفے نہیں آیا، ان کے ساتھ
رہا۔
مجھے جاننا ہے کہ یہ اتنی جلدی رہا
کیسے ہوا؟ اور کون کون جانتا ہے اس کے
"بارے میں؟ اور اب اس کا مقصد کیا ہے؟
برحان نے ساری بات کی جمع تفریق کی،
،اور گھور کر مہروز کو دیکھنے لگا
"تو تم نے مجھے یہاں صرف اپنے دکھڑے
سنانے کے لیے نہیں، بلکہ
"اس گدھے کا پتا کرنے کے لیے بلایا ہے؟

"بالکل یار! دکھڑے تو تمہیں کال پر بھی سنا سکتا تھا" مہروز نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں مصروف تھا" برحان اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"تم کونسا ایٹم بم بنانے کے نسخے تیار کر رہے تھے۔ چلو، میں اپنا لیپ ٹاپ لے کر آتا ہوں۔ تم کام شروع کرو، تب تک میں کچھ دوسرے کام ختم کر کے تسلی سے تمہارے پاس بیٹھتا ہوں۔"

مہروز معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، اور اپنے بہترین انویسٹیگیٹر دوست پر کام چھوڑ دیا۔

برحان اب زیرلب مہروز کو بہت سے القابات سے نواز رہا تھا۔

مھروز ایک بہترین ہیکر تھا، جبکہ برحان بہترین انویسٹیگیٹر تھا۔ وہ دونوں جس

شخص کے پیچھے لگ جاتے تھے، پھر اس کے
سر پر کتنے بال ہیں؟ یہ تک پتا لگاتے تھے۔

*******

رات کھانے کے وقت سب لوگ موجود تھے،
فدا حسین بھی وہیں موجود تھا۔ ماہین
نے آخر کار ناسی لما پکا لیا تھا، اور اب
سب کی پلیٹوں میں نوالے ڈالے جا رہے
تھے۔
خوشبو تو بہت مزے کی آ رہی ہے، بیٹا!""
تائی شہناز نے مسکراتے ہوئے کہا۔
بالکل تائی جان، اور کھانے میں تو یہ"
مزید لذیذ لگے گا" ماہین نے پرجوش
انداز میں جواب دیا۔
مختلف قسم کی چٹنیوں کے ساتھ ناسی
لما واقعی ذائقے دار لگ رہا تھا۔
کھانے کے دوران، تایا فدا نے ماہین سے
پوچھا، "کوئی پریشانی تو نہیں ہے،

ماہین؟ یہاں سب ٹھیک ہے نا؟ اگر کوئی
"بات ہو تو ہمیں ضرور بتانا، چھپانا مت۔
تایا فدا کی بات سنتے ہی ماہین کو صبح
کا واقعہ پھر سے یاد آ گیا۔ "کیا یہ لوگ
جانتے ہیں کہ ارسل رہا ہو چکا ہے؟"
اس نے دل ہی دل میں سوچا۔
جی تایا جان، مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا"
ہے؟" ماہین نے مسکرا کر جواب دیا۔
فدا حسین نے محض مسکراتے ہوئے سر
ہلا دیا، مگر ماہین کے چہرے پر ایک لمحے
کی جھجھک نے مہروز کی توجہ حاصل کر
لی۔ وہ ماہین کی آنکھوں میں کچھ تلاش
کر رہا تھا، "کیا ماہین کو معلوم ہے؟"
اس نے خود سے سوال کیا۔
ماہین کے جواب نے تایا فدا کو تسلی دی،
لیکن مہروز کو اب بھی شک تھا۔ وہ
واپس کھانے میں مشغول ہو گیا، لیکن

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ذہن میں وہ سوالات پھر بھی گردش کر رہے تھے۔
آج کے کھانے کی بھابھی شارفہ نے بھی تعریف کی۔
تائی شہناز بار بار خدیجہ کو ٹوک رہی تھیں، "زیادہ مت کھاؤ، وزن دیکھو، پہلے ہی اتنا بڑھ رہا ہے۔"
لیکن خدیجہ پھر بھی مزے سے کھانے میں مشغول رہی۔
کھانے کے بعد، جب ماہین اپنے کمرے میں واپس آئی تو سب سے پہلے اس نے محراب کو میسج کیا، "وہاں کیا ہو رہا ہے؟ کوئی نئی خبر ہے تو بتاؤ؟"
ماہین خود سے محراب کو کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی، اسے ابھی بھی شک تھا کہ یہ صرف اس کا وہم ہو سکتا ہے۔
"وہ جیل سے کیسے رہا ہو سکتا ہے؟" اس نے پھر سوچا۔

محراب کا جواب آیا، "یہاں تو سب ٹھیک "ہے، تم سناؤ؟ وہاں کوئی خبر ہے؟
محراب کا میسج پڑھ کر ماہین کو کچھ تسلی ہوئی۔ اگر کوئی بات ہوتی تو محراب تک ضرور پہنچتی۔ اس نے گہری سانس لی اور اپنے دل کو کچھ مطمئن کیا۔
دوا کھانے کے بعد سے اس کا سر درد بھی جا چکا تھا۔ اب اس نے قرآن پاک کھولا اور روزانہ رات کو پڑھی جانے والی سورت ملک اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھنے لگی۔ اس کی روح کو سکون ملنے لگا، اور دل میں کچھ ہلکا پن محسوس ہوا۔
ماہین رات کو جب بھی سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھتی، تو اسے ایسا لگتا جیسے ہر لفظ میں ایک نیا پیغام پوشیدہ ہو، جیسے ہر بار قرآن پڑھتے ہوئے

غور کرنے والوں پر ایک نیا راز کھلتا ہے۔
اس نے اس رات "لَا يُكَلِّفُ اللہ نفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کی آیت کو بار بار پڑھا۔ اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

ماہین آہستہ آہستہ ان الفاظ پر اپنی انگلیاں پھیر رہی تھی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ سے بات کر رہی ہو۔ "یا اللہ، میں ہر رات اس آیت کے معنی پر غور کرتی ہوں، اور ہر بار ایک نئی حقیقت میرے سامنے آتی ہے۔ آپ ہمیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ میں تمہارا رب ہوں، میں تم پر سختی کیوں کروں گا؟"

ماہین نے دل میں سوچا کہ یہ آیت صرف ایک تسلی نہیں، بلکہ اللہ کی بندوں سے محبت کی ایک بے مثال، مثال ہے۔

اللہ جی! آپ نے ہم پرکبھی زیادہ بوجھ نہیں ڈالا، جیسے کہ آپ نے غریب انسان

پر زکوٰۃ فرض نہیں کی، کیونکہ آپ جانتے
ہیں کہ وہ اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔
آپ نے حج بھی صرف ان لوگوں پر فرض
کیا جو استطاعت رکھتے ہیں، اور پھر بھی
آپ نے دیگر ایسے اعمال بتائے جن کا ثواب
حج کے برابر رکھا، تاکہ جو حج نہیں کر
سکتے وہ بھی آپ کی رحمت سے محروم
نہ ہوں۔
ماہین نے مزید غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے
بیماروں کو بھی نماز میں رعایت دی، کہ
جو بیمار ہے وہ بیٹھ کر پڑھ لے، یہ بھی
ممکن نہ ہو تو لیٹ کر پڑھو، یہ بھی نہ
ہو سکے تو اشاروں سے پڑھو۔ اور پھر آپ
نے مسافروں کو روزے چھوڑنے کی اجازت
بھی دے دی اللہ جی۔
"یا اللہ، کیا کوئی ہے جو آپ سے زیادہ
ہمارے جذبات سمجھتا ہو؟" یہ سوچتے
ہوئے، ماہین کی آنکھیں نم تھیں۔

"افف میرے اللہ، میں جب بھی آپ کی
رحمت پر غور کرتی ہوں، میرا دل پھٹنے
کو لگتا ہے۔ مجھے آپ سے شکوہ کرنے
والوں سے ہمدردی ہوتی ہے۔ کیوں نہیں
انسان دیکھتا اپنے رب کی سہولتیں؟ ہم
کیوں گمراہ ہو
جاتے ہیں؟"
پھر اس نے آیت کے اگلے حصے "لَهَا مَا
كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" پر غور کیا۔
"جو کچھ ہم دنیا میں کریں گے، اس کا
حساب ہو کر رہے گا۔ اگر ہم آپ کے
احکامات کے مطابق چلتے ہیں، تو آپ
ہمیں دنیا و آخرت میں بہترین سِلا دیں
گے۔ اور اگر ہم برے کام کریں گے، تو اس
کا انجام بھی ہمیں بھگتنا پڑے گا۔"
ماہین نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں
دنیاوی معاملات کے لیے بھی وارن کیا
ہے۔ "اگر ہم اپنی خواہشات کے لیے

محنت کریں، تو ہمیں اس کا اچھا سِلا ملے
گا، لیکن جو ہم میں سے سست اور
کاہلی دکھاتا ہے، صرف سارا دن بیڈ پر
لیٹے رہنے پر، سارا دن آپ کی نافرمانیوں
میں گزار دینے پر، آخر میں بس آپ سے
دعا کر دے کہ مجھے ایک اچھا مستقبل
"چاہیے تو یہ کافی نہیں ہے۔
یا اللہ، جیسے کہ میں، پانچ ماہ تک،"
صرف دعا کرتی رہی آپ سے کہ مجھے
اس عذاب والی زندگی سے بچا لے، ارسل
کو ٹھیک کر دے۔ لیکن میں نے خود کوئی
قدم نہیں لیا تھا۔ اور جب لیا، تب آپ نے
میری پوری مدد کی۔ میری طاقت
بنے آپ۔ ہم انسان بہت سست ہیں اللہ
جی، ہم چاہتے ہیں، کچھ کرنا بھی نا پڑے
"اور بیٹھے بٹھائے ہر چیز مل جائے۔
وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ ارسل کی
ذہنی بیماری اور مسائل ماہین کا مسئلہ

نہیں تھے، بلکہ اس کا مسئلہ اس کی اپنی ذات تھی۔

"یا اللہ، میں جانتی ہوں، مجھے اپنے لیے بہت پہلے کھڑے ہو جانا چاہیے تھا، میں نے وہ کام اپنے ذمے لیا جو میرا کرنے کا تھا ہی نہیں۔ ارسل کی ذہنی بیماری اور ٹراماز میرا مسئلہ تھے ہی نہیں۔ یہ اس کا مسئلہ تھا اسے خود ٹھیک کرنا تھا۔ میرا مسئلہ میری اپنی ذات تھی، مجھے اپنی ذات کو ان تکلیفوں سے بچانا تھا جو مجھے وہ دیتا رہا۔"

ماہین نے قرآن بند کرتے ہوئے سوچا، "یا اللہ، آپ کا کلام کتنا خوبصورت اور مکمل ہے، یہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔" آج ماہین نے دل سے اقرار کیا کہ غلطی اس کی اپنی تھی۔

"لیکن اب آگے کیا کروں؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

*******

کچھ لمحے بعد خدیجہ واپس کمرے میں آئی، ماہین سامنے لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کر رہی تھی، اس کی انگلی میں ہری تسبیح کے بٹن دب رہے تھے، لیکن اس کا دوپٹہ سر پر نہیں تھا۔ کمرے میں آنے کے بعد وہ اکثر دوپٹہ سر سے اتار دیتی تھی۔ اس کے بال جڑے میں بندھے ہوئے تھے، اس نے ہلکے گلابی رنگ کی شرٹ اور ٹراوزر پہن رکھا تھا۔وہ کام اور تسبیح دونوں کی طرف متوجہ تھی۔

خدیجہ آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اسی دوران ماہین کا فون بجا۔

"پرسنل بینک کالنگ" کے ساتھ خاور کی پروفائل تصویر نظر آئی۔ ماہین نے کال اٹھائی۔"اسلام علیکم بابا۔"

"وعلیکم السلام، طبیعت کیسی ہے میری
جان کی اب؟" خاور بہت محبت سے
بولے۔
اس وقت ملایشیا میں تقریباً سوا بارہ کا
وقت تھا۔"الحمدللہ، آپ سوئے نہیں ابھی
تک؟ امی کیسی ہیں؟"
"نیند نہیں آرہی تھی مجھے، تمہاری امی
اندر کمرے میں سو رہی ہے۔ میں
بالکونی میں کھڑا تازہ ہوا لے رہا ہوں۔"
ماہین ہنسنے لگی، "پکی بات ہے آپ ہوا
کھانے ہی آئے ہیں نہ یہاں؟" ماہین نے
اپنے شرارتی انداز میں کہا۔ وہ خاور کو
اسی طرح تنگ کرتی تھی، اور خاور کو
ماہین کا یہی انداز یاد آتا تھا، جو اس
سارے سانحے کے بعد کہیں کھو گیا تھا۔
اس کی بات پر خاور کا قہقہہ بلند ہوا، "
تمہاری ماں کا ایک کان کمرے میں ہوتا
ہے اور دوسرا ہر وقت میرے ساتھ چپکا

□وتا □□□ میں ایسی ویسی حرکت کا
"سوچ بھی ن□یں سکتا□
اب کی بار ما□ین بھی زور س□ □نسن□
لگی□
اچھا بتاؤ، تم□اری طرف سب خیر □□"
ن□؟ کوئی مسئل□ □□ تو مجھ□ بتاؤ، تم□ارا
"باپ ابھی زند□ □□□
جی بابا، ی□اں سب ٹھیک □□□ آپ کو"
کوئی مسئل□ □□ تو مجھ□ بتائیں، آپ کی
بیٹی ابھی زند□ □□□" و□ ان□یں ک□ انداز
میں بولی، اور دونوں مسکرا دی□□
کچھ دیر بعد خاور کو تسلی □و گئی ک□
ما□ین ٹھیک □□، سو اس ن□ کال کاٹ دی□
ما□ین بھی خاموش □و چکی تھی□اب
اس□ یقین □و گیا تھا ک□ و□ ارسل □ی تھا□
و□ جیل س□ ر□ا □و چکا □□، ذلیل انسان□
اس کی وج□ س□ بابا پریشان □یں□ لیکن
و□ ر□ا کیس□ □وا؟ ی□ اس کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا۔ خدیجہ اسے دیکھتی رہی، پہلے ہنستے ہوئے اور اب گہری سوچ میں گم۔

"کس سوچ میں ہو؟ مجھے بھی بتاؤ، مل کر سوچتے ہیں۔" خدیجہ کہنے لگی۔

ماہین نے اسے دیکھا اور کہنا شروع کیا، "ارسل جیل سے رہا ہو چکا ہے اور پاکستان آ گیا ہے۔ یہ بات بابا مجھے بتا نہیں رہے، شاید اس لیے کہ میں پھر سے پریشان نہ ہو جاؤں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا پھر؟"

"کیونکہ آج میں نے اسے دیکھا ہے، یونیورسٹی کے باہر وہ ٹکرایا تھا مجھ سے اور بھاگ گیا۔ اس نے بہت تیز پرفیوم لگا رکھا تھا۔ میں اس کا پرفیوم پہچانتی ہوں۔" خدیجہ نے غور سے اس کی پوری بات سن کر کہا، "تمہیں کیسے پتا کہ وہ رہا ہوا ہے؟ کیا پتا جیل سے بھاگا ہو؟"

ماہین بولتے خاموش ہو گئی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد، وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی، "بلکل خدیجہ! ہو سکتا ہے وہ جیل سے بھاگ گیا ہو اور پاکستان آ گیا ہو۔ لیکن وہ یہ سب اکیلا تو نہیں کر سکتا۔ اور اگر یہ سب ایسے ہی ہے، تو وہ مجھ سے کیوں ٹکرایا؟ اسے دوبارہ پکڑے جانے کا خوف کیوں نہیں؟"

"ماہین، تم نے یہ ساری بات چاچو کو کیوں نہیں بتائی؟"

"وہ مجھے واپس بلا لیں گے، اور میں اپنی زندگی اس خوف کے ساتھ نہیں گزارنا چاہتی، کہ ارسل میرا پیچھا کر رہا ہے یا وہ مجھے کوئی نقصان پہنچا دے گا۔ میں آج ڈر گئی تھی اسے دیکھ کر، مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ یہاں ہو سکتا ہے۔ لیکن اب اگر یہ حقیقت ہے تو میں تیار ہوں۔

میں اسے خود کو ڈرانے نہیں دوں گی۔
"ماہین اپنی حفاظت کرنا جانتی ہے اب۔
ماہین، آخری بار جب تم اس سے ملی،"
"تو اس نے تم سے کچھ کہا؟
خدیجہ کو لگا، شاید اس نے کوئی دھمکی
دی ہو۔ "کیا اس نے کہا تھا کہ وہ واپس
"آئے گا یا کوئی ایسی بات؟
نہیں، وہ صرف اپنے کارناموں کا الزام"
"ادھر ادھر ڈالتا رہا۔
مطلب؟ کس پر؟" خدیجہ کو سمجھ"
نہیں آئی اس کی بات۔
وہ ظلم کر کے خود کو جسٹیفائی کرتا تھا"
"خدیجہ۔
اوہ!" خدیجہ کو دکھ ہوا۔ "تو کیا اتنا"
کچھ کر کے بھی اسے اپنا قصور کہیں نظر
نہیں آیا؟ گدھا کہیں کا۔" خدیجہ نے
محض سوچا۔

*******

قریباً دو دن بعد، جمعہ کا دن تھا۔ آج
انہوں نے میلاد پر جانا تھا۔ میلاد صبح کے
سات بجے تھا، لیکن ماہین اور خدیجہ ذرا
دیر سے اٹھیں۔ قریباً دس بجے کے قریب
وہ دونوں چلتی ہوئی پچھلی گلی میں جا
رہی تھیں۔
خدیجہ نے رات کو کہا تھا کہ میلاد کا وقت
سات بجے ہے، لیکن ہم دس
بجے تک جائیں گے۔ ماہین نے بھی اس بات
پر حامی بھر دی تھی۔
"ہم اتنی دیر سے کیوں جا رہے ہیں،
خدیجہ؟" ماہین نے پوچھا۔
"کیونکہ اب کھانے کا وقت ہے، تم سوال
کرنا اور میں ساتھ کھا پی لوں گی۔"
خدیجہ نے دانت نکالتے ہوئے جواب دیا۔
ماہین ہنسنے لگی۔ وہ آج کالے رنگ کی
قمیض اور سفید شلوار میں تھی، اور
پاکستانیوں کی طرح سر پر سفید ڈبٹہ

سے حجاب باندھ رکھا تھا۔ خدیجہ بھی
سفید شلوار قمیض میں سر پر حجاب لیے
ہوئی تھی، اس کے نین نقوش بہت
خوبصورت تھے۔ تائی شہناز کی طرح۔
خدیجہ، ماہین کو دیکھتے ہوئے سوال کرنے
لگی، "تم چہرے پر میک اپ کرتی ہو،
ساتھ ماسک لگا لیتی ہو۔ لیکن آنکھوں پر
نہیں کرتی، یہی تو نظر آتی ہیں ماسک
میں بس۔"
ماہین نے اسے مسکرا کر جواب دیا،
"صاف ستھرا لگنا، اپنے لیے بن سنور
کر رہنا، حیا دار کپڑے پہننا، یہ سب آپ
میں اعتماد پیدا کرتا ہے۔ خدیجہ۔ جب آپ
کو یقین ہوگا کہ آپ اچھے لگ رہے ہیں،
تو آپ اپنی بات اگلے تک بغیر ہچکچائے
پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم خود کو
ہی اچھے نہیں لگ رہے، تو ہم اپنی بات

کا اصل معنی اگلے انسان تک نہیں پہنچا
سکتے۔
میں تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھتی
ہوں، اور خود سے پہلا سوال کرتی ہوں،
'میں جس طرح تیار ہوئی ہوں، کیا میں
اللہ کو اچھی لگ رہی ہوں؟' اور اس کا
جواب ہم سب انسان جانتے ہیں، جو
انسان خود سے سچ بولتا ہے، وہ جانتا ہے،
اللہ کو وہ کس حلیے میں پسند آئے گا۔
اس کے بعد میں خود سے اگلا سوال کرتی
ہوں، 'میں خود کو کیسی لگ رہی ہوں؟'
اگر میں اچھی لگتی ہوں تو خود کو بتاتی
ہوں، 'ماہین، تم بہت اچھی لگ رہی
ہو۔' اس طرح مجھ میں اعتماد پیدا ہوتا
ہے۔
اور تمہارا دوسرا سوال خدیجہ، میں اب
جب آنکھوں پر میک اپ کر کے

باہر نکلنے سے پہلے آئینے کے سامنے کھڑی
ہو کر پوچھتی ہوں، 'میں اللہ تعالیٰ کو
کیسی لگ رہی ہونگی؟' تو میرا جواب
آنکھوں پر کیے اس میک اپ پر اٹک جاتا
ہے۔ اس لیے اب میں اسے نہیں کرتی۔"
وہ بغیر کسی کو جج کیے، سادگی سے اپنا
مدعا بیان کر رہی تھی۔
خدیجہ اس کی نرم گفتگو سنتی، اور خود
کو جانچنے لگتی۔"ہم سب انسان ایسے
کیوں نہیں بن جاتے ماہین؟" اس نے نیچے
دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
کیسے؟" ماہین نے اسے دیکھا۔"
وہ نیچے نظریں کیے بولنے لگی، 'میں جب"
بھی میک اپ کر کے حجاب کرتی، اور باہر
نکلتی تو بھابھی شارفہ مجھ پر باتیں
بناتی۔ وہ ہمیشہ کہتی تھی، یا تو حجاب
اتار دو یا میک اپ مت کیا کرو۔ بن سنور
کے بھی جاتے ہو، اور پھر ساتھ حجاب

اوڑھ لیتے ہو تم لوگ۔ اور میں ان کی بات سے ہمیشہ چڑ جاتی، اور جواباً انہیں بولتی کہ میری مرضی، میں جیسے مرضی رہوں۔

ان کی بات مجھے کبھی ٹھیک نہیں لگی، کیونکہ ان کا لہجہ ہمیشہ مجھے تنز مارنے والا لگتا تھا۔

لیکن تم مجھے میری مثال کبھی نہیں دیتی، تم ہمیشہ اپنی مثال دے کر بات سمجھاتی ہو یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ اگر کسی تک دین کی بات پہنچانی ہے، تو اپنے عمل سے بتاؤ۔ اتنے تنزیہ لہجوں سے اگلے کا دل نہ زخمی کیا کریں، کہ اگلا بندہ ضد میں وہ کام نہ چھوڑے پھر۔

ماہین خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔

خدیجہ، ہم دونوں اب راستے میں ملی"
ہیں، اس سے پہلے ہمارے سفر مختلف
تھے، مختلف آزمائشیں تھیں۔ ہماری
منزلیں بھی مختلف ہوں گی، لیکن اب
اس وقت ہم دونوں ساتھ ہیں۔ ہمیں
بس اپنا اصل ڈھونڈنا ہے، ہمیں خود کو
ڈھونڈنا ہے۔ یہ ہماری ٹوٹی پھوٹی ذات،
جو ماضی کو یاد کرتے ہی سہم جاتی ہے،
جو اپنی ماضی پر نرا شرمندہ رہتی ہے،
جو اپنے ٹراماز کا بوجھ دوسروں پر ڈال
دیتی ہے، ہمیں اپنے لیے ایسی ذات کو
قبول نہیں کرنا۔
**اگر میں گری ہوں، تو مجھے خود**
**اٹھنا ہے، اپنے لیے کسی ہاتھ کا**
**انتظار نہیں کرنا۔** مجھے ایسی مضبوط
ذات چاہیے اپنے لیے۔ ہماری یہ جنگ ہے،
اپنی خامیوں کو قبول کر کے، انہیں
درست کرنا۔ ان کا سامنا کرنا۔ ماضی

جیسا بھی تھا، جیسے بھی لوگ تھے، ہمیں
انہیں زندگی کا کل حصہ نہیں سمجھنا۔
اور سب سے اہم بات، اپنی عزت کرنا۔
جو ہم پر فرض ہے۔ جو انسان اپنی عزت
نہیں کرتا خدیجہ، وہ دنیا میں کوئی بڑا
کام نہیں کر سکتا۔"

ماہین بڑی بہنوں کی طرح خدیجہ کو
سمجھا رہی تھی، وہ خود کو اور خدیجہ
دونوں کو سمجھا رہی تھی کہ ماضی سے
باہر نکل کر اب اپنے حال پر دھیان دینے کا
وقت ہے۔

جس وقت جو بھی حق آپ تک پہنچے، تب
دیر مت کریں۔ اسے اسی وقت قبول
کریں۔ اور ماضی میں جو گزرا اس میں
اپنی غلطیوں کو قبول کریں، ان سے بھاگنا
بند کریں۔

آپ بھی انسان تھے، ہو گئی غلطی۔ آپ
کی جگہ کوئی جانور تو غلطیاں کرنے سے

رہا نا؟ لیکن جانور اپنی غلطیوں سے سیکھتا نہیں ہے۔ ہم انسان ہیں، جو سیکھتے ہیں اور انہیں نہ دہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

خدیجہ اس کی بات سن کر سر ہلانے لگی۔ "مجھے اپنی کمزور ذات سے بھاگنا نہیں ہے، مجھے اپنی کمزور ذات پر شرمندہ بھی نہیں ہونا، مجھے اسے قبول کرنا ہے، خود کو بہترین بنانا ہے۔"

خدیجہ خاموشی سے خود سے عہد کر رہی تھی۔

وہ دونوں میلاد ختم ہونے کے بعد پہنچی، اندر زیادہ تر بڑی عمر کی عورتیں اگلی جانب جبکہ چند جوان لڑکیاں پیچھے بیٹھی تھیں۔ ماہین اور خدیجہ بھی جا کر ان کے پاس بیٹھ گئیں۔ وہ سب کھانا ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ماہین کے سامنے دو لڑکیوں نے انہیں مڑ کر دیکھا۔

"اسلام علیکم، کیسی ہو؟" ماہین نے
مسکراتے ہوئے انہیں سلام پیش کیا۔
"وعلیکم السلام، ہم ٹھیک ہیں۔"
"میرا نام ماہین ہے، میں ایک رائیٹر ہوں،
مجھے اپنی کتاب میں لکھنے کے لیے آپ سے
کچھ سوالات کرنے ہیں، اجازت ہے؟"
ماہین نے پوچھا۔
وہ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھنے
لگی، پھر ماہین کو دیکھ کر خوشی سے
سر ہلا دیا۔
ماہین ان کے ساتھ تھوڑا پیچھے ہو کر بیٹھ
گئی، اب صرف ماہین، خدیجہ اور ان دو
لڑکیوں کا دائرہ تھا۔ انہوں نے شلوار
قمیض پہنی ہوئی تھی، دونوں کے رنگ
صاف تھے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔
"آپ کا نام؟" ماہین نے سوال کیا۔
"میں الہام ہوں اور یہ میری کزن ماریہ
ہے،" ان میں سے ایک لڑکی بولی۔

"اچھا، اچھا! مجھے آپ دونوں سے ایک
معاملے پر رائے چاہیے، آپ دیں گی؟"
ماہین نرمی سے بات کر رہی تھی۔ اس
نے اپنا ماسک اتار دیا تھا، وہاں کوئی مرد
موجود نہیں تھا۔
"بلکل پوچھیں!" جواب الہام کی طرف
سے تھا۔
ماہین نے گہری لمبی سانس خارج کرتے
ہوئے کہا، "اگر میں کہوں میں ایک ایسی
لڑکی کو جانتی ہوں، جس کا شوہر اس
پر تشدد کرتا ہے، تو آپ دونوں کیا رائے
دیں گی؟ لڑکی کو کیا کرنا چاہیے؟"
ماریہ چہک کر بولی، "لڑکی کو فوراً اس
جگہ سے بھاگ جانا چاہیے، اپنے گھر چلی
جائے، یا کہیں بھی، اور شرطوں کے ساتھ
واپس آئے، بھئی اس کی جان سستی ہے
کیا؟ جو مارتا رہے اسے۔"

ماہین نے اس کی بات تحمل سے سنی، اور اب الہام کی طرف متوجہ ہوئی۔ الہام نیچے نظریں کیے کچھ سوچ رہی تھی، اور اب ماہین کو اپنی طرف دیکھتا پا کر بولنے لگی، "میں اپنی کلاس میں ٹاپر تھی ماہین، میرے پاس ہر سوال کا جواب ہو سکتا ہے، لیکن اس کا نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی اس لڑکی کو کیا کرنا چاہیے، اور کس چیز نے اسے اس گھر میں رہنے کے لیے قیدی بنا رکھا ہے۔ شاید اس کے ماں باپ نے منع کر دیا ہو، 'واپس ناراض ہو کر مت آنا۔' یا پھر اسے خوف ہو کہ وہ مرد اسے چھوڑ دے گا۔"

الہام اب کی بار پھر نظریں نیچے کر چکی تھی، جیسے اپنی نظروں سے اپنا کرب چھپانا چاہتی ہو۔ ان کی بات سے ماہین کو یہ علم ہوگیا تھا کہ الہام شادی شدہ

ہے، جبکہ ماریہ یا تو شادی شدہ نہیں
ہے، یا اس کو شوہر اچھا
ملا تھا۔
ان دونوں کی عمر قریباً پچیس سے تیس
سال کے درمیان ہوگی۔
ماہین اب الہام کو دیکھ رہی تھی، اور
بولنا شروع ہوئی، "تو مس ٹاپر، آپ کے
خیال سے اس کی اصل وجہ کیا ہو سکتی
ہے؟"
اب کے الہام پھر سے نظریں اٹھا کر ماہین
کو دیکھنے لگی۔ وہ دونوں ایک سی تھیں،
ان دونوں کو ہی اس بات کا جواب نہیں
پتہ تھا، آخر ان میں سے اصل وجہ کیا
ہوتی ہے؟
کھانا آ چکا تھا، ماریہ اور خدیجہ اس میں
مشغول ہو گئیں لیکن ماہین نے نہیں
کھایا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی الہام

کو دیکھے گئی، وہ اپنی پلیٹ میں پڑے
چاول کھانے لگی۔
ان کے پیچھے ایک خاتون بیٹھی تھیں، جو
غالباً چالیس برس کی معلوم ہوتی تھیں۔
انہوں نے ان لڑکیوں کی ساری بات سنی،
اور اب انہیں اپنی
طرف متوجہ کیا۔
وہ بہت شائستگی سے انہیں کہنے لگی،
"اس سوال کا جواب میرے پاس ہے
بچوں سنو گی؟"
ان چاروں نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔
وہ حجاب اوڑھ کر، کندھوں پر چادر
چڑھائے، نفاست سے بیٹھی ہوئی خاتون
تھیں۔ ان کی ماہین کی طرح بھوری
آنکھیں تھیں۔
اپنی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے
ان بچیوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر
کہنا شروع کیا، "میرا نام امبر ہے۔ میں

ایک ٹیچر ہوں۔ میری شادی کو قریباً
پندرہ برس ہوگئے ہیں۔ میرے دو بیٹے
ہیں۔ میرا شوہر غصے کا تیز ہے، ہماری
آئے دن کسی نہ کسی بات پر بحث ہو
جاتی ہے۔ ہم محبت بھی بہت کرتے ہیں
ایک دوسرے سے، جھگڑے کے بعد منانے میں
بھی پہل کرتے ہیں۔" چند لمحوں کا
توقف ہوا۔

" تاہم، لڑائی جھگڑے ہر رشتے میں ہو
جاتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنے شوہر کو
کبھی خود پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں
دی بچوں۔ اس نے ایک بار شدید غصے میں
آگے بڑھ کر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی
تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا
اور کہا، 'یہ پہلی اور آخری بار ہونا
چاہیے۔ اگلی بار تم زبان سے آگے بڑھے،
اور ہاتھوں کو بیچ میں لائے، تو میں تمہیں
دوسرا موقع نہیں دوں گی۔' وہ جانتا تھا

میں صرف دھمکی نہیں دے رہی، سو وہ
پیچھے ہٹ گیا۔ دوبارہ یہ غلطی نہیں کی
اس نے۔"
ماہین اور الہام انہیں دیکھے گئی۔
آپ کے ایک بار منع کرنے پر وہ ہٹ گیا؟""
ماہین اور الہام نے اکھٹے سوال کیا تھا۔
اب کہ امبر مسکرا کر بولنے لگی، "یہ مرد
، عورت کی کمزوری پکڑتے ہیں۔
میرا شوہر سمجھ گیا تھا کہ میری اپنی
نظروں میں بہت اہمیت ہے، اور مجھے
کسی کو کھو دینے کا خوف نہیں تھا کبھی
بھی۔
جب مرد کو یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ
لڑکی طلاق سے ڈرتی ہے، تو وہ بار بار
اسے طلاق کی دھمکی دے کر اسے توڑتا
ہے۔ جب مرد یہ جان جائے کہ یہ عورت
اپنی عزت نہیں کرتی تو وہ بار بار اسے
ذلیل کرتا ہے، اسے روندھتا ہے۔ شوہر

سے محبت کرنی چاہیے، لیکن اس کے
"پیروں میں نہیں گرنا چاہیے بچوں۔
امبر اب بات مکمل کر چکی تھی، لیکن
اب کی بار سوال ماریہ کی طرف سے تھا،
"لڑکی یہ سب برداشت کیوں کرتی ہے؟
"بھاگ کیوں نہیں جاتی؟
عورت ہر بار سمجھتی ہے، یہ شاید"
آخری بار ہوگا۔ اور پھر سے مار کھانے کے
لیے اس گھر میں رک جاتی ہے۔ کیونکہ
پاکستانی عورتوں کی سیلف اسٹیم بہت
کم ہے۔ وہ سمجھتی ہیں، انہیں بعد میں
کوئی اپنائے گا نہیں۔ وہ خود کو اس قابل
بھی نہیں سمجھتی۔ اس لیے جیسے بھی
ہو، وہ اس زندگی پر گزارا کرنے لگتی
ہیں۔"
الہام نے امبر کی بات پر آنکھیں کرب سے
بند کیں، وہ یہ نہیں سننا چاہتی تھی۔
جبکہ ماہین خاموشی سے انہیں دیکھے

گئی۔ وہ خود کو تیار کر چکی تھی ان سب جوابوں کے لیے۔

امبر کا شکریہ کرتے ماہین وہاں سے اٹھی۔ ساتھ خدیجہ بھی اٹھ چکی تھی۔

ماہین کو جواب مل گیا تھا، ایک نظر اس نے الہام پر ڈالی۔ اس کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھا، اور وہاں سے چلی گئی۔

باہر آنے پر خدیجہ نے ماہین سے سوال کیا، "کہیں جانا ہے اب؟"

"نہیں، بس گھر چلتے ہیں ابہکل حوریہ کو باہر لے جائیں گے کہیں۔ اس سے وعدہ کیا تھا، کچھ لے کر دوں گی۔"

خدیجہ نے محض سر ہلا دیا۔ ماہین اب کی بار ایک نظر پیچھے کو دیکھنے لگی، ایک بار پھر اسے احساس ہوا، جیسے کوئی تعاقب میں ہو۔

گھر پہنچنے پر، آج پھر باہر برحان کی بائک کھڑی تھی، غالباً وہ اندر بیٹھا ہوگا۔

خدیجہ اور ماہین اندر داخل ہوئیں۔

اندر آتے ہی سائڈ کرسی پر برحان بیٹھا تھا، اس کے ساتھ حوریہ باتیں کر رہی تھی۔

وہ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

جب خدیجہ اور ماہین کو آتا دیکھ کر، برحان خاموش ہوگیا۔

خدیجہ اسے دیکھ کر رک گئی، "اسلام علیکم! بھائی مہروز گھر پر ہے؟"

اگر برحان آیا بیٹھا تھا، تو اس کا مطلب مہروز بھی گھر پر ہوگا۔ لیکن خدیجہ نے پھر بھی پوچھا۔

"ہاں، اندر ہے، مجھے یہاں انتظار کرنے کو بولا ہے" اس نے۔

ماہین کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی،
برحان نے صرف ایک نظر ماہین پر ڈالی،
باقی اب وہ خدیجہ کی طرف متوجہ تھا۔
ویسے آپ آج کل کیا کر رہے ہیں؟""
خدیجہ نے اگلا سوال کیا۔
آج کل تو میں تمہارے بھائی کی نوکری"
"کر رہا ہوں۔
چاچو، آپ کو پتہ ہے ماہین پھوپھو"
ملایشیا سے آئی ہیں۔" اب کہ سوال
حوریہ کی جانب سے تھا۔
نہیں تو، کیا واقعی؟ مجھے تو لگا گاؤں"
سے کوئی مہمان آئی ہوئی ہے آپ کے
"گھر۔
اب کہ برحان نے ماہین کو دیکھ کر اپنی
لمبی پلکیں جھپکاتے ہوئے، معصومیت سے
کہا۔
اب وہ کیا کہتا؟ میں ان محترمہ کی"
"اگلی پچھلی کنڈلی بھی جانتا ہوں؟

ماہین برحان کو دیکھتے ہوئے اسی انداز
میں بولی، "مجھے بھی ابھی پتہ چل رہا
ہے آپ مہروز کے دوست ہیں، ورنہ اس
دن گھر کے باہر کھڑا دیکھ کر مجھے لگا
تھا دودھ پکڑانے آئے ہونگے آپ ویسے
"خدیجہ دودھ دینے والا کس وقت آتا ہے؟
وہ بھی جواباً پلکیں جھپکائے، معصومیت
سے کہنے لگی۔
دودھ پکڑانے حیوی بائیک پر نہیں آتے"
محترمہ۔" برحان اب کی بار جل کر بولا۔
"اچھا؟ مجھے کیسے پتا ہوگا، میرے گاؤں
میں تو ہماری اپنی بھینسیں ہیں۔ مجھے
پتہ نہیں شہر میں دودھ والے کیسے آتے
ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے معصومیت سے
بولتے وہاں سے چلی گئی۔ خدیجہ بھی
ہنستے ہوئے اس کے پیچھے لپکی۔
برحان اب غصے میں بیٹھا تھا، جب مہروز
نہاتے ہوئے کمرے سے باہر

نکلا۔ وہ آج بھی کالے رنگ کی پینٹ کوٹ
پہنے تیار تھا۔ وہ آستینیں چڑھاتے ہوئے
آگے بڑھ رہا تھا۔ ساتھ بار بار اپنے گیلے
بالوں پر ہاتھ پھیرتا۔
آؤ چلے باہر" جب وہ ٹھٹھکا، اس نے"
برحان کو خود کو گھورتے ہوئے دیکھا۔
کیا ہوا؟" مہروز نے پوچھا۔"
ماہین جی آئی تھیں ابھی، مجھے دودھ"
والا بنا کر گئی ہے۔ میاں اسے جا کر بتاؤ،
میں ایک بہترین انویسٹیگیٹر اور بائیک
رایڈر ہوں، مجھ سے زیادہ سسٹم ہیک
کسی نے نہیں کیے ہونگے، اورمجھ سے
اچھی بائک رائڈنگ پورے پاکستان میں
کوئی نہیں کرتا۔"
مہروز نے اسے گھورا، "تمہیں اسی بائک
رائڈنگ میں، مہروز نام کا ایک بندا ہزار
بار ہرا چکا ہے، اور ہیکنگ میں بھی غالباً
میں تم سے بہتر ہوں برحان

دودھ والے" اب کی بار مہروز نے زور سے قہقہہ لگایا۔

جبکہ برحان اٹھتے ہوئے، اسے دھمکی دیتا باہر کی طرف لپکا۔

"کل رات ہم ایک اور بار مقابلہ کریں گے، میں تمہیں بتاؤں گا زیادہ بہتر رائڈنگ کون کرتا ہے" مہروز فدا۔

اب دونوں باہر جا رہے تھے، انہیں آج پھر ارسل کو ٹریس کرنا تھا۔

*******

کچھ دیر بعد دونوں مہروز کے کافی نیٹ پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

انہوں نے یونیورسٹی کے باہر سارے کیمرے ہیک کرکے ارسل کی ہر حرکت جانچی۔ وہ کس سمت مڑا، کتنے فاصلے سے پیچھا کیا، اس سب کی جانچ میں انہیں کافی وقت لگا تھا۔ اور اب دونوں مسکرا رہے تھے۔

شام ڈھلنے میں کچھ دیر باقی تھی۔اس دوران انہیں ایک بات عجیب لگی۔ ارسل بار بار کسی کو کال کر رہا تھا۔

"وہ بھلا ہماری ساری معلومات کسے دے رہا ہے؟" مہروز نے پوچھا۔

"ماہین سے ٹکرایا تو ہے، لیکن اس کی شکل ماہین نے نہیں دیکھی۔ تمہارے خیال میں ماہین کو شک ہوا ہوگا؟" برحان نے سوال کیا۔

"بالکل! وہ جانتی ہے یہ گدھا اس کا پیچھا کر رہا ہے، لیکن اس نے کسی کو بتایا نہیں۔" مہروز لیپ ٹاپ کو گھورتے ہوئے بولا۔

کچھ تھا جو ان سے مس ہو رہا تھا۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اگلے روز مہروز نے صبح ناشتے کے دوران، سب سے کہا تھا، "تم لوگوں کو میں رات

باہر لے جاؤں گا، آج ایک میچ ہے میرا، میں چاہتا ہوں تم لوگ بھی دیکھو۔ واپسی پر ہم حوریہ کو شاپنگ کروائیں گے۔"

حوریہ اپنے چاچو کی بات سن کر چہکنے لگی۔

جبکہ ماہین نے سوال کیا، "کس چیز کا میچ؟"

"بھائی اپنے بائک کے مقابلے کو میچ کہتا ہے۔" جواب خدیجہ نے دیا۔

"یعنی تم بھی رائیڈر ہو؟" ماہین دلچسپی سے مہروز کو دیکھنے لگی۔

"ایسا ویسا؟ میں اور برحان اسلام آباد کے سب سے مقبول رائڈرز ہیں۔"

مہروز گردن اونچی کیے بولا۔

"اسلام آباد میں اس طرح سے ریس لگانا غیر قانونی نہیں؟" ماہین نے حیرانی سے پوچھا۔

"بیٹا، ان کمبختوں کو کیا پتا قانونی غیر قانونی کا، برحان کا سارا گھرانہ پولیس میں اونچے عہدوں پر مقرر ہے اور وہ اسی طرح سے ان کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ ساتھ اسے بھی مٹرگشت کرنے لے جاتا ہے۔"

تائی شہناز نے نہایت غصے سے کہا، جس پر سب کا قہقہہ گونجا۔

"ٹھیک ہے، کتنے بجے؟" ماہین نے پوچھا۔

"جب آسمان پر چاند اور روشنی مل جائے گی، یعنی عشاء کے بعد۔"

وہ اپنے شرارتی انداز میں مسکرایا تھا۔

ماہین نے اس کی بات سنی، مگر سمجھی نہیں۔ سب کھانے میں واپس مشغول ہو گئے۔ رات آٹھ بجے مہروز گھر آیا۔

ماہین نے گہرے سرخ رنگ کی لانگ سکرٹ اور ساتھ گھٹنوں تک آتی اسی رنگ کی فراک پہنی تھی۔ اوپر اپنا

سکارف اور ماسک لیے ہوئے تیار تھی،
جبکہ خدیجہ نے ہلکے بھورے رنگ کی
فراک پہنی تھی، ساتھ حجاب۔ آج اس کے
چہرے پر بہت ہلکا میک اپ تھا، جس میں
ہلکی گلابی رنگ کی سرخی شامل تھی۔
اس کے علاوہ اس کا چہرہ میک اپ سے
پاک تھا
بھابھی شارفہ نے اپنا کالا رنگ کا عبایا پہنا
تھا۔ وہ سب باہر جانے کو تیار تھے۔
مہروز نے اپنی گاڑی نکالی اور چابی
ماہین کی طرف بڑھائی۔ ماہین چابی
دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی، پھر
سمجھ کر چابی پکڑ لی۔
ماہین گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی، اس کے
ساتھ خدیجہ اور حوریہ بیٹھی تھیں۔ پیچھے
کی سیٹ پر بھابھی شارفہ بیٹھ گئی۔
جبکہ مہروز اپنی بائیک پر ساتھ تھا۔ اس
کی رفتار گاڑی کی رفتار کے ساتھ ہی

تھی۔کچھ دیر بعد وہ سب ہائی وے،
اسلام آباد میں موجود تھے۔
وہاں اور بھی آس پاس سے لوگ رک کر
درمیان میں موجود ان دو بائیکس کو دیکھ
رہے تھے۔
اب وہ دونوں اسلام آباد کی سڑکوں پر
اپنی ایچ ٹو آر بائیکس سے ریس لگانے کو
تیار کھڑے تھے۔ ان دونوں کی بائیک ایک
جیسی تھی، کاواساکی ایچ ٹو آر جو کالے
اور سبز رنگ کی تھی، چمکتی ہوئی۔
وہ دونوں جس انداز میں ریس لگاتے تھے،
ہر کوئی انہیں مڑ مڑ کر دیکھتا تھا۔ ابھی
ریس شروع ہونے میں کچھ منٹ باقی
تھے، جب مہروز کو ایک کال آئی۔ وہ غیر
شناسائی نمبر تھا۔ اس نے کال اٹھا کر
موبائل کان کو
لگایا، کچھ دیر بعد کال ختم ہوئی۔

درمیان میں ایک شخص ان دونوں کو ہاتھ لہرا کر "ون ٹو تھری" بولنے لگا، ساتھ ہی فائر کی آواز سے ریس شروع ہو گئی۔
دونوں نے اپنی پوری رفتار سے بائیک دوڑائی۔ قریباً سات منٹ یہ ریس چلی، لیکن آج ریس برحان نے جیتی۔ اختتامی لائن پر پہنچنے کے بعد برحان نے ایک نظر پیچھے مہروز پر ڈالی، وہ ایک منٹ بیس سیکنڈ لیٹ تھا۔مہروز نے اپنا ہیلمٹ اتارا، اس کا منہ اترا ہوا تھا لیکن یہ ہارنے کی وجہ سے نہیں تھا۔ کچھ اور بات تھی، برحان نے بھانپ لیا۔ وہ آگے بڑھ کر مہروز سے ہاتھ ملانے لگا۔ مہروز متلاشی نظروں سے آس پاس دیکھ رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔
برحان، خدیجہ، ماہین، اور بھابھی شارفہ کو آتے دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"بھائی، خودکشی کے خیالات تو نہیں آ
رہے نا؟" خدیجہ ہنستے ہوئے بولی۔
مہروز واپس ان کی طرف متوجہ ہوا، وہ
خدیجہ کی بات سن کر مسکرانے لگا،
جبکہ پاس کھڑا برحان اب ماہین کو
دیکھتے ہوئے بولا، "کیسی لگی برحان
دودھ والے کی شاندار ریس، ماہین؟" وہ
دانت نکالتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"یہ عظیم کامیابی حاصل کرنے پر میں
تمہیں مبارکباد پیش کرتی ہوں، برحان۔
مجھے یقین ہے، صبح کے اخبار میں
تمہاری جیت کا تزکرہ ضرور ہوگا۔
خدیجہ، صبح اخبار گھر پر آئے تو مجھے
بتانا، میں ضرور پڑھوں گی۔"
وہ شرارتی انداز میں بولی، اس کی بات
پر برحان کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔
کچھ دیر بعد، برحان اپنی بائک لیے واپس
جا رہا تھا۔

ماہین نے جھک کر حوریہ سے پوچھا،
"کہاں چلے، حوریہ؟ کوئی من پسند جگہ
ہے کیا تمہاری اسلام آباد میں؟"
"ہم منال ریستوران چلیں، پھوپھو؟ وہ
بہت پیارا ہے۔" حوریہ کو پورے اسلام آباد
میں ایک وہی جگہ پسند تھی، اور مہروز
اسے بار بار وہاں لے کر جاتا تھا۔
"ہاں، وہی چلتے ہیں، مجھے بھی بہت
بھوک لگی ہے۔" اب کی بار خدیجہ بولی۔
"تم بہت جلد پھٹنے والی ہو، میری بہن!"
مہروز خدیجہ کو چڑھاتا ہوا اپنی بائک کی
طرف بڑھ گیا۔
بھابھی شارفہ، ماہین، اور خدیجہ گاڑی
میں واپس بیٹھ چکی تھیں، جبکہ حوریہ
مہروز کے ساتھ بائک پر بیٹھی۔ مہروز
کی بائک آگے تھی، وہ ماہین کو راستہ
دکھا رہا تھا۔

گاڑی میں شارفہ ماہین سے مخاطب
ہوئی۔ "ماہین، پڑھائی مکمل ہو گئی ہے
تمہاری؟"
"جی بھابھی، ماسٹرز ہو چکا ہے میرا۔"
"تو آگے ایڈمیشن بھیجو گی؟"
"توبہ کریں بھابھی، اللہ اللہ کر کے
ماسٹرز کیا ہے۔"
شارفہ اور خدیجہ اس کی بات سن کر
ہنسنے لگیں۔ شارفہ سے ماہین کے ساتھ
اتنے دنوں میں یہ پہلی نرم گفتگو تھی۔
"تم رائٹر کیوں بنیں، ویسے؟"
"کیونکہ میں کہانیاں بہت اچھی بنا لیتی
ہوں، میرے ناولز کو کم نہیں سمجھیے گا،
بھابھی۔
"اچھا وہ کیسے؟" شارفہ تجسس سے
پوچھنے لگی۔
میں اپنی کہانیوں میں صرف ہیرو
ہیروئن کی شادی پر غور نہیں کرتی، میں

اس میں موجود ہر کردار کو اس طرح لکھتی ہوں کہ پڑھنے والا انسان اس سے ریلیٹ کر سکے۔" ماہین جوش سے بتا رہی تھی۔

کتابیں پڑھنے اور لکھنے والوں کی عادت ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہر انسان کے دل میں اپنی من پسند کتابوں کی محبت اسی طرح انڈیل دیں جس طرح ان کے اپنے دلوں میں موجود ہوتی ہے۔

اس کی بات سن کر شارفہ جواباً کہنے لگی، "تمہیں بہت غرور ہے اپنی تحریروں پر۔"

ماہین بیک مرر سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ آپ کے اردگرد کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر کسی وجہ سے تلخی پلتی ہے، اور اس تلخی کو وقت پر پہچان کر دور نہ کیا جائے تو اس کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ

انسان ہر دوسرے انسان کو کسی نہ
کسی طرح اپنے لفظوں سے بتانا چاہتا ہے
کہ تمہارا وجود بھی ہماری طرح خامیوں
سے بھرا ہوا ہے، اس بات کو تسلیم کرو۔
"نہیں بھابھی، غرور کی ڈیفینیشن یہ ہے
کہ آپ کہیں، 'مجھ سے کوئی
بہتر نہیں ہے، میں سب سے اونچا اور
بہتر ہوں۔' لیکن اپنے کام کے لیے پر
اعتماد ہونا اچھی بات ہے۔ میں دن رات
محنت کر کے لکھتی ہوں۔ میں عورت کو
یاد دلانا چاہتی ہوں کہ وہ خاص ہے، اپنا
مقام پہچانے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معتبر
بنایا ہے، تو وہ خود کو معتبر سمجھے۔"
بھابھی شارفہ بھی اسے بیک مرر سے
دیکھنے لگی۔
"اچھا۔ تم سے ایک اور شکوہ ہے مجھے۔
میں جب بھی تم لوگوں کے کمرے میں گئی
ہوں، تم سر سے دوپٹہ اتار کر تسبیح پڑھ

رہی ہوتی ہو۔ کتنی بے ادبی ہے یہ۔ میں
کچھ کہتی نہیں ہوں، بھئی تم لوگ برا
ہی بہت مانتے ہو۔" شارفہ نے بات کا رخ
بدلتے ہوئے کہا۔
ماہین نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں میچ کر
سوچا، "اففف یہ پاکستانی عوام! جب بھی
کسی بات کا جواب نہ آئے تو کوئی اور
بات بیچ میں ڈال دیتے ہیں۔"
ماہین نے گہری سانس خارج
کی۔"بھابھی، آپ پہلے بھی مجھ سے پوچھ
لیتی تو میں جواب دے دیتی، لیکن خیر۔
میں نے قرآن پڑھنا تب شروع کیا تھا جب
میں چار سال کی تھی۔ میں مسجد میں
جا کر قرآن پڑھتی تھی۔
پھر جب میں آٹھ برس کی ہوئی تو
ہمارے گھر ایک ملائی خاتون آتی تھیں،
فاطمہ باجی وہ مجھے اور محراب دونوں
کو قرآن پڑھاتی تھیں۔ ایک دن امی کچن

میں کھڑی تھیں بغیر دوپٹے کے، جب اذان
ہونے لگی۔ امی بھاگتی ہوئی جا کر دوپٹہ
اٹھانے لگیں۔ یہ سب فاطمہ آپا دیکھتی
رہیں، اور بعد میں امی کو بلا کر پوچھنے
لگیں، 'آپ کو کسی نے یہ بات بتائی ہے
'کہ اذان سننے کے لیے دوپٹہ فرض ہے؟
امی نے حیرانی سے انہیں دیکھا اور پھر
بولی، 'نہیں، لیکن یہ تو ادب کے لیے لیا
'جاتا ہے۔
انہوں نے امی سے کہا تھا کہ ادب یہ ہے
کہ جب اذان ہونے لگے تو
کام چھوڑ کر خاموشی اور سکون سے
اذان سنیں، اس کا جواب دیں، اور نماز کے
لیے اٹھیں۔
دوپٹے یا چادر سے خود کو مکمل ڈھک کر
نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ لیکن اذان کے لیے
تو ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔

آپ وہ چیز کیوں کرتی ہیں جس کے
فرض ہونے کا کہیں ذکر نہیں؟ دین آسان
ہے۔ اذان اور تسبیح کے دوران سر ڈھکنا
فرض نہیں ہے۔ محض دکھنے میں یہ
چھوٹی بات ہے، لیکن آپ اس سے خود پر
جبر کر رہی ہیں۔
کیا جب آپ کے سر پر دوپٹہ نہیں ہوگا تو
آپ ذکر نہیں کریں گی؟
کبھی اذان کے وقت آپ کو دوپٹہ نہ ملا تو
آپ کو لگے گا آپ نے گناہ کیا ہے، جبکہ
ایسا تو کچھ ہے ہی نہیں۔
اور آپ کے سامنے جو دوسرا انسان یہ
سب نہیں کرے گا، آپ اسے
"بھی گناہگار تسلیم کریں گی۔
ماہین نے اپنی بات مکمل کی، اور بیک
مرر سے بھابھی شارفہ کو دیکھنے لگی۔
""کیا انہیں میری بات سمجھ آئی ہوگی؟

شارفہ اسے دیکھتی رہی خدیجہ سامنے مہروز کی بائیک پر نظریں ٹکائے، خاموشی سے سب سن رہی تھی۔
"ایک دوپٹہ پہننے سے تمہیں کیا ہو جائے گا، ماہین؟"
شارفہ نے واپس سوال کیا۔"مجھے کچھ نہیں ہوگا، بھابھی۔ میں باہر نکلتے ہوئے بھی ذکر کرتی رہتی ہوں۔" اس نے اپنی انگلی میں موجود ہری تسبیح کی طرف اشارہ کیا۔ "یہاں میرے سر پر حجاب بندھا ہے، لیکن کمرے میں زیادہ تر میں دوپٹہ نہیں اوڑھتی۔
میں دوپٹہ اوڑھ کے ذکر کرنے والوں کو غلط نہیں کہتی، نہ میں دوپٹہ اتار کر تسبیح پڑھنے والوں کو غلط سمجھتی ہوں۔ کیونکہ دونوں ہی صورتوں میں نہ ثواب ہوگا نہ گناہ۔ آپ کو ذکر کرنے کا ثواب ملتا ہے، دوپٹہ اوڑھنے کا نہیں۔ اس

پر میں نے ریسرچ کی ہے، علماء کا موقف
سنا ہے۔ آپ میری رائے سے اختلاف کر
سکتی ہیں۔ آپ کی مرضی ہے، جس پر
"دل مانتا ہے وہ کریں۔
اب وہ خاموش ہو گئی تھی۔
لیکن بے ادبی ہوتی ہے اس سے۔""
شارفہ پھر بولی۔ وہ اپنی بات پر قائم
تھی۔
جی بہتر!" ماہین نے اب کوئی لاجیکل"
جواب نہیں دیا۔ ایک بار کلئیر کر دینا
کافی ہوتا ہے۔ سب کی اپنی مرضی۔
آخری موڑ کاٹتے ہوئے، مہروز نے منال
ریستوران کے پارکنگ ایریا میں اپنی بائیک
موڑی۔ ماہین نے بھی احتیاط سے گاڑی
پارک کی اور باہر نکلی۔
منال ریستوران، مارگلہ کی پہاڑیوں کے
دامن میں بسا ہوا، قدرت کے حسین

جادوئی نظاروں کا ایک لاجواب نمونہ تھا۔

اس ریستوران کا حسن، شہر کی رونقوں سے دور، ایک الگ ہی دنیا کا احساس دیتا تھا۔ ریستوران کو اس مہارت سے بنایا گیا تھا کہ یہاں سے اسلام آباد کا پورا منظر نامہ انسان کی آنکھوں کے سامنے کھل جاتا تھا۔

جیسے ہی انہوں نے منال کی دہلیز پر قدم رکھا، ایک نرم اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے ان کا استقبال کیا، جیسے قدرت خود انہیں خوش آمدید کہہ رہی ہو۔

ہر طرف پھیلی ہریالی، پھولوں کی خوشبو اور درختوں کی جھرمٹ نے ماحول کو ایسا سحر انگیز بنا دیا تھا کہ انسان خود کو خوابوں کی دنیا میں محسوس کرنے لگتا تھا۔ رات کی روشنیوں کے

حسین امتزاج کے ساتھ یہ ریستوران ایک خوابناک منظر پیش کرتا تھا، جس نے ان کے دلوں کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا۔

وہ سب منال کی بالکونی کی طرف بڑھ گئے، جہاں سے اسلام آباد کی جگمگاتی روشنیوں کا نظارہ ایسا لگتا تھا جیسے زمین پر ستارے بکھر گئے ہوں۔ ماہین نے گہری سانس لی اور ہلکا سا مسکرائی۔

"یہ جگہ واقعی دلکش ہے،" اس نے دل میں سوچا۔

ملایشیا میں وہ کئی ریستورانوں میں بیٹھی تھی، ہر جگہ اپنے خاص انداز کی حامل تھی، مگر اسلام آباد میں یہ جگہ بالکل الگ محسوس ہوتی تھی، یہاں ایک عجیب سی اپنائیت اور سکون تھا۔

منال ریستوران میں بھی ہر طرف یہی کیفیت نظر آرہی تھی، ہر کوئی ایک

دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا، گویا سب اپنی اپنی دنیا میں خوش تھے اور ایک دوسرے کی خوشیوں کا حصہ بن رہے تھے۔

بالآخر، وہ کونے میں بنے ایک میز پر جا بیٹھے، جہاں سے دوسری جانب پہاڑوں کا وسیع سلسلہ دکھائی دیتا تھا۔

ماہین، خدیجہ، اور بھابھی شارفہ ایک ساتھ بیٹھ گئیں، جبکہ مہروز اور حوریہ سامنے بیٹھے تھے۔ حوریہ کی باتوں سے ماحول میں خوشی کی چہک محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ واقعی بہت خوبصورت جگہ ہے حوریہ۔"

ماہین نے مسکرا کر کہا اور پھر پہاڑوں کی جانب دیکھنے لگی۔ ریستوران پر ایک دھن چل رہی تھی۔ دھیمی سی۔

"یہاں کا کھانا تو اس سے بھی زیادہ مزیدار ہے،" خدیجہ ہنستے ہوئے بولی اور مہروز کی طرف دیکھنے لگی، وہ جانتی تھی کہ اب مہروز اسے ضرور چڑھائے گا۔

"تمہیں تب سکون ملے گا جب تم کھا کھا کے پھٹ جاؤ گی،" مہروز نے خدیجہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

خدیجہ فوراً آسمان کی طرف دیکھنے لگی، "دیکھیں بھائی، چاند کتنی خوبصورتی
سے چمک رہا ہے، ہے نا؟" وہ پورے دانت نکال کر چڑھانے والے انداز
میں بولی۔

مہروز ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔ اس کی نظریں اب ماہین کی طرف تھیں، جو خاموشی سے پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ شاید اس کا دھیان ان کی باتوں کی طرف نہیں تھا۔

خدیجہ اور شارفہ مینیو دیکھنے لگیں، مگر ماہین کے خیالات کہیں اور ہی گم تھے۔
ماہین کے ذہن میں ایک لمحہ گردش کر رہا تھا، وہ لمحہ جب وہ ارسل کے ساتھ ملایشیاء میں کیمرون ہائی لینڈز گئی تھی۔
وہ پہاڑ، گھنے سبز جنگلات، سرسبز وادیوں اور چائے کے باغات کے درمیان واقع، ایک جنت کی مانند جگہ تھی۔ وہاں کی تازہ ہوا، خنک موسم، اور دھند میں لپٹی پہاڑیاں آج بھی ماہین کے دل میں تازہ تھیں۔
اسلام آباد کے منال ریستوران کی بالکونی سے پہاڑوں کا یہ منظر دیکھ کر وہی یادیں ایک بار پھر زندہ ہو گئیں۔
اس وقت ارسل ماہین کے لیے دنیا کا سب سے بہترین انسان تھا۔ وہ ماہین کا خیال ایسے رکھتا تھا جیسے کوئی شہزادی کی

حفاظت کرتا ہو۔ لیکن وقت نے جیسے ہی اپنی چال بدلی، وہ خواب بھی ٹوٹ گیا۔

ماہین اپنے خیالات میں گم تھی کہ خدیجہ نے اسے پکارا۔ "ماہین، کیا کھاؤ گی؟"

ماہین خدیجہ کی آواز سن کر چونکی اور حقیقت کی دنیا میں واپس آئی۔

"جو بھی یہاں کی خاص ڈش ہے، وہی کھاؤں گی۔"

کچھ دیر بعد سب نے کھانا کھا لیا اور واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں ایک شاپ پر ماہین نے گاڑی روکی، وہ اکیلی اندر گئی تھی۔ مہروز نے بھی بائیک روک دی، ہیلمٹ اتار کر وہیں کھڑا ہو کر آس پاس نظر دوڑانے لگا۔

کچھ دیر بعد ماہین باہر آئی اور مہروز کی بائیک کی طرف بڑھی۔حوریہ بائیک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ماہین نے ایک

خوبصورت نیلے رنگ کا بریسلٹ حوریہ کے سامنے کیا۔ حوریہ خوشی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر وہ بریسلٹ پہن چکی تھی اور اب ہاتھ اٹھا کر مہروز کو اپنا تحفہ دکھانے لگی۔

"شکریہ پھوپھو،" حوریہ خوشی سے بولی۔ جواباً ماہین بھی مسکرانے لگی۔

ماہین اب واپس گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس نے سفید موتیوں سے جڑی، خوبصورت مالا خدیجہ اور بھابھی شارفہ کو دی، جو بڑی محبت سے قبول کی گئی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی ماہین؟" بھابھی شارفہ نے روایتی انداز میں کہا۔

ماہین نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا، "میں ملایشیاء سے آپ لوگوں کے لیے کچھ لا نہیں سکی، مگر اگلی بار ضرور کچھ تحفے لے کر آؤں گی۔"

واپس گھر کی طرف جاتے ہوئے سڑک پر ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ ماہین نے گاڑی کا وائپر چلا دیا اور آہستہ آہستہ گاڑی آگے بڑھانے لگی۔ بارش کے قطروں کی ٹپ ٹپ، گاڑی کے شیشوں پر موسیقی کی مانند بج رہی تھی۔

ماہین نے ایک نظر مہروز پر ڈالی، وہ بھیگتا ہوا، بہت مزے سے اپنی بائیک کو گاڑی کی رفتار سے ملائے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔

یہ جلدی بھی تو جا سکتا ہے گھر۔""

ماہین نے محض سوچا۔

ماہین نے اس بائیک کی تیز رفتار ریس کے دوران دیکھ لی تھی۔

گاڑی میں موجود سب لوگ خاموش تھے، ہر کوئی اپنی سوچوں میں گم تھا۔

یہ بارش کو دیکھتے ہوئے دل اداس کیوں" ہو جاتا ہے؟ ایسا لگتا ہے جیسے بارش کے ساتھ پورانی یادوں نے دوستی کر رکھی "ہو ہمیشہ مل کر آتی ہیں ساتھ۔

گھر پہنچنے کے بعد، سب نے اپنے اپنے کمروں کی راہ لی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی ماہین نے ایک لمبی سانس لی، جیسے کسی بوجھ سے نجات پائی ہو۔ اس نے اپنا دوپٹہ اتارا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ خدیجہ بھی اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔

ماہین کا دل ابھی تک بوجھل تھا، ایک تو وہ یادیں، اوپر سے ارسل کا اس کے تعاقب میں ہونا۔ یہ سب اسے جھنجلا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ان یادوں کو بھلانا اتنا آسان نہیں تھا۔

لیکن کیا وہ یادیں، اسے ہمیشہ کے لیے اکیلا کر دیں گی؟ کوئی نیا سفر، کوئی نئی

راہ، اس کے دل کو پھر سے سکون دے سکے گی؟ ماہین کے دل میں سوالات کا ہجوم تھا، لیکن ان کے جواب ابھی دور تھے۔

بس وہ بھی خاموشی سے لیٹ گئی۔

اگلے روز صبح خدیجہ اپنی کتابیں لیے بیٹھی تھی، جلد اس کے پیپرز تھے۔ اور وہ خود کو کمرے بند کیے، مکمل کتابوں میں غرق کیے ہوئے تھی۔

قریباً ڈیڑھ مہینے اس کے پیپرز وقفے وقفے سے چلے، اس دوران ماہین باہر نہیں نکلی۔ وہ بھی اپنا ناول لفظ بہ لفظ لکھتی رہی۔

وہ بہت بہتر محسوس کر رہی تھی۔ یہ بات تو تہہ ہے، خود کو کچھ وقت کے لیے اس جگہ سے دور لے جاؤ، جہاں پر تکلیف ملی ہو تو انسان جلد بہتری کی

طرف آتا □□□ ی□ بھی احسان □□، آپ کا
اپنی ذات پر□

*******

# باب 5

# رازداری

(ڈیڑھ ما□ بعد)

ی□ ظ□ر کا وقت تھا□ آج خدیج□ کا آخری پیپر تھا، اور صبح ما□ین س□ اس ن□ وعد□ لیا تھا ک□ واپسی پر و□ بھی آئ□ گی□

"ی□ میرا یونیورسٹی لائف کا آخری دن □□، ما□ین□ مجھ□ لگتا □□ میں و□اں رو دوں گی□ مجھ□ آ کر سنبھال لینا□"

اس کی بات پر ما□ین □نس دی تھی، اس□ پت□ تھا ک□ و□ ڈرام□ کر ر□ی □□، و□ بس

باہر سے اس کے ساتھ کچھ کھانا پینا چاہتی ہے۔

ماہین زینے اترتی نیچے آئی، اس نے ہرے رنگ کی کھلی، گھٹنوں تک آتی شرٹ اور نیچے اسی رنگ کا کھلا ٹراوزر پہن رکھا تھا۔ انگلی میں ہرے رنگ کا تسبیح کاؤنٹر پہنے، سادگی سے حجاب لیے باہر آئی۔

یہ جولائی کے آخری دن تھے اور گرمی عروج پر تھی۔مہروز گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا، جبکہ ماہین پیچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

مہروز نے ایک نظر اسے دیکھا اور کہا، "

"تم ایلوویرا کے پودے سے متاثر ہو؟"

"نہیں، کیوں؟" ماہین نے نہ سمجھی سے" پوچھا۔ مہروز نے ہنستے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

چند سیکنڈ بعد ماہین کو اس کی بات کا
مطلب سمجھ آیا، "اوہ! میں سمجھ
گئی۔" وہ بے اختیار ہنس دی۔
اسے حقیقت میں بہت کم غصہ آتا تھا، اور
جب آتا تھا تو خاور کے سوا کوئی اس سے
بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔
"تمہارا کافی نیٹ ریسٹورنٹ کیسا جا رہا
ہے؟" ماہین نے سوال کیا۔
"الحمدللہ، بہترین۔ تمہارا ناول کیسا جا
رہا ہے؟ کیا تم نے اس میں مجھے
لکھا؟" مہروز نے سوال دھڑا۔
ماہین نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا،
""بالکل لکھ دیا ہے، بس مارنا باقی ہے۔
کوئی بات نہیں! ہیروز کو اکثر مار دیا"
"جاتا ہے۔
"ہیرو؟ تمہیں میں ویلن بنا کر تڑپا تڑپا کے"
ماروں گی، مہروز۔"ساتھ ہی دونوں
ہنس دیے۔

کچھ دیر بعد، وہ لوگ خدیجہ کی یونیورسٹی پہنچ گئے۔ خدیجہ پہلے سے باہر کھڑی تھی، اور اس کے چہرے پر دور دور تک دکھ کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

ماہین نے گاڑی سے اتر کر پوچھا، "کیسا رہا پیپر؟"

"ان شاء اللہ، پاس ہوں۔ آؤ، اب بھائی کے ریستوران میں مفت کا کھانا کھاتے ہیں، صبح سے کچھ نہیں کھایا۔"

وہ دونوں اب گاڑی میں واپس بیٹھ گئیں۔

کیفے نیٹ پہنچ کر وہ زینے چڑھتے اوپر آئے، برحان وہاں بیٹھا لیپ ٹاپ پر مگن تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر ٹھٹکا، سر ہلا کر سلام دیا، اور پھر اپنے لیپ ٹاپ کو دیکھنے لگا۔ اس نے گہرے مہرون رنگ کی شرٹ کے ساتھ کالی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ آستینیں کہنیوں تک مڑی تھی۔

خدیجہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑی۔ برحان جب بھی نظر آتا تھا، وہ کتنے ہی دن تک اس کی آنکھوں کی چمک نہیں بھولتی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ برحان جیسے شخص کے سامنے خدیجہ ایک عام سی لڑکی ہے۔ ماہین اور خدیجہ اگلے میز پر جا کر بیٹھ گئیں، جبکہ مہروز برحان کے پاس رک گیا۔ پیچھے کسی کی سالگرہ منائی جا رہی تھی۔

خدیجہ کو اب صرف برحان کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بار بار اس کی طرف نظریں کرتی۔

"تمہیں وہ پسند ہے، خدیجہ؟" ماہین نے سوال کیا۔

"خدیجہ اس سوال پر اٹک گئی، "ک-کون؟

جسے اتنی دیر سے اپنی نظروں کے حصار" میں لیے ہوئے ہو۔"خدیجہ نے نظریں جھکا لیں، کوئی جواب نہ تھا۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

"تمہیں وہ کیوں پسند ہے؟" ماہین نے پھر پوچھا۔

خدیجہ نے اسے دیکھا، "وہ، وہ اچھا ہے۔ ہینڈسم ہے، بہت قابل سٹوڈنٹ رہا ہے ہمیشہ، اور وہ اپنے سے جڑے لوگوں کی بہت پرواہ کرتا ہے۔"

خدیجہ کی آواز آخر میں لڑکھڑا گئی۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ پرواہ کرنے والا ہے؟" ماہین نے نرمی سے پوچھا۔

خدیجہ نے ماہین کو دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔ ماہین سے بات کرتے وقت اسے ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی، لیکن آج دل کی چوری سرعام پکڑی گئی۔

"شاید وہ ویسا نہ ہو جیسا تم اسے سمجھتی ہو" ماہین نے کہا، جب خدیجہ نے فوراً اسے ٹوکا۔"نہیں ماہین! وہ واقعی بہت پرواہ کرتا ہے۔ میرے کالج

کے پہلے سال میں، ایک لڑکا مجھے تنگ کرتا تھا۔
مختلف آئی-ڈیز سے مجھے میل بھیجتا تھا، اپنی پاگل محبت کا اظہار کرتا رہتا۔ میں ہمیشہ اسے نظرانداز کرتی، ایک دن اس نے مجھے میل کی اور کہا، اگر میں نے اسے جواب نہ دیا تو وہ میرے گھر کے باہر آ جائے گا۔میں نے یہ بات بھی نظرانداز کی، لیکن اگلے دن جب میں وین سے اتری، تو گھر کے باہر برحان کھڑا تھا۔
میں چابی سے دروازہ کھول رہی تھی کہ اس نے کہا، 'بات سنو خدیجہ! جب تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو کیا تم گھر پر نہیں بتا سکتی؟ ہم سب مر گئے ہیں؟ مہروز اور میں اس شخص کا جینا حرام کر دیتے جو تمہیں تنگ کرنے کی کوشش کرتا۔ کیا تمہیں یقین نہیں ہم پر؟'

میں حیرت سے انہیں دیکھے گئی، مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ جب وہ خود آگے سے بولے، ' تمہارے کلاس فیلو کا میں نے بندوبست کر دیا ہے، دوبارہ وہ تمہیں کوئی دھمکی نہیں دے گا۔ تمہیں زندگی میں جب بھی ضرورت ہو، میں موجود رہوں گا۔'

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔ مجھے میرے کلاس فیلو کا آخری پیغام اس دن موصول ہوا، 'مجھے معاف کر دو خدیجہ، میں آئیندہ تمہیں تنگ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا، نہ ہی تمہارے علاقے کے قریب آؤں گا۔' تب مجھے سمجھ آیا کہ وہ شاید گھر کے باہر آیا ہو یا کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی ہو۔ برحان نے اسے میرا نام لیتے دیکھ کر اس کی دھلائی کی ہوگی۔

بس اس دن سے میں ان کے بارے میں سوچنے لگی، ورنہ اس سے پہلے میرا دھیان کبھی ان پر نہیں گیا تھا۔ اس دن کے بعد سے وہ مجھے اچھے لگنے لگے، انہیں ناپسند کرنا میرے ہاتھ میں نہیں ہے ماہین، مجھے لگتا ہے میرا دل میرا رہا ہی نہیں، یہ مکمل ان کے قبضے میں ہے۔"

خدیجہ پھر سے آخری بات پر نظریں جھکا گئی۔ اسے لگا تھا کہ ماہین اب محرم اور نا محرم کا درس دے گی، لیکن ماہین نے اسے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔

"اچھا! یعنی اس نے تمہاری حفاظت کی تھی، اس لیے تمہیں وہ پسند ہے،" ماہین نرمی سے گویا ہوئی۔ خدیجہ نے واپس ماہین سے نظر ملائی، "ہاں! کیا میں غلط ہوں؟"

جو چیز ہمارے بس میں نہیں، وہ غلط کیسے ہو سکتی؟

ماہین اب نرمی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

خدیجہ کے دل پر سے بہت بوجھ ہلکا ہوا۔ شکر ہے ماہین نے مجھے غلط نہیں سمجھا۔

"لیکن بھائی کو یہ پتہ چلا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔" خدیجہ اداسی سے بولی۔

"ہونا بھی چاہیے، وہ بھائی ہے تمہارا خدیجہ۔ اسے بہت پیاری ہو تم ہاں، اگر اسے یہ چیز بری نہ لگتی اور وہ اسے نارمل سمجھتا، تو مجھے حیرت ہوتی۔ اور شاید میں سمجھتی، اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"تم سمجھتی ہو، میں نے غلط کیا؟"

"تم نے کچھ نہیں کیا خدیجہ۔ تمہارے دل
میں بس احساسات ہیں۔ تم نے غلط
طریقہ نہیں اپنائے۔ تم نے اسے میسج کر
کے اپنے احساسات اس پر ظاہر نہیں
کیے۔ اس میں کچھ غلط نہیں ہے۔" اس
نے توقف کیا۔ "ہاں لیکن مہروز اس
معاملے کو کسی اور طرح سے لے گا۔
شاید برحان سے دوستی ختم کر لے۔"
ماہین دو ٹوک انداز میں بولی۔
خدیجہ کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔
خدیجہ کی براؤنیز آ چکی تھی، اور ماہین
نے صرف کافی منگوائی تھی۔
وہ دونوں گاڑی میں ہی مہروز کو بتا
چکی تھی کہ ہمیں کیا کھانا پینا ہے۔
مہروز، برحان کے ساتھ بیٹھے مسلسل کام
کر رہا تھا۔ خدیجہ ساتھ اپنی براؤنیز
کھانے لگی، جبکہ ماہین سٹرا سے کافی

پی رہی تھی۔ پیچھے سالگرہ منانے والوں کا شور برقرار تھا۔

مجھے بھائی مہروز بہت عزیز ہے ماہین،"
شروع سے بھائی شاہ زیب اور رمشہ آپی کی بنتی تھی، اور میری اور مہروز بھائی کی۔

وہ مجھے کچھ نہ بھی بتائیں تو میں جان جاتی ہوں ان کے دل میں کیا چل رہا ہے۔
لیکن اپنے احساسات کو میں دل کے اندر کسی صندوقچے میں ڈال کر قید کر چکی ہوں۔

میری یونیورسٹی کی دوست کہتی ہے کہ حضرت خدیجہ نے بھی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خود نکاح کا پیغام بھیجا تھا، تم بھی انہیں اپنے احساسات بتا دو اور نکاح کا بول دو۔
لیکن مجھ میں ہمت ہی نہیں ہوئی کبھی۔"

ماہین اس کی بات سن کر گہری سانس لے کر کہنے لگی،

"تم نے اچھا کیا خدیجہ، ہم لوگ حضرت خدیجہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو بھی اپنی مرضی کا رخ دے ڈالتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کوئی عام خاتون نہیں تھیں، وہ اپنے قریش قبیلے کی بہت معزز اور معروف خاتون تھیں۔

ان کا مقام عرب معاشرت میں بہت بلند تھا۔

ان کا اپنا بہت بڑا کاروبار تھا۔ وہ اپنے آپ میں کافی تھیں۔ ہم صرف یہ کہہ ڈالتے ہیں کہ انہوں نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ عمر میں بڑی تھیں، یعنی انہیں بہت تجربہ تھا زندگی کا۔ وہ دو دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد انہیں بڑے بڑے قبیلوں

کے مالک اور بہت عمیر و کبیر لوگ رشتے بھیجتے تھے، انہوں نے تب تک کوئی رشتہ قبول نہیں کیا جب تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملیں۔ واللہ، وہ ایک عظیم خاتون تھیں۔ اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ انہوں نے خود بات نہیں کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، انہوں نے اپنی سہیلی کے ہاتھ رشتے کا پیغام بھیجا تھا۔

لیکن آج کے دور میں، کم عمر لڑکی، جسے دنیا کے تجربہ نہیں ہوتے، وہ کسی مرد کو پسند کرنے لگتی ہے، اور اس سے خود بات کر کے اگر کہے کہ مجھے آپ پسند ہیں اور مجھ سے شادی کریں، تو بلاشبہ اس شخص کی نظر میں اس لڑکی کی اہمیت صفر ہو جائے گی۔

یا تو وہ اس معصوم لڑکی کے جذبات کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کرے گا، یا وہ

اس لڑکی کی طرف دوبارہ متوجہ نہیں ہوگا۔

خدیجہ، تم میرے لیے اہم ہو۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ اس کے جذبات دل سے نکال دو۔ یہ ایک بہتکی بات ہوگی، کیونکہ تمہارا وہ آج یا کل کا کرش نہیں ہے، بلکہ تمہیں وہ ٹین ایج سے پسند ہے۔۔ لیکن میں بس یہ چاہتی ہوں کہ تم خود کو اس سے کم تر مت سمجھو۔ تم اپنے آپ میں خاص ہو۔"

خدیجہ اس کی بات پر سر ہلاتی رہی اور دل میں شکر کرتی رہی کہ اپنی دوست کی بات مان کر اس نے پہلے کوئی بیوقوفی نہیں کر دی۔

*******

قریباً چالیس منٹ بعد، وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مہروز کا دھیان مکمل طور پر لیپ ٹاپ پر تھا۔ خدیجہ نے ماہین کی

طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، "گاڑی لے کر
خود چلیں؟"
"ہاں، جا کر اپنے بھائی سے چابی لے لو،"
ماہین نے جواب دیا۔
خدیجہ قدم بڑھاتے ہوئے مہروز کی طرف
گئی، اور چالیس سیکنڈ بعد خالی ہاتھ
واپس آئی۔ پیچھے سے مہروز نے لیپ ٹاپ
بند کیا، چابی اٹھائی، اور اونچی آواز میں
کہا، "چپ چاپ دونوں گاڑی میں بیٹھو،
میں لیپ ٹاپ آفس میں رکھ کر آتا ہوں۔"
راستے میں، ماہین کو شکر قندی کا ایک
اسٹال نظر آیا۔ شکر قندی اس کی
پسندیدہ چیزوں میں سے ایک تھی۔
"وہ کھائیں؟" اس نے مختصراً کہا۔
مہروز نے بیک مرر سے اسے دیکھا، اور پھر
اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ ایک لمبی
قطار لگی تھی کرسیوں اور میزوں کی،

جو شکر قندی بیچنے والے نے ترتیب دے رکھی تھی۔
مہروز نے سائڈ پر گاڑی روکی، خدیجہ چہک کر بولی، "شکر قندی؟ آؤ، سو بسم اللہ۔"
باہر شدید دھوپ تھی، لیکن خیر یہ ماہین کی خواہش تھی۔
"تم دونوں یہی بیٹھو، میں لے کر آتا ہوں۔"
مہروز شکر قندی لینے گیا، جس کے تیار ہونے میں کچھ وقت لگنا تھا۔ کچھ لمحے بعد، ماہین اور خدیجہ بھی گاڑی سے اتر آئیں اور مہروز کے ساتھ آ کر کھڑی ہوگئیں۔
میٹھی چٹنیوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مہروز گھوم کر ان کی دوسری طرف کھڑا ہوگیا تاکہ سورج کی تپش سیدھی ان تک نہ پہنچے۔

اس نے خدیجہ اور ماہین کو اپنے سائے
میں رکھا، اسے گوارا نہیں تھا کہ اس کے
گھر کی خواتین دھوپ میں کھڑی ہوں
جبکہ وہ خود چھاؤں میں ہو۔
پھر گاڑی میں چین بھی تو نہیں تھا
انہیں۔
کچھ دیر بعد، شکر قندی والے نے بھاپ
اُٹھتی ہوئی شکر قندی کے دو
ٹکڑے، خوشبو دار چٹنی کے ساتھ، ایک
فینسی پلیٹ میں رکھ کر مہروز کی
طرف بڑھا دیے۔ مہروز نے فینسی پلیٹ
پکڑی اور ماہین اور خدیجہ کو گاڑی میں
واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
اس نے دھیمی رفتار سے گاڑی چلانا شروع
کر دی۔ ماہین اور خدیجہ گاڑی میں بیٹھ
کر باریک کانٹے سے اپنی شکر قندی کھانے
لگیں۔

*******

گھر پہنچنے پر رمشہ کی گاڑی باہر کھڑی
تھی، اسے دیکھتے ہی خدیجہ اور مہروز
نے آنکھیں میچ لیں۔
خدیجہ اور ماہین گاڑی سے اتریں، جبکہ
مہروز وہیں سے نیٹ کیفے کی طرف
روانہ ہوگیا۔ اس کا کام ابھی باقی تھا۔
خدیجہ نے بیل بجائی، اور باہر کھڑے ہو کر
ماہین کے کان میں دھیمے سے بولی، "آپی
رمشہ تین سال کی شادی میں بارہویں
بار ناراض ہو کر آئی ہیں۔"
"تمہیں کیسے پتہ وہ ناراض ہو کر آئی؟
شاید ویسے آئی ہوں۔" ماہین نے جواباً
سوال کیا۔
"ویسے آئیں ہوتی تو اسد اللہ بھائی کی
گاڑی پر آتی۔ یقیناً ناراض ہو کر آئی
ہیں۔" خدیجہ نے اصرار کیا۔
اندر سے شارفہ نے دروازہ کھولا۔ وہ بھی
کچھ اکھڑی ہوئی نظر آئیں۔ خدیجہ کو

دیکھتے ہی بولیں، "ہاں جی، پھر سے جھگڑا ہوا ہے، اور سارا قصور اسد اللہ کا بن چکا ہے۔" خدیجہ ان کی بات پر ہنس پڑی۔

اندر آنے پر سامنے ہی، رمشہ اور تائی شہناز صوفے پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ماہین اور خدیجہ نے انہیں سلام کیا۔

رمشہ نے لال رنگ کا ڈیزائنر سوٹ پہن رکھا تھا، جو اس کی شخصیت کو مزید نمایاں کر رہا تھا، مگر اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔

ماہین اور خدیجہ نے رمشہ اور تائی شہناز کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" رمشہ اور تائی شہناز نے ایک ساتھ بولیں۔

ماہین کو اس وقت وہاں رکنا مناسب
نہیں لگا، تو وہ اجازت لے کر اوپر جانے
لگی۔
خدیجہ بھی انہیں اپنے پیپر کا حال احوال
بتا کر اوپر چلی آئی۔

*******

مہروز اور برحان آمنے سامنے بیٹھے ایک
دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔
ان کی مسکراہٹ میں گہری مطمئنیت
تھی۔ ان کا کام مکمل ہو چکا تھا۔
اسی دن ریس سے پہلے ارسل نے مہروز
کو کال کی تھی۔
"سلام علیکم مہروز فدا! کیسے ہو؟"
"وعلیکم السلام، جی کون؟"
"میں وہ ہوں جس کے پیچھے ملایشیا کی
پولیس لگی ہے، لیکن ابھی تک پکڑ نہیں
سکی۔ تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم ان سے
بہتر ہو مہروز؟"

وہ ہر بات کو بہت یقین کے ساتھ بول رہا تھا۔

"اوہ، تو یہ تم ہو! بھاگوڑے؟ اتنا لمبا انٹرو دے کر وقت کیوں ضائع کیا؟ صرف اتنا کہہ دیتے کہ میں بھاگوڑا ہوں، تو بھی سمجھ جاتا میں۔" مہروز نے تسلی سے جواب دیا۔

آگے سے ایک بلند قہقہہ گونجا۔

"تم نے میری دوسری بات کا جواب نہیں دیا مہروز۔"

"مجھے نہیں پتہ ملایشیا کی پولیس نے کون سی گھاس کھا رکھی ہے، جو تم جیسے گدھے کو پکڑنے میں ناکام رہی ہے۔ لیکن یقین رکھو، اگر میں نے تمہیں دوبارہ ماہین کے آس پاس بھٹکتے دیکھا تو تمہاری دو سو چھ ہڈیوں کو میں بہت آسانی سے چار سو بارہ کر دوں گا۔ ایک ایک ہڈی ٹوٹے گی تمہاری مجھ سے۔"

"حد میں رہو مہروز، مجھے اس کی تم سے زیادہ پرواہ ہے۔"

مہروز نے کال کاٹ دی۔ وہ مزید اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مہروز کی بات سن کر ارسل کا چہرہ بجھ سا گیا۔ جو بھی تھا، کسی اور شخص کو ماہین کی پرواہ کرتے دیکھ کر اسے دل کی گہرائیوں میں ایک عجیب سی تکلیف ہوئی تھی۔ اس نے کئی بار، مہروز کو خود کو دیکھتا پایا تھا۔ ارسل جانتا تھا، مہروز اسے پہچان چکا ہے، سو اب چھپنے کا فائدہ نہیں تھا۔

اس رات مہروز نے ارسل کے نمبر کا ڈیٹا نکالا، جس کی آخری لوکیشن اسلام آباد ہائی وے پر تھی۔

اس کے بعد سے اس کی سم بند تھی، جیسے کہ صرف مہروز کے لیے اس نے خاص طور پر وہ سم آن کی ہو۔

اگلی صبح سے لے کر اب تک، مہروز اور برحان یونیورسٹی کے باہر کے کیمروں سے لے کر شہر کے ہر اس کیمرے کو ٹریس کر رہے تھے جہاں سے ارسل گزرا تھا۔ مہروز کسی سائے کی طرح اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

آخر کار، آج انہیں وہ ہوٹل مل گیا، جہاں ارسل رہ رہا تھا۔

مہروز اور برحان اب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، یہ ایک طویل کام تھا جو آخر کار انجام کو پہنچا۔

ایک بات پوچھوں؟" برحان نے اچانک" مہروز کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

پوچھو،" مہروز نے جواباً کہا۔"

سوچو، اگر تم ماہین کو اپنے جذبات بتاؤ" اور جواب میں وہ تمہیں زناٹے دار

تھپڑ رسید کرے اور کہے، 'میں تمہیں ایک
بڑے بھائی کی طرح دیکھتی تھی، مہروز'
"تو کیا ہوگا تمہارا؟
برحان یہ بات کرتے ہوئے بری طرح سے
ہنس رہا تھا، جیسے اسے اس خیال سے
ہی خاصی تفریح ہو رہی ہو۔
مہروز کا چہرہ اس کی بات پر غصے سے
سرخ ہو گیا۔
اس نے ہاتھ اونچا کر کے اپنے سٹاف میمبر
کو بلایا اور کہا، "برحان کو بھوک نہیں
ہے، یہ سارا کھانا اٹھا کر لے جاؤ۔"
سٹاف میمبر کے چہرے پر ہلکی سی
مسکراہٹ آئی، جو اس نے بروقت روکی۔
ہفتے میں تین دفعہ ان دونوں میں کسی
بات پر جھگڑا ہوتا، اور اسی طرح سے وہ
دونوں سٹاف کو بلا کر، دوسرے کے سامنے
رکھا سارا کھانا (چاہے آدھا کھایا بھی ہوتا)

اٹھوا دیتے۔ لیکن اگلے دن پھر وہیں بیٹھے اکھٹے کچھ کھا پی رہے ہوتے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

البتہ برحان کا اس ریستوران میں حصہ نہیں تھا، لیکن وہ بھی باس کی طرح ہی تھا۔

برحان اور مہروز نے کئی بار اپنی ہیکنگ کے ذریعے پولیس کی مدد کی تھی۔ بڑے بڑے ہیکرز ان کے سامنے ڈھیر ہو جاتے، مگر وہ دونوں اپنے دل کی مرضی سے یہ کام کرتے تھے۔ جب ان کا دل نہ ہوتا، تو کوئی مائی کا لال ان سے کام نہ کروا سکتا۔

مہروز نے احتیاطاً ارسل کی لوکیشن ٹریس کی تھی، لیکن اس کا فی الحال ارسل سے ملنے کا کوئی دل نہ تھا۔

رات کے کھانے پر سب افراد موجود تھے۔ تایا فدا حسین اپنی مخصوص سربراہی کرسی پر براجمان تھے۔ دائیں طرف رمشہ، مہروز اور حوریہ بیٹھے تھے، جبکہ ان کی سامنے کی کرسیوں پر تائی شہناز، خدیجہ، ماہین اور شارفہ براجمان تھیں۔

آج کا کھانا خاص طور پر رمشہ کی پسند کا تھا، جس سے ظاہر تھا کہ اس کی اہمیت کا احساس سب کو تھا۔

"رمشہ، اگر اسداللہ تمہیں واقعی تکلیف دیتا ہے، تو میں اسے بلا کر بات کرتا ہوں، اسے سمجھاتا ہوں۔" فدا حسین نے غصے سے کہا، ان کی آنکھوں میں فکر اور غصے کی ملاوٹ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ اپنی بیٹی کو نہیں جانتے کیا؟ کتنی جذباتی ہے۔ بیٹا، کچھ تو برداشت کرو، گھر ایسے نہیں

بسائے جاتے۔" شہناز نے پریشانی سے
لبریز لہجے میں کہا۔
رمشہ نے جواباً کہا، "نہیں امی، اسداللہ
نے مجھے اپنی نوکرانی سمجھ رکھا ہے۔
جب دل کرتا ہے، مجھ سے لڑنے لگ جاتا
ہے۔"
بیٹا، جھگڑا کس رشتے میں نہیں ہوتا؟"
لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اپنا
گھر بار چھوڑ دیں۔" شہناز دکھ سے
بولی۔
بس کریں امی، اب وہاں اپنے کام خود"
کرنے پڑیں گے نا تو دیکھنا کیسے عقل
"!ٹھکانے آتی اس کی۔ بھاگا بھاگا آئے گا
لڑائی کی وجہ کیا تھی؟" مہروز نے"
کھاتے ہوئے ایک خاموش سوال داغا، جو
پورے کمرے میں گونج اٹھا۔
میری دوست کی سالگرہ تھی آج۔ میں"
نے اسداللہ کو رات کہا بھی تھا کہ کام

سے جلدی آنا، پارٹی پر جانا ہے۔ لیکن وہ پھر سے دیر سے آیا، اور میرے شکوے کرنے پر مجھ سے الٹی بحث کرنے لگا۔ میں غصے میں یہاں آگئی۔ اسے تو بات کرنے "کی تمیز بھی نہیں رہی۔

فدا حسین اور شہناز نے اپنی بیٹی کی باتیں سنتے ہوئے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ ان کے دلوں میں اس کے مستقبل کے بارے میں فکر تھی، لیکن وہ دونوں خاموشی سے سب سن رہے تھے۔

جب رمشہ کی بات ختم ہوئی، تو مہروز اور خدیجہ، کے درمیان ایک معنی خیز خاموش اشارہ ہوا۔

سب سمجھ چکے تھے کہ مسئلہ دراصل رمشہ کی اپنی فطرت میں ہے۔

"یہ اتنی سی بات پر گھر چھوڑ کے آگئی؟"

افف لڑکیوں والی نازکتا۔" کھانے پر نظریں جمائے ماہین نے محض سوچا۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

کھانا ختم کرنے کے بعد، ماہین جلدی سے
اُٹھی اور خدیجہ کے ساتھ اوپر چلی گئی۔
رمشہ کی شادی کیسے ہوئی تھی؟""
ماہین نے خدیجہ سے سوال کیا۔"یہ ان
کی پسند کی تھی، یونیورسٹی فیلوز تھے
دونوں۔ قریباً دو سال تک بات کرتے رہے،
پھر اسداللہ بھائی باقاعدہ رشتہ لے کر آئے
تھے۔"
خدیجہ نے تحمل سے جواب دیا۔"اچھا!"
ماہین نے محض اتنا کہا۔
ماہین نے سمجھ لیا کہ مسئلہ کیا تھا۔ جو
لوگ شادی سے پہلے لمبے عرصے تک
موبائل فون پر بات چیت کرتے ہیں، وہ
شادی کے بعد بھی یہی توقع رکھتے ہیں
کہ ان کا دوسرا پارٹنر ان کے ناز نخرے
اسی طرح اٹھائے جیسے شادی سے پہلے
اٹھاتا تھا۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ شادی کے بعد وہ چاہت کم ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو اپنے بہترین فلٹرڈ ورژن میں دکھایا ہوتا ہے۔ کوئی بھی اپنی خامیوں کو نہیں دکھاتا۔

شادی کے بعد جب یہ حقیقت ان پر کھلتی ہے کہ جس انسان کے ساتھ وہ شادی کے بندھن میں بندھے ہیں، وہ بھی انسان ہے اور اس میں بھی خامیاں ہیں، ان میں سرخاب کے پر نہیں لگے، تو یہ حقیقت ان کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

اسلام اسی لیے شادی سے پہلے تعلقات قائم کرنے سے منع کرتا ہے، کیونکہ اسلام ہمیں آنے والی تکلیفوں سے بچنے کے پہلے ہی راستے دکھا دیتا ہے۔ **یہ ہم ہیں جو اندھے ہو جاتے ہیں۔**

رمشہ اور اسداللہ کے رشتے میں یہی مسئلہ تھا۔ رمشہ چاہتی تھی کہ اسداللہ

پہلے کی طرح اس کے ناز نخرے اٹھائے، جبکہ اسداللہ شاید اب اس ذمہ داری کو سمجھ کر اپنی ترجیحات بدل چکا تھا۔ لیکن رمشہ کمپرومائز کرنے پر تیار نہیں تھی، اور شادی کے سفر کو میٹھا بنانے کے لیے دونوں فریقوں کو بہت کمپرومائز کرنے پڑتے ہیں۔

*******

اگلی صبح دس بجے ماہین کو محراب کا ایک طویل وائس میسج موصول ہوا۔

"مجھے ابھی پتا چلا ہے کہ ارسل تین ماہ پہلے جیل سے فرار ہو گیا تھا۔ کسی نے اس کی مدد کی تھی۔ بابا اس دن سے انکل یوشاکا کے ساتھ اسے ڈھونڈ رہے تھے، اور آج خبر ملی ہے کہ وہ پاکستان میں چھپا ہوا ہے۔ اس نے عارفہ اور آنٹی صفینہ کو بھی خاموشی سے یہاں سے پاکستان بلا لیا۔

اسے فرار کروانے والا شخص چودہ اپریل
کو اس سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ اس کے
دائیں ہاتھ کی چھ انگلیاں ہیں۔
اس کے بعد ارسل سے مختلف لوگ ملنے
آتے رہے، اس لیے کسی کا دھیان اس
شخص پر نہیں گیا۔ لیکن آج جب یوشاکا
نے بابا کو اس چھ انگلیوں والے شخص کے
بارے میں بتایا، تو انہوں نے کہا 'مجھے
فوری طور پر بھائی فدا حسین سے ملنا
ہے۔ ہم پاکستان جائیں گے۔' انہوں نے
اگلے ہفتے، چار اگست کو، میری، امی اور
اپنی ٹکٹ بک کروا لی ہے۔
انہوں نے مجھے، تمہیں یہ سب بتانے سے
منع کیا ہے، وہ نہیں چاہتے کہ تم ابھی
پریشان ہو۔ اس لیے یاد رکھنا، میں نے
"تمہیں کچھ نہیں بتایا۔
ماہین یہ سب سن کر سکتے میں آ گئی،
"چھ انگلیاں؟" بہت برا خدشہ اس کے

دماغ میں گونجنے لگا۔ "بابا کو تایا فدا سے کیوں ملنا ہے؟ ان کا اس معاملے سے کیا تعلق؟" ماہین کا دماغ مختلف سوالات میں الجھ گیا۔

دو دن بعد، اسداللہ رمشہ کو لینے آیا۔ اس کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ چھوڑی گئی۔ ظہر کے وقت جب سب کھانا کھا رہے تھے، ماہین بار بار فدا حسین کے سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھتی اور پھر نظریں جھکا لیتی۔ اسداللہ اور رمشہ اس طرح بیٹھے تھے جیسے ان کے درمیان کبھی کوئی اختلاف ہوا ہی نہ ہو۔ رمشہ نے گہرا میک اپ کیا ہوا تھا اور بھورے رنگ کا کار مدار جوڑا پہنے، سر پر جوڑا کیے بیٹھی تھی۔ تائی شہناز اسداللہ کو سمجھانے کے انداز میں بولی، "بیٹا، تم ہی اس کا خیال کیا

کرو۔ رمشہ بہت جذباتی ہے، جلد ہر بات
"محسوس کر جاتی ہے۔
بس آنٹی، اسے بھی سمجھایا کریں، یہ"
چھوٹی سی بات کو بڑا مسئلہ بنا دیتی
ہے۔" اسداللہ نے کچھ دیر بات چیت کے
بعد جواب دیا۔
اس دوران اسداللہ اور فدا حسین باتوں
میں مشغول رہے۔ جب ان کی گفتگو ختم
ہوئی، تو اسداللہ نے ماہین کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا،
تو آپ اب بتائیں، پاکستان کیسا لگا؟""
اس نے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ
سادگی سے پوچھا۔
ماہین نے اس کے سوال کا جواب دیتے
ہوئے کہا، "واقعی، اسلام آباد بہت
خوبصورت ہے۔ یہاں عجب سی اپنائیت
ہے، اور لوگ بھی سادے ہیں۔ مجھے

پاکستان اور یہاں کے لوگ بہت پسند
آئے۔"
اب اسداللہ نے خدیجہ کی طرف متوجہ
ہو کر پوچھا۔
"تمہاری ڈگری مکمل ہو گئی ہے، اب
شادی کب کروگی؟" وہ مسکراتے ہوئے
بولا۔
اس کے سوال پر مہروز نے غصے سے
مٹھیاں بھینچ لیں۔
تایا فدا نے نرمی سے جواب دیا، "خدیجہ
خود بتائے گی، ابھی جاب کرنا چاہتی ہے۔
کوئی بزنس یا شادی۔ ہمیں کوئی
اعتراض نہیں۔"
خدیجہ خاموشی سے سر جھکائے لقمے توڑ
رہی تھی۔ اسی وقت رمشہ بولی،
"امی، مہروز تو شادی کر نہیں رہا، آپ
کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر اس کی
شادی کر دیں۔ یہ کھا کھا کر موٹی ہوتی

جا رہی ہے، بعد میں کون پوچھے گا اسے؟"

اسداللہ کے سامنے اس طرح کی بات سن کر، خدیجہ کو بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔

مہروز نے سخت لہجے میں کہا، "رمشہ، تم اپنا گھر سنبھالو۔ دوبارہ خدیجہ سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کرو گی۔"

بھابھی شارفہ اس تمام گفتگو میں خاموش تھیں، وہ چپ چاپ سب دیکھ رہی تھی، انہیں بھی خدیجہ کے بارے میں اس طرح سے بات پسند نہیں آئی تھی۔ لیکن وہ کچھ بول نہیں سکی۔

رمشہ نے اپنی ماں کی طرف روندھی شکل بنا کر دیکھا، جیسے وہ اس کے لیے بولیں گی۔

تائی شہناز جیسے ہی مہروز کو ڈانٹنے لگی، تایا فدا حسین نے سنجیدگی سے کہا،

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

"رمشہ، مہروز صحیح کہہ رہا ہے۔
خدیجہ اپنے گھر کا کھا رہی ہے، نصیب
میں ہوا تو اچھا رشتہ بھی مل جائے گا۔
ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ تمہاری
شادی بھی دیر سے ہوئی تھی، اور اب
دیکھو، کتنے اچھے سے تم دونوں نبھا رہے
ہو۔"

رمشہ کو اپنی شدید بےعزتی محسوس
ہو رہی تھی، جبکہ خدیجہ کی حالت اس
سے بھی بدتر تھی۔

اس کے حلق سے نوالہ بھی نہیں اتر رہا
تھا، جیسے کانٹے اٹک گئے ہوں۔

ماہین خاموشی سے اپنی پلیٹ آگے کھسکا
کر بیٹھی رہی، لیکن اس کے چہرے کی
سرخی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اندر
ہی اندر بھڑک رہی ہے۔

اسداللہ نے تنزیہ انداز میں کہا، "رمشہ،
پریشان نہ ہو، ماہین بھی تو یہاں ہے،

کوئی نہ کوئی اچھا لڑکا ڈھونڈ ہی لوگی
تم دونوں۔"
ماہین کا چہرہ مزید لال ہو گیا، جیسے
کسی نے اس پر پانی کا جگ الٹ دیا ہو۔
اس نے اپنی جگہ سے سر اٹھایا اور غصے
سے کہا، "دو میں سے ایک کام کریں،
اسداللہ: یا تو اپنی زبان کو لگام دینا
سیکھیں، یا اسے کاٹ کر پھینک دیں۔
دوبارہ میرے متعلق ایسی بات کی تو یقین
کریں، آپ کا میں لحاظ بھول جاؤں گی۔"
ماہین کے الفاظ سن کر سب حیران رہ
گئے۔ خدیجہ بھی آنکھیں پھاڑ کر دیکھ
رہی تھی، لیکن اندر ہی اندر وہ خوش
تھی کہ اسداللہ کو جواب مل گیا۔
رمشہ غصے سے بولی، "ماہین، میرے
شوہر نے ایسا کیا کہہ دیا جو تمہیں اتنا
برا لگ گیا؟ سالی بہنوئی کا مذاق چلتا
رہتا ہے۔ اور سہی تو بول رہا ہے، طلاق

کے فوراً بعد منہ اٹھا کر پاکستان آ گئی ہو، جیسے پہلے سے ہی یہاں کسی کو ڈھونڈ رکھا ہو"

رمشہ کے الفاظ ایسے تھے جیسے کوئی جلتی ہوئی لکڑی ماہین کے کانوں میں رکھ دی ہو وہ حیرت سے رمشہ کو دیکھ رہی تھی، جیسے اس کے الفاظ ہضم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"رمشہ، اس وقت تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے چلی جاؤ۔" فدا حسین گرجدار آواز میں بولے۔

اسداللہ نے پھر کہا، " آنکل، میں سیدھی اور کھڑی بات کرنے والا شخص ہوں۔ آپ لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ ماہین پاکستان کیوں آئی ہے؟ یہاں کون اس کا انتظار کر رہا تھا؟"

مہروز کا غصہ قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے غصے سے سرخ پڑتی آنکھوں ساتھ

بولا، "تم نے ماہین کی بات نہیں سنی،
اسداللہ۔ زبان کو لگام دینا سیکھو۔
سیدھی بات کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا
کہ انسان زبان کے ساتھ کتا باندھ لے۔"
ماہین نے مہروز کو ٹوکتے ہوئے کہا، "ایک
منٹ، مہروز، مجھے جواب دینے دو۔
اسداللہ، میں نے ہر لفظ کو اچھی طرح
سوچا ہے، لیکن میرے پاس وہ الفاظ نہیں
ہیں جو آپ کی باتوں کا مقابلہ کر
سکیں۔ میں آپ کے الفاظ کو آپ پر زکوٰۃ
کرتی ہوں۔" ماہین کی آواز بلند ہو گئی
تھی، اور وہ میز پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا
آگے کو جھکی۔
"میرے الفاظ کو دماغ میں قید کر لو
اسداللہ، زکوٰۃ کے بعد اجر کی امید لوگوں
سے نہیں، بلکہ اللہ سے رکھی جاتی ہے۔"
ماہین یہ کہہ کر مسکرائی اور اوپر کی
طرف چل دی۔

خدیجہ اس کے پیچھے بھاگ گئی، اور مہروز بھی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس نے ظہر کے بعد ریسٹوران واپس جانا تھا، کیونکہ وہ اپنے کاموں کو نماز کے اوقات کے مطابق ترتیب دیتا۔ وہ ظہر کے وقت گھر آتا تھا، کھانا گھر پر کھاتا، اس کے بعد واپس چلا جاتا اور پھر عشاء تک لوٹتا۔ وہ اپنے ہر کام کو نماز کے اوقات کے مطابق ترتیب دیتا تھا۔ اس کی ڈیکشنری میں ہر کام، نمازوں کے نام سے تحریر ہوتے۔ جیسے، فجر پر یہ کام ہوگا، ظہر پر فلاں کام، اور عصر پر فلاں کام۔ وہ وقت کو گھڑی سے، ایک دو بجے کر کے نہیں دیکھتا تھا۔ یہ اس کے لیے بورنگ تھا۔

اب پیچھے مکمل سناٹا چھا گیا۔

اسداللہ کے چہرے کی رگیں نظر آ رہی تھیں۔ شہناز نے اس سے معافی مانگنی چاہی، لیکن فدا حسین نے انہیں روک دیا

اور کہا، "آج جو ہوا سو ہوا، آئندہ ہمارے گھر کی کسی بیٹی کے بارے میں تمہاری زبان پر کوئی بات نہ آئے۔"
اوپر کمرے میں، ماہین دھیمی آواز میں گنگنا رہی تھی، "اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو۔ جو دنیا کا مالک ہے، بس نام اسی کا لیا کرو۔" ماہین کے چہرے پر کوئی دکھ نہیں تھا، البتہ دل کی دھڑکن تیز تھی۔
خدیجہ نے کہا، "مجھے بہت برا لگا، ان دونوں کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔"
ماہین نے ماسک اور حجاب اتارا، وہ مسکرائی اس کی دائیں گال پر ڈمپل نمایاں ہوا۔ "خدیجہ، میں آزاد ہوں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
خدیجہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں، "تمہیں ان کی باتوں سے تکلیف نہیں ہوئی؟"

ماہین نے گہری سانس لی اور کہا،
"ماہین اب خود کو کسی کے الفاظ کا
قیدی نہیں بناتی۔ میں وہ پنجرے توڑنا
جانتی ہوں جو مجھے قید کرے اور سانس
نہ لینے دے۔"
"مجھے بہت برا لگ رہا تھا۔" خدیجہ نیچے
منہ کیے آنسو بہانے لگی۔ آخر کار وہ
آنسو بہہ نکلے، جو کب سے آنکھوں میں
سمائے بیٹھے تھے۔ ماہین کو اسے یوں
دیکھ کر تکلیف ہوئی، لیکن اس نے خدیجہ
کو فوراً چپ نہیں کرایا،
"خدیجہ، مجھے ان کے لفظوں نے تکلیف
نہیں دی کیونکہ میں جانتی ہوں وہ
حقیقت نہیں تھے، میں نے ان کی باتوں کو
قبول نہیں کیا۔ مجھے تکلیف تب ہوتی،
جب مجھے ان کی باتوں پر زرا بھی شک
ہوتا کہ وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

اس کی بات سن کر خدیجہ نے اپنی تر
آنکھوں سے ماہین کو دیکھا۔ ماہین اسے
دھندلی نظر آ رہی تھی۔"مطلب؟ مجھے
برا لگا سن کر وہ سب، تمہیں لگتا ہے
"آپی رمشہ نے مجھے ٹھیک کہا ہے سب؟
"نہیں خدیجہ، رمشہ نے غلط کیا ہے۔"
کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارا
مزاق بنائے۔
تمہیں پتہ ہے خدیجہ، مزاق بنانے والوں
کے لیے سب سے بہترین بدلا کیا ہے؟ **اپنے
آپ کو بہترین شکل میں ڈھالنا۔**
انسان کی پرسنیلٹی بہت کام کی چیز
ہے، میں تمہیں ایک راز بتاتی ہوں
خدیجہ، 'ہمارا یہ جسم بولتا ہے۔' لوگ
اپنے لفظوں کا چناؤ ہماری پرسنیلٹی دیکھ
کر کرتے ہیں۔
رمشہ تمہیں سب کے سامنے وہ سب اس
لیے کہہ گئی، کیونکہ اول تو وہ جانتی

تھی تم چپ رہو گی، تم اپنے لیے بھی
نہیں بولی خدیجہ، دوسرا یہ کہ اس کے
پاس تمہاری ایک کمزوری ہے۔
یہ جسم اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے،
خود پر جبر کرو، خود کو فٹ رکھو۔
بلاشبہ تم بہت خوبصورت ہو، ہر انسان
خوبصورت ہے، لیکن اس کی خوبصورتی
تب بولتی ہے جب وہ خود کو فٹ، اور
پراثر انداز میں پیش کرتا ہے۔
جب تمہیں پتہ ہو کہ تم صحیح ہو، تو
بس بول اٹھو، یہ ایک ظالمانہ دور ہے،
یہاں نازک شہزادیاں نہیں چل سکتیں،
خود کو بچانے کے لیے ظالم بننا پڑے گا
خدیجہ۔"
اپنی بات مکمل کر کے ماہین اپنی جگہ
سے اٹھی، اور خدیجہ کے قریب جا کر
بیٹھی۔ اب وہ اپنے ہاتھوں سے خدیجہ کے
آنسو صاف کر رہی تھی۔ خدیجہ اس کے

بولے ہر لفظ کو اپنی یاداشت میں
محفوظ کر رہی تھی۔
عصر کے بعد موسم میں کچھ نرمی آئی
تھی۔ ماہین خدیجہ کے ساتھ گھر کے باہر
کھڑی تھی، جہاں خدیجہ اپنی ہلکے نیلے
رنگ کی سکوٹی پر سوار ہو کر گلی کے
آخر تک چکر لگا رہی تھی اور پھر واپس
آتی۔ وہ برحان کی بائک چلانے کی نقل کر
رہی تھی۔ ماہین یہ منظر دیکھ کر
ہنستی جا رہی تھی۔
ماہین نے سفید لمبی فراک پہنی ہوئی
تھی، جبکہ خدیجہ نے گھٹنوں سے
تھوڑی اوپر تک سفید شرٹ کے ساتھ کالا
کھلا ٹراؤزر پہنا ہوا تھا، اور سر پر محض
ایک دبٹا اوڑھے ہوئے تھی۔
ماہین کو خاور کی کال آنے لگی، وہ کال
سننے کے لیے وہاں سے تھوڑا پیچھے ہٹ

گئی، جبکہ خدیجہ نے سکوٹی کا موڑ کاٹ کر واپس مڑنے کی کوشش کی۔

عین اسی لمحے برحان اپنی سفید گاڑی میں گلی میں داخل ہوا۔ خدیجہ گاڑی کی خنک سے گھبرا کر سکوٹی کو تیزی سے سائڈ پر لے جانے لگی، لیکن جب اس نے مڑ کر دیکھا تو ڈرائیونگ سیٹ پر برحان کو پایا۔ خدیجہ کا دل چہک اٹھا۔ برحان نے گاڑی ساتھ روک کر پوچھا، "مہروز ہوگا؟"

خدیجہ نے جلدی سے جواب دیا، "بھائی تو نیٹ کیفے ہوگا اس وقت۔"

برحان نے کچھ پریشان لہجے میں کہا، "نہیں، وہاں نہیں ہے، کال بھی نہیں اٹھا رہا۔ مجھے لگا شاید گھر پر ہوگا۔ مجھے اس سے ضروری کام تھا۔"

خدیجہ نے شرارتی انداز میں کہا، "مجھے بتا دیں، میں آپ کا کام کر دوں؟"

برحان نے ایک لمحے کے لیے مسکرا کر کہا، "افف، کوئی انگریزی میں مضمون لکھوانا ہوتا تو ضرور تمہیں ہی کہتا، لیکن اس وقت اس نمونے سے کچھ اور کام ہے مجھے۔"

"افف، اپنے دوست کو شادی کا بھی مشورہ دے دیں آپ، آپ کے ساتھ ہی بوڑھا ہو رہا ہے بیچارہ۔"

"تو تم اپنی دوست سے بات کیوں نہیں کرتی اس کے لیے؟" برحان نے دور کھڑی ماہین کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ خدیجہ مہروز کی چاہت سے واقف ہے۔ وہ انسانوں کو پڑھنے میں ماہر تھا۔

خدیجہ حیرت سے بولی، "آپ کو کیسے پتہ کہ میں جانتی ہوں؟"

برحان نے مذاقاً کہا، "سمجھو میرے پاس جادوئی طاقت ہے، جو سب جان

جاتی ہے۔"

خدیجہ کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"سب کو پڑھتے ہو، مجھے کیوں نہیں؟"

اس نے دل میں سوچا۔

"کیا ہوا؟ خاموش کیوں ہو گئی؟"

"نہیں، بس کچھ سوچ رہی تھی۔ آپ کب کریں گے شادی؟ یا وہ بھی میں اپنے آس پاس کسی کو ڈھونڈوں؟" خدیجہ مسکرا کر بولی۔

برحان نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے آہستگی سے کہا،

"مجھے وہ لڑکی پسند ہے، جو میرے مقابلے میں ہو، خدیجہ۔ تیز دماغ، اپنے آپ میں کافی۔ میں کسی کی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا۔ میں ایک انویسٹیگیٹر ہوں، میرے بہت سے دشمن بن چکے ہیں۔ مجھے ایسا ہمسفر چاہیے کہ اگر میں مر جاؤں، تو وہ خود کو

سنبھال سکے۔ وہ اس زمانے میں سروائیو
کرنا جانتی ہو۔ ایک خوبصورت، مضبوط
اور سمجھدار لڑکی۔ لیکن مجھے کوئی
ایسی ملی ہی نہیں۔ تم بتاؤ، تم جانتی
ہو کیا کسی ایسی لڑکی کو؟"
زخمی دل کے ساتھ مسکرانا کیا ہوتا ہے،
خدیجہ نے آج جانا تھا۔ وہ اسی طرح
مسکراہٹ کے ساتھ بولی، "نہیں، اگر آپ
کو کوئی ایسی نہیں مل رہی تو کسی
عام لڑکی سے کام چلا لیں۔ اسے اپنے
مطابق بنا لینا۔ اگر عمر نکل گئی تو بعد
میں آپ کو کوئی نہیں اپنائے گا۔"
برحان اس کی بات سن کر ہنسنے لگا،
"میں بےبی سیٹنگ نہیں کر سکتا اپنی
بیوی کی، خدیجہ۔ انسان حالات سے
سیکھتا ہے سب، کسی اور کے سکھانے
سے نہیں۔ یہ دل کو بیوقوف بنانے والی
بات ہے۔"

اور اگر مجھے کسی لڑکی نے اپنایا تو مہروز تو ہے ناں، مجھے یقین ہے، ماہین اسے گھاس بھی نہیں ڈالنے والی۔ میں اور مہروز اکھٹے کنوارے مریں گے۔"

اس کی بات سن کر خدیجہ زخمی سا مسکرائی۔

اتنے میں ماہین بات مکمل کر کے واپس آ رہی تھی۔

اسے آتا دیکھ کر، برحان نے شرارتاً اونچی آواز میں کہا، "اچھا بچوں، میں چلتا ہوں۔ دونوں مزے کرو، اور یاد رکھنا کوئی انجان بندا آ کر ٹافی دے تو کھانا مت۔"

ماہین اس کی بات سن کر ہنسنے لگی اور جواباً اونچی آواز میں بولی،

"آپ کو بھی آگے کوئی کہے، 'آؤ، تم بھٹکے ہوئے لگتے ہو، میں تمہیں تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آؤں،' تو اس کی بات مت ماننا۔"

"مجھے ہفتے میں سات مرتبہ میرے دشمن کال کر کے یہی دھمکی دیتے ہیں، 'باز آ جاؤ برحان، ورنہ تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیں گے۔'"

وہ یہ کہتے ہوئے زخمی سی ہنسی ہنس رہا تھا۔ جب ماہین کی ہنسی تھمی تو وہ سنجیدگی سے بولی، "آئی ایم سوری۔"

برحان نے ہنستے ہوئے کہا، "کیوں؟ میری امی کو مارنے میں تمہارا ہاتھ تھا کیا؟"

اس کے ساتھ ہی اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

کچھ آگے جا کر، برحان کا چہرہ سنجیدگی میں ڈوب گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنا والٹ نکالا۔ والٹ میں موجود ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی، جو محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ تصویر اس کی ماں

کی تھی۔ برحان نے تصویر کو بے حد محبت سے دیکھا اور پھر والٹ بند کر کے واپس رکھ دیا۔

اس کے دل کو ایک انجانے سے سوگ نے جکڑ لیا تھا۔ 'ماں جب نہیں رہتی، تو ان کا ذکر اسی طرح اولاد کے دل کو چیر کے رکھ دیتا ہے۔ پھر چاہے اولاد عمر کے کسی بھی حصے میں پہنچ جائے۔ البتہ وہ ظاہر نہیں ہونے دیتے، لیکن اندر کی خاموشی چیخ بن جاتی ہے۔'

ماہین نے خدیجہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا، "خدیجہ، چار اگست کو بابا، امی اور محراب آ رہے ہیں۔ انہوں نے ابھی کال پر یہی بتایا ہے۔ میں محراب کے لیے کچھ لینا چاہتی ہوں، کیا ہم کل بازار چلیں؟"

خدیجہ نے برحان کی دور جاتی گاڑی پر سے نظر ہٹا کر ماہین کی طرف دیکھا۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

"ماہین، مجھے آج تمہارے سوالوں کا صحیح معنی میں مطلب سمجھ آرہا ہے۔"

ماہین نے حیرانی سے پوچھا، "کون سے سوال؟"

"جو تم سب سے پوچھتی ہو: لڑکیاں کمزور کیوں ہیں؟ اپنے لیے کھڑی کیوں نہیں ہوتیں؟ جب ہمیں کوئی تکلیف دے کر جاتا ہے، تو ہم خاموشی سے اگلی تکلیف ملنے کا انتظار کیوں کرنے لگ جاتی ہیں؟"

ماہین نے پریشانی سے خدیجہ کی طرف دیکھا اور پوچھا، "کیا ہوا خدیجہ؟ سب ٹھیک ہے؟ کیا برحان نے تمہیں کچھ کہا ہے؟"

خدیجہ نے تلخی سے مسکرا کر کہا، "اس نے بہت کچھ کہا ہے، لیکن مجھے کچھ نہیں کہا۔"

ماہین ابھی بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "ایک بات بتاؤ ماہین، کیا باہر بھی لڑکیاں ہم جیسی ہیں؟ کمزور اور اپنی ذات کو روندھنے والی؟"

ماہین نے سر ہلایا، "مجھے دیکھ لو، میں باہر رہی ہوں، لیکن میں بھی کسی کی توجہ اور محبت کی بھوکی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ مجھے سب پیار کرتے ہیں، ماہین سب کی پسندیدہ ہے، لیکن وہ شخص، جو میرا شوہر تھا، بس اس کی پسندیدہ نہیں تھی میں۔ اور اس کی توجہ اور محبت کی خاطر میں نے اپنی ذات کتنی ہی بار روندھی ہے۔"

خدیجہ نے گہری نظر سے ماہین کو دیکھا اور پوچھا، "تم کیا اسے یاد کرتی ہو؟"

ماہین نے نفی میں سر ہلایا، "نہیں، بالکل نہیں، میں سوچتی ہوں

کاش خود کو پہلے آزاد کر لیتی اس قید
سے۔۔
تمہیں پتہ ہے خدیجہ، جس دن میں نے
اس کے سامنے پولیس اسٹیشن میں بیٹھ
کر، اس سے خود طلاق کی بات کی تھی،
تب مجھے اپنی طاقت کا احساس ہوا تھا۔
میں نے اس دن وہ پنجرہ توڑا تھا، جس نے
مجھے قید کر رکھا تھا۔ جو مجھے محبت
کے بجائے تکلیف دیتا تھا، جبکہ وہ تو میرا
مالک بھی نہیں تھا۔ اسے تو میرا پنجرے کا
ساتھی بننا تھا، لیکن وہ خود کو میرا مالک
سمجھنے لگا۔ مجھے اب احساس ہوتا ہے،
کہ مجھے اس سے محبت نہیں تھی، مجھے
بس یہ مسئلہ تھا، کہ آخر مجھے پسند
"کیوں نہیں کرتا وہ؟
ماہین اپنی بیوقوفی پر ہنسنے لگی۔
"تمہیں پتہ ہے تمہارے ساتھ ایسا کیوں
"ہوا ماہین؟

ماہین خدیجہ کے چہرے پر غم کے تاثرات
دیکھ رہی تھی، "کیوں؟"
کیونکہ تم تب خدیجہ تھی، ماہین۔ تم
بھلے اپنے لیے بول سکتی ہو، لیکن تم بھی
میری طرح اپنے آپ میں ناکافی تھی۔
حقیقت پتہ ہے کیا ہے، ماہین؟ جن کی
ذات میں پاکستان کی مٹی بسی ہو، وہ
دنیا میں جس بھی جگہ چلی جائیں، انہیں
ایک مضبوط ذات خود بنانی پڑتی ہے۔
اتنی ہمت بنانی پڑتی ہے کہ اپنی ذات کو
دوسروں سے کمتر بنانے کی وجہ سے جو
ان پر زیادتیاں ہوں، اس سارے قصور کا
ذمہ اپنے سر لے سکیں۔ جس دن لڑکی یہ
جان جاتی ہے کہ مجھ پر ہونے والی
زیادتیاں اور میری ذات کو ملنے والی ہر
تکلیف اس لیے ملی کیونکہ میں نے اپنی
ذات کو پس پشت ڈال کر لوگوں کو خود
پر ترجیح دی، جس دن کوئی لڑکی یہ مان

کر خود سے عہد کرتی ہے اور خود سے
معافی مانگتی ہے۔ اس کے بعد لوگوں کی
تنقیدوں اور لوگوں کی سوچوں سے وہ
آزاد ہو جاتی ہے۔ اس کا آزادی کا دن اس
دن دھوم دھام سے منایا جانا چاہیے،
کیونکہ اب وہ کچھ بھی کر سکتی ہے،
مگر خود کی ذات کو کسی کے قدموں
میں روندھنے کا گناہ نہیں کر سکتی۔
ماہین اُس کی باتیں سن رہی تھی۔ یہ
وہ خدیجہ تھی ہی نہیں۔
"تمہیں کس چیز نے یہ یقین دلایا،
خدیجہ؟" ماہین نے پوچھا۔
یہ ان ساری باتوں کا نچوڑ تھا، جو ماہین
پاکستان آنے کے بعد سے سب سے کرتی
رہی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا
کہ یہ جواب خدیجہ کی طرف سے ملے
گا۔ وہ بھی اس طرح۔

"بس ایک لمحہ آتا ہے، ماہینے چند منٹ یا چند سیکنڈز کا، وہ ایک لمحہ پورا کا پورا انسان بدل دیتا ہے۔"

ماہین کے سامنے وہ لمحہ گردش کرنے لگا جب وہ ملایشیا کی دکان میں کھڑی سفید دستانے ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھی، جب پیچھے سے وہ بچہ قرآن کی آیت دہرا رہا تھا۔ اُس ایک لمحے نے ماہین کو بدل دیا تھا، اور آج

ایک لمحے نے خدیجہ کو بدل دیا۔

ماہین نے آج خدیجہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا، جیسے اپنے ہونے کا احساس دلا رہی ہو۔

خدیجہ کا چہرہ سپاٹ تھا، وہ دکھی تھی، لیکن اسے خود کو بدلنا تھا۔ اسے اپنی ذات کی قدر کرنی چاہیے تھی۔

وہ عام لڑکی تھی، لیکن وہ عام لڑکیوں
کی طرح مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اپنے
لیے کچھ کرنا تھا۔
"کیا برحان نے کچھ کہا ہے، خدیجہ؟"
ماہین نے سوال کیا۔
"وہ دل میں ہے، ماہین۔ وہ ہمیشہ میرے
دل میں رہے گا، لیکن میں اسے سر سے
اتار دوں گی اب۔ وہ اپنے لیے ایک
مضبوط، خوبصورت لڑکی چاہتا ہے، جو
اس کے برابر کی ہو۔ میں وہ نہیں ہوں،
میں وہ بن بھی نہیں سکتی۔ لیکن اگر وہ
مجھ سے محبت نہیں کرتا، تو میں تو ہوں
نا، خود
سے محبت کرنے کے لیے۔"
ماہین سمجھ کر سر ہلانے لگی۔"تو کل
ہم ڈاکٹر ہارون کے پاس جائیں گے پہلے۔"
"خدیجہ اسے دیکھنے لگی، "کیوں؟
"ان سے دوا لینے، دل کے مرض کی۔"

وہ دونوں ہنس دیں۔

"وہ تو ہمارے فیملی ڈاکٹر بن جائیں گے۔"

خدیجہ جواباً بولی۔

"وہ کیسے؟"

"بھائی بھی آج وہی گئے ہیں، برحان نے بتایا وہ کال نہیں اٹھا رہے، نہ نیٹ کیفے موجود ہیں، اس کا مطلب وہ غصے میں گھر سے نکل کر سیدھا ان کے پاس گئے ہیں۔"

"جزباتی انسان ہے" ماہین بولی۔

خدیجہ جواباً ہنس دی، اور وہ دونوں چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوئیں۔

*******

اگلے روز صبح آٹھ بجے، ماہین اور خدیجہ تیار ہو کر نیچے آئیں۔

ماہین نے نیلا اور خاکی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، اور نیچے ہیل پہنی ہوئی تھی۔

جبکہ خدیجہ نے آج اپنا نیا ہلکے گلابی رنگ کا جوڑا نکال کر پہنا تھا اور نیچے سرخ رنگ کی سینڈل پہنی ہوئی تھی۔ سر پر حجاب باندھے ہوئے اس کا چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔

آج خدیجہ نے ناشتے میں صرف چائے پی تھی، اور ناشتے کے دوران میز پر اعلانیہ بولی، "خدیجہ نے ڈائٹنگ شروع کر دی ہے، خبردار جو میرے سامنے کسی نے غیر صحت مندانہ چیزیں پیش کیں۔"

اس کی بات سن کر، شہناز اور مہروز دونوں ہنس اٹھے۔ فدا حسین گھر پر موجود نہیں تھے۔

شارفہ نے بھی ہنسی ضبط کرتے پوچھا، ""کتنے دن تک چلے گی تمہاری یہ ڈائٹنگ؟

خدیجہ نے پرعزم انداز میں جواب دیا، "بس اب یہ ساری زندگی کا سفر ہے، بھابھی۔"

اب کے مہروز نے سوال دھڑا، "کیا تم کل کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہو؟"

"نہیں بھائی! خدیجہ پرواہ نہیں کرتی کہ لوگ کیا کہتے ہیں، یہ میں خود کے لیے کر رہی ہوں۔ مجھے خود میں اعتماد چاہیے۔"

شہناز بھی مسکراتے ہوئے بولی، "دیر سے آیا، لیکن صحیح خیال آیا ہے۔"

مہروز نے خدیجہ کو چھیڑتے ہوئے کہا، "یہ تم بار بار اپنا نام لے کر شوخیاں کیوں مار رہی ہو؟"

"بھائی آپ کو کیا پتہ؟ حضرت خدیجہ کے نام پر میرا نام رکھا گیا ہے، وہ ایک باوقار شخصیت تھیں، اپنے آپ میں کافی۔ مجھے بھی ویسا بننے کی کوشش کرنی ہے، میرا نام عام نہیں ہے، بہت خاص ہے۔ آپ سب بتاؤ؟ آپ سب کے نام کیا اتنی خاص شخصیت کے نام پر ہیں؟"

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

وہ گردن اونچی کیے فخریہ انداز میں بولی، جیسے اپنی اہمیت کا احساس دلا رہی ہو۔ خدیجہ اس طرز کو ماہین سے سیکھ رہی تھی، کیونکہ ماہین بھی بار بار اپنا نام لے کر بات مکمل کرتی تھی،

ماہین کو اپنے نام سے محبت تھی۔

**حقیقت یہی ہے کہ جب تک آپ خود لوگوں کو اپنی اہمیت کا احساس نہیں دلاتے، کوئی قدر نہیں کرتا۔**

ماہین، خدیجہ کو اس طرح بولتے دیکھ کر بہت پرسکون تھی۔

"مہروز، تم فری ہو؟ باہر تک جانا ہے، کچھ کام ہے۔" ماہین نے پوچھا۔

"ہاں، آ جاؤ باہر دونوں۔" وہ ناشتہ مکمل کرکے اٹھ کر باہر جانے لگا۔

پیچھے سے خدیجہ اور ماہین بھی اٹھ کر باہر کی طرف چل پڑیں۔

مہروز نے گہرے نیلے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، جس کی آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہاتھ میں اپنی سیاہ گھڑی پہنی ہوئی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" مہروز نے سوال کیا۔

"ڈاکٹر ہارون کے پاس۔" ماہین نے جواب دیا۔

مہروز نے سر ہلایا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مہروز، مجھے اور خدیجہ کو ان سے بات کرنی ہے، تم ہمیں اکیلا چھوڑ دینا۔" ماہین نے دو ٹوک کہا۔

مہروز نے تیوری چڑھا کر اسے ایک نظر دیکھا، پھر نظریں نیچی کر لیں۔

"ایسی کیا باتیں کرنی ہیں تم دونوں نے؟"

"دیکھو، وہ ایک شریف انسان ہیں۔"

ایک لمحے کے توقف کے بعد، خدیجہ اور ماہین دونوں ہنس دیں۔

"چاچو آ رہے ہیں؟" مہروز نے سوال کیا۔
رات کو ماہین نے تائی شہناز کو بتا دیا تھا کہ بابا آ رہے ہیں۔
"ہاں، مجھ سے دور نہیں رہ پائے وہ زیادہ دیر۔" ماہین چہکتے ہوئے بولی۔
"پہلے چلے جائیں گے، یا تمہارے ساتھ نومبر میں؟"
اب سوال خدیجہ کی جانب سے تھا۔
"مجھے نہیں پتہ کتنی مدت کے لیے آ رہے ہیں، لیکن میں ان کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ میرا نومبر میں جانے کا ارادہ تھا، لیکن خیر ۔۔۔ یہاں مجھے اپنے سوالات کے جواب مل گئے ہیں، اور میں اپنا ناول بھی شروع کر چکی ہوں۔ شاید سفر جلد ختم ہو جائے گا۔"
ماہین اپنی روانی میں بول رہی تھی جبکہ اس کی بات سے خدیجہ اور مہروز دونوں کے دلوں پر ایک بوجھ سا محسوس

ہوا۔ مہروز کے دل میں ایک ٹھیس سی اٹھا، "کیا ماہین اتنی جلدی چلی جائے گی؟"

خدیجہ ماہین کو دیکھنے لگی اور دل ہی دل میں سوچنے لگی، "کیا میرے سفر میں ماہین ساتھ نہیں ہوگی؟ کیا میں اکیلی رہ جاؤں گی؟ یا اللہ، پلیز نہیں! ماہین کو روک لے کسی طرح سے۔ کچھ بھی ہو، ماہین جلدی واپس نہ جائے اللہ تعالیٰ۔" وہ شدت سے دعا کرنے لگی۔

*******

ڈاکٹر ہارون آج مسجد میں ہی موجود تھے۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز لگ رہی تھی۔

خدیجہ، ماہین، اور مہروز اپنے جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی ڈاکٹر ہارون نے انہیں دیکھا، ان کے چہرے

پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی اور
وہ کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگے۔
یہ قریباً ساڑھے نو بجے کا وقت تھا اور
مسجد میں ڈاکٹر ہارون کے سوا کوئی
موجود نہیں تھا۔ ان کے سامنے لکڑی کی
بنی ہوئی ریل پر ایک بند قرآن پاک رکھا
ہوا تھا، جسے وہ ابھی تلاوت کر کے ہٹے
تھے۔
"اسلام علیکم، ڈاکٹر ہارون! آپ کی
طبیعت اب کیسی ہے؟" مہروز نے آگے
بڑھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے
پوچھا۔
الحمد للہ، بیٹا۔ تم سب کیسے ہو؟""
ڈاکٹر ہارون نرمی سے بولے۔
تینوں نے مسکراتے ہوئے یک آواز میں کہا،
""الحمد للہ۔
مہروز نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا،
"ڈاکٹر صاحب، آج ان دونوں نے آپ سے

ملنا تھا، اور یہ دونوں آپ سے اکیلے میں
بات کرنا چاہتی ہیں۔" وہ آخری بات پر
زور دے کر بولا۔
یہ کہہ کر وہ لمبے قدم اٹھاتا وہاں سے
باہر چلا گیا۔ مسجد کے پچھلے حصے میں
ایک پرانا لکڑی کا بینچ تھا جس کے کنارے
سلامت تھے، مگر درمیان میں ایک خلا تھا۔
مہروز جا کر اس کے ایک کنارے پر بیٹھ گیا
اور اپنا موبائل نکال کر برحان کو کال
ملانے لگا۔ اس نے کل سے برحان سے بات
نہیں کی تھی۔ رات کو جب وہ عشاء کے
وقت گھر آیا، تو سیدھا اپنے کمرے میں چلا
گیا۔ اب وقت تھا برحان کی جلی کٹی
باتیں سننے کا۔
برحان نے کال اٹھاتے ہی گرجدار آواز میں
کہا، "کل کہاں غائب تھے تم، کمبخت؟
خدا کا نام لو یار، تم تو بیویوں کی طرح
سوالات کرتے ہو۔" مہروز نے مذاق میں

کہا اور پھر آرام سے برحان کی شکایتیں سننے لگا۔
اندر، خدیجہ اور ماہین ڈاکٹر ہارون کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔
"کیا پاکستان کے لوگوں نے تمہاری مہمان نوازی اچھی طرح سے کی، بیٹے؟" ڈاکٹر ہارون نے نرمی سے ماہین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ماہین کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے اسداللہ اور رمشہ کا رویہ آیا، لیکن اس نے فوراً خدیجہ کو دیکھا، جو ہر جگہ اس کے ساتھ تھی۔ پھر اس کے ذہن میں مہروز کا خیال آیا، جو اپنا کام چھوڑ کر ان کا ڈرائیور بنا ہوا تھا۔ پھر امبر، الہام، اور حوریہ کا بھی خیال آیا۔
"بالکل، ڈاکٹر ہارون۔ میں نے یہ سمجھا ہے کہ اگر زندگی میں کوئی کڑوا شخص آ

جائے، تو زندگی کو تلخ سمجھنے کے بجائے ان لوگوں پر توجہ دینی چاہیے جو ہماری زندگی کو آسان بنانے میں لگے رہتے ہیں، جو ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ پھر زندگی اپنے آپ خوبصورت لگنے لگتی ہے۔" ماہین نے مسکراتے ہوئے کہا اور آخر میں خدیجہ کی طرف دیکھنے لگی، جو لمحہ بہ لمحہ اس کے ساتھ کھڑی رہی تھی۔

ڈاکٹر ہارون نے اس کے جواب پر مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"ڈاکٹر ہارون، مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

خدیجہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔ وہ باہر دیکھ رہی تھی کہ کہیں اس کا بھائی وہاں موجود نہ ہو۔

"آپ بات کرو بیٹا، مہروز پچھلی طرف بینچ پر جا کر بیٹھ گیا ہوگا۔" ڈاکٹر ہارون نے تسلی دی۔

میرا ایک سوال ہے، کیا کسی دوسرے"
انسان کو خود سے بہتر سمجھنا ٹھیک
ہے؟" خدیجہ نے اپنی بات کا آغاز کیا، مگر
اس کے ذہن میں بہت کچھ تھا، سمجھ
نہیں آ رہی تھی کہاں سے شروع کرے۔
ڈاکٹر ہارون چند لمحے خاموش رہے، اور
پھر بولے، "کسی کو خود سے بہتر سمجھنا
غلط نہیں ہے، بچے۔ لیکن خود کو کسی
"سے کم ترسمجھنا غلط ہے۔
کیا کسی کی توجہ چاہنا غلط ہے؟""
خدیجہ کی آواز میں ہلکی سی لرزش
تھی۔
اپنے خالق کی توجہ چاہنا غلط نہیں ہے،"
لیکن خالق کی جگہ اس کی
مخلوق کی توجہ کے پیچھے بھاگنا غلط
ہے۔" ڈاکٹر ہارون نے گہری سوچ کے بعد
کہا۔

خدیجہ کے لہجے میں کپکپاہٹ واضح تھی،
اس کا دل چھلنی تھا۔ "کیا خالق اپنے بندے
کی اس غلطی پر اسے معاف کر دے گا؟"
"اگر بندہ نیک نیتی سے توبہ کرے گا، تو وہ
خالق کیوں منہ موڑے گا، بچے؟" ڈاکٹر
ہارون نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"میں انسان ہوں، ڈاکٹر ہارون میرے دل
میں تکلیف کا احساس ہے، مجھ پر ایک
بوجھ طاری ہے، مجھے اس سے آزادی
چاہیے۔ میں کیا کروں؟" خدیجہ کی
آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔
ڈاکٹر ہارون نے کچھ لمحے کا توقف کیا،
وہ سمجھدار انسان تھے۔ بات کی تہہ تک
پہنچ چکے تھے۔ وہ نرمی سے کہنا شروع
ہوئے۔
"میں ایک راز دیتا ہوں آپ دونوں کو۔ ہم
انسان اپنی زندگی کے چالیس سال لوگوں
کی توجہ کے حصول میں ضائع کر دیتے

ہیں۔ کچھ اپنے بہن بھائیوں کی توجہ
چاہتے ہیں، کچھ دوستوں کی، اور کچھ
اس مخصوص انسان کی جس نے ہمارے
دل میں خاص مقام بنا رکھا ہے۔ لیکن
جب ہم چالیس کے پار جاتے ہیں، تو ہمیں
یہ احساس ہوتا ہے کہ ہماری ساری
کوشش بےکار گئی۔ کاش ہم یہ چالیس
سال خود کو توجہ دینے میں لگا دیتے۔
اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، 'میرے سامنے سجدہ
ریز ہو جا میرے بندے۔ کسی اور کے سامنے
جھکنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔' لیکن
ہم اس رب کے سامنے صرف ماتھا ٹیکتے
ہیں، جبکہ جھکتے ہم ان مخصوص لوگوں
کے سامنے ہیں، جنہیں ہم اپنی ذات سے
اوپر ترجیح دیتے ہیں۔
چاہے وہ کوئی خونی رشتہ ہو، آپ کا
"شوہر ہو، یا کوئی دل میں قید انسان۔

"لیکن اس دل کو کیسے سمجھائیں؟ یہ بار
بار ان لوگوں پر آ کر اٹک جاتا ہے، جن کے
لیے ہم صفر ہوتے ہیں۔" خدیجہ نے
بےبسی سے کہا۔
ڈاکٹر ہارون نے نرمی سے جواب دیا،
"ہمیں اپنے دل کی قیمت کا اندازہ ہی
نہیں ہے، اسی لیے ہم اسے بہت سستے
میں ان لوگوں کو دے دیتے ہیں جنہیں اس
کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔"
ماہین نے بے اختیار کہا، "بالکل ڈاکٹر! جب
آنکھوں سے پردہ ہٹتا ہے، اور ہم اپنی
ذات کو دیکھنے لگتے ہیں، تو وہ لوگ بہت
معمولی نظر آتے ہیں جنہیں ہم نے سر پر
چڑھا رکھا ہوتا ہے۔"
خدیجہ بمشکل اپنے آنسو ضبط کیے بیٹھی
تھی۔ "کیا ہم دل سے کسی انسان کی
محبت نکال سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر ہارون نے چند لمحے پھر توقف کے بعد کہا، "یہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، بچے۔ جتنا تم کسی کو دل سے زبردستی نکالنے کی کوشش کرو گی، وہ اتنا ہی تمہارے سامنے آئے گا۔ تمہیں کسی کو دل سے نکالنے کے بجائے، کسی اور کو دل میں بسانا ہے۔ وہ انسان خود بخود دل سے نکلتا جائے گا۔"

"کسی اور کو؟ کیا یہ اتنا آسان ہے؟"

خدیجہ کی آواز میں بےیقینی تھی۔

"یہ مرہم ہے، خدیجہ بچے۔ اور اگر زخموں پر وقت پہ مرہم رکھ دیا جائے تو وہ مرہم زخم بڑھنے سے بچاتا ہے، اور اسے وقت رہتے ٹھیک کر دیتا ہے۔"

ڈاکٹر ہارون نے وضاحت کرتے ہوئے کہا، "تمہارا دل زخمی ہے اندر سے، اور دنیا میں کوئی طبیب اس کی خرابی دور نہیں

کر سکتا۔ ان کے پاس اس کا کوئی مرہم نہیں ہے۔
تمہاری عمر کی بہت سی بچیاں، اپنے زخمی دل کو مرہم لگانے کے چکر میں، لوگوں کے سامنے کھول دیتی ہیں۔ لیکن ہر نیا انسان، ان کے دل کے ساتھ اپنی مرضی کا نیا تجربہ کرتا ہے، اور یوں دل مردہ ہونے لگتا ہے۔ بیمار دل کو غلط دوائیاں دیتے ہیں لوگ، اور کوئی اسے "صحیح جگہ نہیں لے کر جاتا۔

خدیجہ نے بےچینی سے پوچھا، "تو پھر کہاں جائیں ہم؟

اس کا مرہم کیا ہے ڈاکٹر؟" ماہین بھی بےصبری سے پوچھنے لگی۔

ڈاکٹر ہارون نے پھر وقفہ لیا اور کہا، "زخمی دلوں کو اس کے پاس لے جاؤ، جس نے اسے بنایا ہے—اپنے رب کے پاس۔ وہ جانتا ہے کہ یہ کہاں سے ٹوٹا ہے، اسے

کہاں تکلیف ہے، اور اسے کیسے ٹھیک کرنا
**ہے۔ تمہارے دلوں کا مرہم، اللہ کی**
**محبت ہے۔** اپنے زخمی دل کو لوگوں کے
سامنے مت کھولو، کیونکہ لوگ تمہارے دل
کا خیال نہیں رکھتے، اس کا خیال صرف
اللہ رکھ سکتا ہے۔
اپنے دلوں میں پچھلی محبتوں کو نکالنے کے
بجائے، اپنے رب کی محبت
ڈالنا شروع کرو، وہ ہر چیز پر بھاری ہو
جائے گی۔"
آنسو ٹوٹ کر خدیجہ کی گال پر گرا، لیکن
ماہین مکمل اپنے آپ میں کھوئی تھی،
جیسے ان کے لفظوں کو دل میں اتار رہی
ہو۔
"میں خود کو کمزور سمجھتی ہوں ڈاکٹر،
میں ماہین کی طرح خود کے لیے آواز نہیں
اٹھاتی۔ میں کمرے میں آ کر رونے لگ
جاتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ میرے لیے

دوسرے لوگ آواز اٹھائیں۔" خدیجہ نظریں جھکائے ہوئے بول رہی تھی۔

ڈاکٹر ہارون نے مسکرا کر ماہین کی طرف دیکھا، جس کی نظریں اپنی انگلی میں موجود ہری تسبیح پر جمی ہوئی تھیں۔

اس کا جواب تو ماہین دے گی۔" ڈاکٹر" ہارون اسی طرح اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

ماہین نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر خدیجہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اسے کہنے لگی:"زندگی کا یہ راز مجھے بابا نے سکھایا تھا، خدیجہ۔ 'ہم اس انسان کے لیے آواز اٹھاتے ہیں جو ہمیں عزیز ہوتا ہے۔۔ خود کے لیے ہم اس لیے آواز بلند نہیں کرتے کیونکہ ہم اپنے لیے اہم نہیں ہوتے۔ جس دن تم اپنے لیے خاص ہو جاؤ گی، اس دن تمہارے لیے بولتی ہر آواز تمہیں دھیمی

لگے گی۔ جب تم اپنے لیے معتبر اور اہم
بنو گی، تب تم خود کے لیے بول اٹھو گی۔
تب سب سے مضبوط ذات تمہاری اپنی
ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے لیے سب
سے اہم ہم خود ہونے چاہیے۔ لیکن یہ
'تب ہوگا، جب ہمیں خود پر اعتماد ہوگا۔
ماہین نے مسکرا کر خدیجہ کی طرف
دیکھا۔ ان دونوں کے دل کا بوجھ جیسے
ہلکا ہو گیا تھا۔ رونے کے باعث خدیجہ کو
زکام لگ گیا تھا، لیکن اب وہ مسکرا رہی
تھی، اس کی سنہری آنکھوں میں چمک
تھی۔

وہ دونوں ڈاکٹر ہارون کو سلام کر کے
باہر نکلیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ
کر ہنس دیں، اور پھر ایک لمبی گہری
سانس خارج کی۔ ماہین آج بھی اپنے
ہاتھوں پر مکھیوں کو بیٹھنے نہیں دے رہی
تھی اور بار بار ہاتھ جھلا رہی تھی۔

"مہروز؟" ماہین نے اس کا نام پکار کر ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ڈاکٹر ہارون نے کہا تھا کہ وہ پیچھے جا کر بیٹھا ہوگا۔ وہ دونوں ساتھ ہی مسجد کی پچھلی سائڈ پر چل دیں۔

بینچ پر مہروز اسی جگہ بیٹھا تھا، موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا جب انہیں آتا دیکھا۔ مہروز نے خدیجہ کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی پلکیں تر تھیں، یہ دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی۔"ادھر آؤ،" مہروز نے اپنا موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے کہا اور خدیجہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بینچ پر بٹھایا۔ اب وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر خدیجہ کا ہاتھ اپنے ہاتھو میں پکڑے ہوئے تھا۔ ماہین سائڈ پر خاموشی سے کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔"تم رمشہ کی باتوں کی وجہ سے ابھی تک پریشان ہو؟ تمہیں پتہ ہے نا اس کا مزاج، ہر بات دل پر

کیوں لیتی ہو؟" مہروز کی گرفت خدیجہ کے ہاتھوں پر مضبوط ہو گئی۔ خدیجہ کی آنکھیں اب خشک تھیں، لیکن پلکیں تر تھیں۔ وہ اپنے بھائی کو اس طرح اپنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے دیکھتی رہی۔ مہروز نے اس کے ہاتھوں سے ہاتھ نکال کر اب اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ پکڑتے ہوئے کہا، "میری جان بستی ہے تم میں۔ تمہیں اس طرح دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے، خدیجہ۔ تم جتنا مرضی کھانا پینا چاہو، کھا پی سکتی ہو۔ میں دیکھتا ہوں کس کا باپ تمہیں روکتا ہے۔"

خدیجہ یہ سن کر بے اختیار ہنسنے لگی، وہ ہنستی جا رہی تھی۔

ماہین پاس کھڑی مہروز کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مہروز کے لیے اس کی چھوٹی بہن بہت خاص ہے، لیکن

مہروز کا یہ انداز اس کے لیے نیا تھا۔
ارسل کے بعد سے اسے خاور اور فدا
حسین کے سوا ہر مرد سے چڑ ہونے لگی
تھی، لیکن آج مہروز کے لیے اس کے دل
میں ایک نرم گوشہ بنا تھا۔
مہروز جس طرح خدیجہ سے محبت کا
اظہار کر رہا تھا، وہی محبت ظاہر کرنے
کا انداز خاور کا تھا۔ اسے پہلی بار مہروز
میں خاور کی جھلک دکھائی دی۔
"بھائی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور آپ کی
انہی بے جا آزادیوں کی وجہ سے میں
موٹی ہو رہی ہوں۔" خدیجہ نے ہنستے
ہوئے کہا۔
مہروز اسے دیکھتا رہا، اس کے دل کا
بوجھ جیسے ہلکا ہو گیا تھا۔"خدیجہ، تم
ٹھیک ہو نا؟ کہو تو راستے میں ایک پاگل
خانہ ہے، وہاں تمہیں دکھا لاتا ہوں۔
"کیوں، ماہین؟

وہ دونوں ماہین کی طرف دیکھنے لگے،
جو انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی۔
"بلکل، میں ذاتی طور پر تم دونوں بہن
بھائی کے علاج کا سارا خرچہ اٹھاؤں گی۔"
وہ تینوں کچھ پل اسی طرح ہنستے رہے۔
وہ تینوں مسجد کی اگلی طرف جانے لگے،
جہاں مہروز کی گاڑی کھڑی تھی۔

*******

# باب 6
# ہجر

اگلے روز، صبح سات بجے ماہین خاور کی
"کال پر بیدار ہوئی۔ "اسلام علیکم بابا۔
"وعلیکم السلام، تم ابھی تک سو رہی
ہو؟ پاکستان جا کر زیادہ بگڑ نہیں گئی
"تم؟

"کوئی بات نہیں بابا، بچیاں بگڑتی رہتی
"ہیں۔ باپ نہیں بگڑنے چاہیے بس۔
ماہین نے آنکھیں بند کیے انہیں کے انداز
میں لاڈ سے جواب دیا۔

(خاور نے ماہین کو صرف اتنا بتایا تھا کہ
وہ اسے ملنے آ رہے ہیں۔ مگر اس
ملاقات کی اصل وجہ، جو پہلے ہی ان
کی چھوٹی صاحبزادی ماہین کو بتا چکی
تھی، وہ ابھی ماہین پر عیاں نہیں کی
تھی۔)

خاور اس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔

"اب تمہارا باپ بوڑھا ہو رہا ہے، اب بگڑ کر کہاں جائے گا؟"

"بوڑھے ہوں گے آپ کے دشمن، ابھی تو آپ جوان ہیں!" ماہین نے قدرے ناراضگی سے کہا، جیسے اسے یہ بات اچھی نہیں لگی ہو۔

"چلو ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔ میں آفس جا رہا ہوں، واپسی سے پہلے کچھ کام نمٹا لوں۔ پھر سکون سے سفر کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میرے بھائی، اللہ حافظ۔"" ماہین نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

خاور نے مسکراتے ہوئے کال کاٹ دی۔ وہ اپنی بیٹیوں کا باپ ہی نہیں، بلکہ ان کا بھائی اور بہترین دوست بھی تھا۔

ماہین اب اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ اس نے ایک نظر خدیجہ پر ڈالی، جو گہری نیند میں تھی، پھر فریش ہونے چلی گئی۔

اگلے دو دن اس کے گھر پر گزرے تھے، اس نے اپنے ناول کا ایک اور باب مکمل کیا اور اس کی ٹرانسلیشن اور ایڈیٹنگ کے لیے اپنی ٹیم کو بھیج دیا۔

یہ ناول اردو میں تھا، پاکستان کی لڑکیوں کے لیے۔ وہ دل سے خوش تھی کہ اس کی تحریریں ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گی۔

وہ سمجھ گئی تھی، اس کی تحریروں کی ضرورت باہر نہیں، بلکہ پاکستان کی لڑکیوں کو تھی۔

*******

چار اگست))

قریباً دوپہر دو بجے تک خاور، ہاجرہ، اور محراب کا اسلام آباد پہنچنے کا وقت تھا۔

ماہین نے یہ سارا دن بھابھی شارفہ اور خدیجہ کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی میں گزارا۔

فدا حسین بھی گھر پر موجود تھے، وہ
کھانے پینے کا مکمل سامان لے کر
آئے تھے۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔
شہناز اپنی زیر نگرانی سارا کھانا تیار
کروا رہی تھی۔
دو کمرے تیار کر دیے گئے تھے، ایک ہاجرہ
اور خاور کے لیے، دوسرا ماہین اور محراب
کے لیے مختص کیا گیا تھا۔
لیکن ماہین نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ
وہ خدیجہ کے ساتھ آرام سے رہ رہی ہے،
اور محراب کو دوسرے کمرے میں اکیلے
رہنے دیا جائے۔
ایک تو وہ خدیجہ کو اکیلا نہیں کرنا
چاہتی تھی، اور دوسری وجہ خدیجہ کے
کمرے کی کھڑکی سے نظر آتا وہ مسجد کا
مینار تھا۔
ماہین کا دل اس مینار سے کچھ زیادہ ہی
لگا ہوا تھا۔ وہ ہر روز صبح خاموشی سے

کھڑکی کے پاس ٹیک لگائے مینار کو دیکھتے ہوئے اللہ سے باتیں کرتی تھی۔

کچھ دیر بعد، ماہین اوپر گئی اور تیار ہونے لگی۔ اس نے نارنجی اور کالے رنگ کی لمبی فراک پہن رکھی تھی، نیچے کالے رنگ کی ہیلز اور سر پر کالے رنگ کا سلک حجاب تھا۔

آج وہ خاور اور ہاجرہ کو یہ دکھانا چاہتی تھی کہ وہ مکمل ٹھیک ہو چکی ہے۔

اب اسے ارسل کی یادوں اور اس سے ملی تکلیفوں کا کوئی خوف نہیں تھا۔

حتیٰ کہ پاکستان آنے کے بعد بھی، جب ارسل اس کا تعاقب کر رہا تھا، ماہین کو اب اس سے ڈر نہیں لگتا تھا۔

ماہین کو یہ بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ ارسل اپنی انا کی وجہ سے اس کا پیچھا کرتا ہے۔ وہ جان چکی تھی کہ ارسل کے فرار میں کس کا ہاتھ تھا، اور یہ بھی کہ

اس کا باپ فدا حسین سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔

لیکن وہ ابھی خاموش تھی اسے اس بات کی وجہ جاننی تھی کہ اس کے اپنے خونی رشتے اسے کیوں دھوکے دے رہے تھے؟

کیوں اس نے ارسل کو فرار کرایا؟

ماہین شرارتی تھی، نا سمجھ ہو سکتی تھی، لیکن ایک چیز وہ نہیں تھی:

بیوقوف۔

اسے معلوم تھا کہ کب کیا جواب دینا ہے اور کب خاموش رہنا ہے۔

وہ زینے اترتی ہوئی نیچے آئی۔ اسے مہروز کے ساتھ محراب کے لیے کچھ پاکستانی کپڑے خریدنے جانا تھا۔

یہ محراب کی خواہش تھی، جو اس نے ایک دن پہلے ماہین کو بتائی تھی۔

مگر صبح سے مصروفیت کی وجہ سے وہ
جا نہیں سکی تھی، اس لیے خدیجہ کے
کہنے پر اس نے مہروز کو بلوا لیا تھا۔
خدیجہ کو ابھی تیار ہونا تھا، لہٰذا اس نے
ماہین سے کہا کہ وہ خود لے آئے، تب تک
وہ تیار ہو جائے گی۔
ماہین دروازے سے باہر آئی، مہروز آج
سفید شرٹ اور کالی پینٹ میں
ملبوس، آستینیں موڑے باہر کھڑا اس کا
انتظار کر رہا تھا۔
ان دونوں کی نظر ملی، اور ماہین جا کر
گاڑی کے پیچھے بیٹھ گئی۔ مہروز اب
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔
ویسے یہ شریفوں کا انداز نہیں ہے،""
مہروز سامنے دیکھتا ہوا بولا۔
کونسا؟" وہ سامنے اسے دیکھتے ہوئے"
بولی۔

"مجھے لگتا ہے تم نے مجھے اصل میں اپنا ڈرائیور سمجھ لیا ہے۔"

"تمہارے علاوہ ہے کون جس کے ساتھ میں جاؤں؟"

"بالکل، میں تو دنیا کا سب سے فارغ انسان ہوں نا۔" وہ چڑ کر بول رہا تھا۔

"میں نے کبھی تمہیں کام کرتے دیکھا نہیں ہے ویسے، ہر وقت ادھر ادھر پھرتے رہتے ہو۔"

"ماہین میڈم، آپ کچھ زیادہ نظر نہیں رکھنے لگیں مجھ پر؟"

"بالکل، مہروز، تمہاری دن بھر کی روٹین کا جائزہ لینے تو خاص طور پر پاکستان آئی ہوں۔"

"سچی؟" مہروز آخر پر ہنس دیا۔

ماہین کے چہرے پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

*******

ماہین کو محراب کا میسج موصول ہو گیا تھا، وہ لوگ اسلام آباد میں داخل ہو چکے تھے۔

ماہین مال سے جلدی جلدی محراب کے لیے چار پانچ کرتا شلوار خریدنے لگی۔

مہروز دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ محض اس کی آنکھیں دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ وہ کتنی خوش ہے۔

لیکن مہروز کو انجانا سا خوف تھا، "کیا وہ چلی جائے گی؟" وہ ابھی تک وہ ہمت نہیں جٹا پایا تھا کہ اپنے دل کی بات اسے بتا دیتا۔

اسے آخر میں بس ایک خوف تھا، "اگر اس نے منع کر دیا؟"

ماہین ابھی بھی رنگ اور ڈیزائن پسند کرنے میں مگن تھی جب اس کے پیچھے ایک عورت اپنی چھ سالہ بچی کا ہاتھ

پکڑتے ہوئے اسے قرآن پڑھا اور سمجھا رہی تھی۔

وہ عورت کالے رنگ کے عبایا میں ملبوس تھی، اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ وہ بھی پچھلے اسٹاک کے کچھ کپڑے پسند کر رہی تھی۔

اپنی بیٹی کی انگلی پکڑے وہ اسے ان لوگوں کے بارے میں بتا رہی تھی جو اللہ کے خاص ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، البقرہ کی آیات 156-157 میں:

"وَبَشِّرِ ٱلصَّـٰبِرِينَ ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَـٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ
أُو۟لَـٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ"

"اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے، جنہیں جب کوئی مصیبت

پہنچتی ہے، تو وہ کہتے ہیں: 'بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔' یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہیں، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

"ماما، اللہ تعالیٰ کے فیورٹ لوگوں پر مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟"

"کیونکہ بیٹا، وہ خاص لوگ ہوتے ہیں اور خاص لوگوں کا امتحان بھی مشکل ہوتا ہے۔ پھر جب وہ امتحان پاس کر لیتے ہیں، تو انہیں بہت اچھا انعام بھی ملتا ہے۔"

"ماما، اگر ہم فیل ہو جائیں پھر کیا ہوگا؟"

"نہیں عینی، جب اللہ تعالیٰ کوئی امتحان لیتے ہیں تو وہ ہمیں پہلے ہی تیار کر دیتے ہیں۔ ہمیں پالش کیا جاتا ہے، اچھے

سے سکھایا جاتا ہے کہ ہم نے کیسے اسے
پاس کرنا ہے۔ ہمیں بس چیٹنگ نہیں
کرنی۔
جواب سب جانتے ہیں، جو لوگ فیل ہوتے
ہیں وہ اپنی چیٹنگ کی وجہ
سے ہوتے ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے
"چیٹنگ نہیں کرنی کبھی، اوکے؟
جی ماما، میں وہی کروں گی جو اللہ"
تعالیٰ مجھے بتائیں گے،" عینی چہکتے ہوئے
بولی۔
ماہین ان کی بات سنتے ہوئے مسکرا
رہی تھی۔ اسے سائرہ دعا یاد آئی۔
قریباً بیس منٹ بعد ماہین مال سے نکلی۔
اب وہ لوگ واپس گھر کی طرف جا رہے
تھے۔ واپسی پر ماہین اگلی سیٹ پر
مہروز کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

*******

اسلام آباد ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہوئے،
خاور کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کے چہرے
پر خوشی کے تاثرات نہیں تھے، بلکہ کسی
اپنے سے ملے دھوکے کی تکلیف تھی۔
ہاجرہ اور محراب اس معاملے میں
خاموش تھیں۔ انہیں فکر تھی، لیکن خاور
ساتھ تھا، وہ سب کو دیکھ لے گا۔
انہیں لگتا تھا کہ خاور یہاں اپنے بھائی کے
ساتھ بیٹھ کر ارسل کے معاملے کو انجام
تک پہنچانا چاہتا تھا، اسی لیے وہ ان سے
ملنے کو بےتاب تھے، جبکہ اصل حقیقت
سے ماں بیٹی ناآشنا تھیں۔
ایئرپورٹ سے باہر ایک کالی گاڑی ان کے
سامنے آ کر رکی۔ آج کا موسم ٹھنڈا تھا۔
جیسے بارش سے پہلے یا بعد میں ہوتا
ہے۔ ان کی چاروں جانب ہریالی تھی۔
درخت ہواؤں کے ٹھنڈے جھونکے سے جھوم
رہے تھے۔

محراب نے اپنا روایتی آسمانی رنگ کا باجو کورنگ پہن رکھا تھا، ساتھ سر پر حجاب اوڑھے، ہلکا پھلکا سا میک آپ کیے ہوئے تھی۔ وہ اپنا منہ نہیں ڈھکتی تھی، لیکن حیا دار لباس پہنتی تھی۔ اس کا قد بھی ماہین کی طرح لمبا تھا، چہرے کی صاف رنگت، اور ایلمنڈ بھوری آنکھیں اس کی شخصیت کو مزید پرکشش بناتی تھیں۔

خاور نے گرے رنگ کا پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی شخصیت میں
ایک خاص وقار تھا۔ اس کے گھنگریالے بال نفاست سے سیٹ تھے، اور اس کی چال آج بھی روب دار تھی۔

ہاجرہ آج ہرے رنگ کی فراک پہنے سر پر چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ محراب نے آج ان کا بھی میک اپ کیا تھا۔ وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد، خاور کی نظر ایک پھولوں کی دکان پر پڑی، جس کی شیشے کی دیواروں کے پار سفید گلابوں کے گلدستے بنے ہوئے تھے۔ اس نے ڈرائیور سے گاڑی رکوائی اور ماہین کے لیے سفید گلابوں کا گلدستہ لینے کے لیے اترا۔ محراب کھڑکی سے باہر انہیں جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ قدم بہ قدم پھولوں کی دکان میں داخل ہوئے، کچھ لمحوں بعد وہ سفید گلابوں کا گلدستہ لیے باہر آ رہے تھے۔

محراب گاڑی کے شیشے نیچے کیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

اسلام آباد کی صاف فضا میں اچانک گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

ایک، دو، تین، چار۔ چار گولیاں خاور کے سینے میں پیوست ہو چکی تھیں، اور وہ اوندھے منہ گرتے چلے گئے۔

محراب اور ہاجرہ گولیوں کی آوازوں پر بے اختیار گاڑی سے باہر بھاگیں۔ محراب کو خاور کی نہیں، اپنی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاجرہ کی چیخیں پوری فضا میں گونج اٹھیں۔

"بابا! بابا! کون زلیل ہے یہاں؟ سامنے آؤ!" محراب گلا پھاڑ کر ادھر دیکھتے چلا رہی تھی۔ وہ اپنے باپ کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے تھی۔ ان کے کپڑے خون آلود ہو چکے تھے۔ محراب اور ہاجرہ بے یقینی سے سارا منظر دیکھ رہی تھیں اور چلا رہی تھیں: "کوئی ایمبولینس بلاؤ، جلدی کرو!" محراب اسی طرح چلاتے ہوئے بولتی رہی۔

"جاگیں بابا۔ خدا کے لیے جاگتے رہے۔ مجھے ضرورت ہے آپ کی۔ میں کیا کروں گی؟" وہ ہچکیوں سمیت روتے ہوئے بول رہی تھی۔

بار بار خاور کا ماتھا چومتی، وہ اس کے
سینے پر اپنے دونوں ہاتھ زور سے رکھے
ہوئے تھی، شاید خون بہنا رک جائے۔
کچھ دیر بعد ایمبولینس وہاں پہنچی، اور
خاور کو لے جانے لگی۔ محراب کے ہاتھ
لرز رہے تھے، جبکہ ہاجرہ ہر طرف دیکھ
رہی تھی اور محراب کا ہاتھ زور سے
پکڑے ہوئے تھی کہ کہیں دوبارہ گولیوں
کی آواز نہ آ جائے اور اس کی بیٹی کو
کوئی نقصان نہ پہنچے۔
محراب اور ہاجرہ کے جسم اور کپڑوں پر
خاور کا خون جم چکا تھا۔ محراب کو اپنے
باپ کی سنجیدہ بھوری آنکھیں، جو ہر
وقت اپنی اولاد کو دیکھ کر چمک اٹھتی
تھیں، اب ماند پڑتی محسوس ہو رہی
تھیں۔
ایمبولینس میں وہ تینوں جا چکے تھے،
سفید گلاب اب لال ہو چکے تھے۔

ان میں سے ایک گلاب تھا جو محراب نے ایمبولینس میں لیٹاتے ہوئے اپنے باپ کی مٹھی میں دیکھا تھا۔ ماہین کا آخری تحفہ۔

محراب اور ہاجرہ دعائیں کرتے جا رہی تھیں کہ بس انہیں کچھ نہ ہو۔

*******

مہروز اور ماہین فدا حسین کے گھر کی گلی کا موڑ کاٹنے لگے تھے جب سامنے کا منظر دیکھ کر ان دونوں کی آنکھیں جھپکنا بھول گئیں۔ فدا حسین کے گھر کے باہر ایمبولینس، پولیس اور آس پاس کے لوگ موجود تھے۔ جیسے کوئی سانحہ ہوا ہو۔

ماہین اور مہروز دونوں وہ منظر ایک ساتھ دیکھ رہے تھے، لیکن کچھ واضح نہیں تھا۔ گاڑی گھر کے پاس رکی، ماہین اور مہروز باہر نکلے۔ ماہین ہاتھوں میں

شاپنگ بیگز پکڑے چھوڑے قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہی تھی۔ فدا حسین کا گیٹ کھلا تھا۔ ماہین اندر داخل ہوئی، پیچھے مہروز بھی داخل ہوا۔

اندر صحن میں سفید کفن میں لپٹے خاور کا چہرہ واضح تھا۔ ان کے بےجان وجود کو کفن میں باندھے صحن میں چارپائی پر لیٹایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ محراب دیوانوں کی طرح چلا رہی تھی: "میں نہیں مانتی، میرے باپ کو اٹھاؤ! خدا کے لیے، کوئی سن لو!"

صحن کے ارد گرد دیواروں ساتھ رکھے سبز پودے مرجھا چکے تھے۔ اس کی دیواروں پر قطار سے کچھ پرندے بیٹھے تھے، جو سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

ہاجرہ بھی اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ شہناز نے اسے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا، وہ بھی رو رہیں تھی۔ فدا حسین اپنی خالی

آنکھوں سے پولیس کے پاس کھڑے تھے،
"مجھے ہر صورت وہ بندہ چاہیے جس نے یہ کیا ہے!" تکلیف کے آثار ان کے چہرے پر واضح تھے۔
ماہین قدم اندر بڑھاتی، سامنے اپنے باپ کو بےجان پڑا دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑی سارا منظر دیکھتی رہی، گویا اس کے دماغ نے کچھ بھی سمجھنے سے انکار کر دیا ہو۔
"یہ کس کا وجود بےجان پڑا ہے؟ کون ہے یہ؟ میرا باپ کدھر ہے؟ وہ ساتھ نہیں آئے؟" اس کی ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔
وہ ہلکے ہلکے سانس لیتی، قدم بڑھاتی خاور کے پاس پہنچی۔ اس کے ہاتھوں سے بیگز چھوٹ چکے تھے۔ وہ کبھی اپنی بہن کو چیختے، چلاتے روتے ہوئے دیکھتی، کبھی

اپنی ماں کو آنسو بہاتا، اور اب وہ محض خاور پر نظر جمائے تھی۔

(اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو۔ جو دنیا کا مالک ہے، بس نام اسی کا لیا کرو)

"بابا؟ بابا اٹھیں۔ میں آگئی ہوں۔"

(میری بیٹی نازک شہزادی کب سے بن گئی؟ میری بیٹی تو مقابلہ کرنے والوں میں سے ہے۔ وہ سب کا اپنی تلوار سے مقابلہ کرتی ہے، کسی شہزادے کا انتظار نہیں کرتی جو گھوڑے پر آ کر اسے بچا لے گا۔)

"یہ مزاق بند کرے آپ، مجھے بچہ سمجھا ہے آپ نے؟ کیا آپ کو ایسے مزاق پر میں یقین کر لوں گی؟ اٹھ جائے بابا، یقین کریں میں دوبارہ بات نہیں کروں گی اگر آپ ابھی نہ اٹھے۔"

وہ واحد مرد تھا، جسے ماہین کو روتا)
(دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی۔

ماہین یقین نہیں کر پا رہی تھی، وہ بری طرح شاک میں تھی۔ وہ اردگرد نظر گھمائے سب کو دیکھ رہی تھی، کہ کوئی ہنس دے گا۔ کوئی اشارہ کر دے گا، کہ یہ سب مزاق ہے۔

(پاکستان جا کر بگڑ نہیں گئی تم؟)

ماہین اندر دروازے کی جانب کھڑی خدیجہ کو دیکھنے لگی، اس کے ساتھ بھابھی شارفہ بھی تھیں۔ ان دونوں کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ ماہین کو اب اپنی آنکھوں پر یقین آنے لگا تھا، اس کا دماغ اب معاملے کو سمجھ رہا تھا۔ وہ بے اختیار خاور کو دیکھنے لگی، ان کا چہرہ چھونے لگی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک آنسوؤں سے پاک تھیں۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہی تھی۔

(تمہارا باپ بوڑھا ہو رہا ہے)
ماہین گھٹنوں کے بل بیٹھتی چلی گئی،
"بابا یہ ظلم مت کریں میرے ساتھ۔ خدا کے لیے یہ کیا ہوا گیا ہے؟"
محراب بابا تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں آئے؟ یا اللہ، اگر یہ کوئی خوفناک خواب ہے تو مجھے بیدار کر دیں۔ مجھے سانس نہیں آرہا، وہ شدید گھٹن محسوس کر رہی تھی۔ جیسے کوئی اس کا گلہ پکڑے، اسے سانس لینے سے روک رہا ہو۔
اس کے کانوں میں ایک پولیس اہلکار کی آواز پڑی۔ (یہ موقع پر وفات پا گئے تھے، چاروں گولیاں سیدھا ان کے دل پر لگی تھیں۔) شاید وہ کسی کو بتا رہے تھے، یا شاید سب کو اطلاع دے رہے تھے۔
ماہین کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کرپوری شدت سے کچل دیا۔

ہاجرہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھی، صدمہ شدید تھا۔ برداشت سے باہر تھا۔ ماہین کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے، وہ ہچکیوں سمیت اونچی آواز میں رونے لگی، جیسے کوئی چار سال کا بچہ اپنی من پسند چیز کھونے کے بعد روتا ہے۔ مہروز ابھی تک شل کھڑا تھا، اس کے قدم زنجیر تھے۔ وہ ہل نہ سکا اپنی جگہ سے۔ کیا تکلیف تھی، جو ہر کوئی ایک ساتھ محسوس کر رہا تھا۔ وہ لمبے قدم اٹھاتا گھر سے باہر آ چکا تھا، گویا اسے سانس لینا دشوار ہو رہا ہو۔

اس نے باہر موجود ایک اہلکار سے ساری بات کی تفصیل پوچھی۔ وہ جانتا تھا، سب غم میں مبتلا ہیں۔ ان کے غموں کا فائدہ وہ قاتل اٹھائے گا۔ مہروز نے کچھ بھی کر کے اسے فرار نہیں ہونے دینا تھا۔

اس کے سر میں دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ ماہین کی آنکھیں، محراب کا چیخنا، اور ہاجرہ کا بار بار بے ہوش ہونا، یہ سب اس کے دماغ میں پیوست ہوگیا تھا، لیکن اس وقت اسے قاتل چاہیے تھا۔ کسی بھی قیمت پر۔ اس نے برحان کو کال کی، اور ایک جگہ بلا لیا۔

ماہین بری طرح سے رو رہی تھی، خدیجہ اور شارفہ اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ وہ دونوں، ان دونوں بہنوں کو سنبھالنا چاہتی تھیں۔ لیکن وہ دیوانہ وار روئے جا رہی تھیں۔

فدا حسین ان دونوں کو دیکھتے، ان کے پاس زمین پر آ بیٹھے۔ ان کی آنکھیں بھی گیلی تھیں، وہ ان دونوں کو ایک ساتھ اپنے سینے سے لگائے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

محراب نے تایا فدا کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیا تھا، وہ سہم گئی تھی۔ اس کے سامنے اس کے باپ کو گولیاں لگی تھیں۔ ان کی حفاظت کو اب کوئی مرد نہیں بچا تھا۔ محراب مکمل خوف کا شکار تھی۔ جبکہ ماہین فدا حسین کے سینے پر سر رکھے، اپنے باپ پہ نظریں جمائے، روتی جا رہی تھی۔

اسے کچھ نہیں چاہیے تھا۔ اسے خاور چاہیے تھا۔

خاور کا جسم اس حالت میں نہیں تھا کہ اسے وہاں زیادہ دیر رکھا جا سکے۔ قریبی محلے کے لوگ بھی اس کے جنازے میں شریک ہونے آئے، فضا میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ تقریباً تین گھنٹے بعد، اسے نماز جنازہ کے لیے لے جایا گیا۔ جب ان کو اٹھایا جا رہا تھا، ماہین اور محراب منت بھرے انداز میں فدا حسین کو دیکھ رہی تھیں،

جیسے کہہ رہی ہوں، "ایسا نہ کریں، چھوڑ دیں انہیں یہی۔"

فدا حسین ان دونوں کو اس طرح نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ اس کے دل میں کرب تھا، ایک بھائی کے بچھڑنے کا، ایک ساتھی کے بچھڑنے کا، بچپن کے ہم سفر کے بچھڑنے کا۔ پھر اب، اس کی بیٹیوں کو اس حال میں دیکھ کر ان کی تکلیف مزید بڑھ رہی تھی۔ ہوا میں غم کا ایک گہرا سایہ چھا گیا تھا، جیسے سب کچھ رک گیا ہو۔

ماہین اور محراب کی بھوری آنکھیں خاموش ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ ماہین کبھی اپنی ماں کے ساتھ لگ کر روتی، ان کے آنسو پونچھتی، کبھی محراب اور خدیجہ کے کندھے پر سر رکھ دیتی۔

خاور کا جنازہ اٹھ چکا تھا، پیچھے اب گھر ویران ہوگیا۔ گھر کے دروازے پر ان کے

خاندان کے لوگ آتے جاتے رہے، مگر ماہین کسی کو نہیں پہچان رہی تھی۔
وہ اٹھ کر اوپر بھاگ آئی، خدیجہ کے کمرے میں۔ کمرے کی چمک دمک اب خاموشی میں ڈھل گئی تھی۔ اس کا چہرہ رو رو کر سرخ پڑ گیا تھا۔ وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے، زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ ہر ایک یاد اس کے دل میں کھنک رہی تھی، خاور کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ۔
خاور نے اسے سب کچھ سکھایا تھا، سوائے اس بات کے کہ جب باپ
مر جائے تو کیا کرتے ہیں؟ وہ چہرہ گھٹنوں میں دیے، کتنی ہی دیر روتی رہی۔ اس کی زبان سے ایک ہی جملہ نکل رہا تھا: "اللہ جی، میرے بابا کا خیال رکھنا، انہیں کوئی تکلیف مت پہنچنے دینا۔ میں اپنے باپ کو آپ کی امان میں دیتی ہوں۔"

کچھ لمحے بعد، اس کے کمرے میں حوریہ
اپنے ہاتھ میں پیلے رنگ کا پیکاچو بھالو لے
کر آئی۔ اس نے خاموشی سے کمرے کے
اندر قدم رکھا، وہ ماہین کے سامنے بیٹھ
گئی، وہ اسے روتا دیکھ کر بے چینی
محسوس کر رہی تھی۔
حوریہ نے ماہین کے ہاتھوں پر اپنے نرم
ہاتھ رکھے۔ ماہین نے کسی کا لمس اپنے
ہاتھوں پر محسوس کر کے اپنا سر گھٹنوں
سے اٹھایا۔ سامنے حوریہ بیٹھی اسے دیکھ
رہی تھی، جیسے اسے سمجھ نہیں آرہی
تھی کہ اس پر کیا سانحہ گزرا ہے۔
ماہین کو سانس لینے میں دشواری ہو
رہی تھی، وہ ایک لمحے کے لیے حوریہ
کو دیکھتی رہی، اس کا صاف شفاف
معصوم چہرہ۔

"پھوپھو، کیا ہوا ہے آپ کو؟" ماہین کے
حلق سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی،
وہ محض دائیں بائیں سر ہلانے لگی۔
ساتھ ہی اس نے حوریہ کے ہاتھ اپنے
ہاتھوں میں جکڑ لیے، اور گردن جھکائے
پھر سے آنسو بہانے لگی۔ حوریہ اپنی جگہ
سے اٹھی، اس کے سر پر اپنے چھوٹے
چھوٹے ہاتھ پھیرنے لگی، جیسے کوئی بڑا
کسی بچے کو چپ کرواتا ہے۔
ماہین نے اسے زور سے گلے لگایا، اس کے
کندھے پر اپنی آنکھیں چھپا کر، پہلے سے
زیادہ اونچا رونے لگی۔ اس کی ہمت
جواب دے رہی تھی، ساری طاقتیں،
سمجھداریاں جواب دے چکی تھیں۔ کتنی
ہی دیر حوریہ وہاں بیٹھے اس کو پیار سے
تھپتھپاتی رہی، ماہین اب کے پیچھے کو ہو
کر بیٹھی۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

حوریہ نے اپنا من پسند پیکاچو بھالو اس کے آگے کیا، جیسے اسے دیکھ کر ماہین خوش ہو جائے گی اور خاموش ہو جائے گی۔

"یہ میرا فیورٹ ہے۔ پھوپھو اب آپ بھی میری فیورٹ ہیں، اسے آپ رکھ لیں۔ مجھے چاچو اور لے دیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

جب ماہین اس کے لفظوں پر ٹھٹکی۔

"فیورٹ؟" اسے بے اختیار مال میں وہ گفتگو یاد آئی، جو مال میں عینی کی ماں اسے بتا رہی تھی۔

"اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے، جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے، تو وہ کہتے ہیں، بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب

کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہیں،
"اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔
(البقرہ 156 تا 157)
ماہین کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی
اس وقت، لیکن یہ دماغ پھر بھی کام کر
رہا تھا۔ "تکلیف پہنچنے پر یہ کہتے ہیں:
بےشک ہم اللہ کے لیے ہیں، اور ہم اسی
کی طرف لوٹنے والے ہیں۔" یعنی؟ ماہین،
اللہ نے کسی وجہ سے تم تک یہ آیات
پہنچائی ہیں۔ غور کرو۔
ماہین جیسے خود سے بات کر رہی ہو،
وہ غصے میں بولنے لگی، بس کچھ نہیں
سوچنا مجھے اس وقت، ماہین خاموش
ہو جاؤ۔"
تکلیف پہنچ گئی ماہین؟ اب کہہ دو یہ:"
ہم اللہ کے لیے ہیں، اور ہم اسی کی
طرف لوٹنے والے ہیں۔"

"ن□یں بس خاموش □و جاؤ، میرا درد گ□را
□□، میرا باپ چلا گیا □□□" "تکلیف پ□نچ□
تو ک□□ دو، □م الل□ ک□ لی□ □یں، اور اسی
کی طرف لوٹن□ وال□ □یں□"
بار بار اس□ ی□ی صدا تنگ کر ر□ی تھی،
جیس□ اس کا دماغ اس کی زبان س□
زبردستی ی□ بات بلوانا چا□ ر□ا □و□
"مجھ□ لگتا □□ ک□ میں دوبارا اٹھ ن□یں
پاؤں گی، اس غم س□ چھٹکارا کبھی ن□یں
پا سکتی میں، میں تکلیف میں □وں،
ما□ین کا دل زخمی □و چکا □□، اب کوئی
مر□م کام ن□یں آن□ والا□ افف ما□ین کیا
کر□ اب؟"
ما□ین کا دماغ، اب ڈاکٹر □ارون ک□ الفاظ
اس□ سنا ر□ا تھا، "زخمی دلوں کو و□ی ل□
کر جاؤ، جس ن□ ان□یں بنایا □□□ اپن□ رب
ک□ پاس□ و□ جانتا □□، ی□ کس جگ□ س□
گل□ سڑا □□، اسی ک□اں تکلیف □□، اس□

کیسے ٹھیک کرنا ہے۔ تمہارے دلوں کا
"مرہم اللہ کی محبت ہے۔
ماہین کے سر میں درد کی شدید لہر
دوڑی، وہ اپنا سر گھٹنوں میں دیے
خاموشی سے بیٹھی تھی، اس کے آنسو
تھم چکے تھے۔ اس کے پاس حوریہ بیٹھی
رہی، وہ محض اس کے گھٹنے کو تھپتھپائے
جا رہی تھی۔
کتنی ہی دیر وہ خاموش اسی حالت میں
بیٹھی رہی، کمرے میں عجیب سا سناٹا
تھا۔ باہر رات کی سرد ہوا کھڑکی کے
زریعے آتی، کمرے میں موجود چیزوں کو
ہلکی سی جنبش دے رہی تھی، وہاں
صرف گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی
تھی۔ آخر کار وہ ایک لمبی، گہری سانس
خارج کر کے اٹھی۔
"ہم اللہ کے لیے ہیں، اور اسی کی طرف
لوٹنا ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑانے لگی، جیسے

اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو

آج بابا گئے ہیں، بہت جلد ہمارا بلاوا بھی" آ جائے گا" وہ خود کو سمجھا رہی تھی، تسلی دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

وہ بڑی تھی، خاور کی بہادر بیٹی۔ اسے اب خود کو سنبھالنا تھا۔ ڈاکٹر ہارون کی باتیں یاد آئیں، "اگر زخموں پر وقت پہ مرہم رکھ دیا جائے تو وہ مرہم زخم بڑھنے سے بچاتا ہے، اور اسے وقت رہتے "ٹھیک کر دیتا ہے۔۔۔

بابا کہیں نہیں گئے، وہ میرے ساتھ رہیں" "گے ہمیشہ۔ میں جلد ان سے ملوں گی۔

ماہین نے آہستہ آہستہ خود کو اٹھایا، اور ساتھ حوریہ کا بھی نرمی سے ہاتھ پکڑے اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود باتھ روم کی طرف چل دی۔ باتھ روم میں جاتے

ہی اس نے اپنے چہرے پر جمے آنسوؤں کو
پانی سے دھویا، وضو کیا اور عشاء کی
نماز ادا کی۔ پھر دعا میں باپ کے لیے ہاتھ
اٹھائے، دل سے گہرے دکھ کے ساتھ۔
نماز کے بعد، اس نے الماری سے ایک سفید
رنگ کا حجاب نکالا اور سر پر اوڑھا۔
چہرے کو ماسک سے ڈھانپ لیا۔ اس کے
دل میں درد تھا، شدید درد، مگر اب اس
درد نے غصے کی شکل اختیار کر لی تھی۔
اس کے باپ کو گولیوں سے چھلنی کیا گیا
تھا۔ ہر گولی اس کے دل پر وار کر چکی
تھی۔ اسے ایک ایک گولی کا حساب چکانا
تھا، وہ عزم کے ساتھ نیچے جا رہی تھی۔
حوریہ کا ہاتھ تھامے، زینے اترتے ہوئے
ماہین کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔
نیچے ہال میں ہاجرہ اپنی بہن کے ساتھ
لگے مسلسل رو رہی تھی۔ آنسوؤں کا

سمندر تھا جو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔
ماہین کے ننھیال اور دادھیال کے لوگ ابھی بھی موجود تھے، ہر طرف دکھ اور غم کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ خدیجہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔ اس نے سب کو اوپر ماہین کے پاس جانے سے روکا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ماہین کو اس وقت تنہائی کی ضرورت ہے۔
"ماہین، میں کچھ کھانے کو لے آؤں؟ کسی نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔ محراب بھی کمرے میں ہے، اور چچی کو بھی کھلانے کی کوشش کر رہی ہوں، وہ بھی نہیں کھا رہیں۔" خدیجہ کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں، پلکیں ابھی بھی گیلی تھیں۔
ماہین نے نظریں خدیجہ پر ٹکائیں، اور بغیر کوئی ردعمل ظاہر کیے، پوچھا،

"مہروز کہاں ہے؟" اس کی آواز میں کوئی روندھا پن نہیں تھا، نہ ہی کوئی لرزش۔ وہ سخت اور مضبوط دکھائی دے رہی تھی۔

"بھائی؟ مجھے نہیں پتہ، شاید بابا کے ساتھ مردوں کی طرف ہوں گے۔"

"مجھے اس کا نمبر دے دو۔" ماہین نے بات ختم کرتے ہی اپنے موبائل کو کھولا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

خدیجہ کو اس کا انداز سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ "کیا ماہین ابھی تک شاک میں ہے؟" اس نے دل میں سوچا۔

خدیجہ نے مہروز کا نمبر دیا، اور ماہین نے کال ملائی۔ چند لمحے گزرے، اور کال اٹھا لی گئی۔

"اسلام علیکم، میں ماہین بات کر رہی ہوں۔ تم کہاں ہو؟" اس کا چہرہ سپاٹ تھا، اور لہجہ دو ٹوک۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

"باہر ہوں۔ کیا ہوا؟" مہروز پہلے تو ٹھٹکھا، لیکن فوراً سنبھل گیا۔

"تم نے بابا کے جنازے میں شرکت کی؟"" ماہین کا سوال سیدھا تھا، کوئی جذبات نہیں۔

"نہیں، میں اس وقت وہاں کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا، اس لیے باہر آ گیا۔" مہروز مکمل تذبذب کا شکار تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ماہین کیا سوچ رہی ہے۔

ماہین نے آنکھیں اٹھا کر سامنے اپنی ماں پر نظر جمائی اور موبائل کان سے لگائے بولی، "گھر کب آؤ گے؟"

"پتا نہیں، ابھی کام باقی ہے۔ کچھ وقت لگے گا۔" مہروز نے جواب دیا۔ مگر دل میں عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"اس کام کو جلدی پورا کرو جو جنازے میں
شرکت سے زیادہ ضروری تھا مہروز۔"
ماہین نے صاف کہہ کر کال کاٹ دی۔
مہروز خاموش ہوگیا۔
خدیجہ ہنوز ماہین کو دیکھے جا رہی
تھی۔ "بھائی کہاں ہے؟"
"یہ تو اسے پتہ، کہاں گیا ہے۔ محراب
کہاں ہے؟"
"وہ کمرے میں ہے۔"
"تم نے کچھ کھایا؟" ماہین نے اب خدیجہ
سے پوچھا۔
"نہ نہیں، سب کو کھانا دے رہی تھی۔
زیادہ عورتیں باہر سہن میں بیٹھی ہیں۔
آنے والوں کا رش بڑھ رہا ہے۔"
"میرے ساتھ آؤ۔" ماہین اسے لیے کچن کی
طرف بڑھ گئی۔
اب کچن میں کھڑی، ماہین تین پلیٹوں
میں کھانا انڈیل رہی تھی۔

خدیجہ اسے دیکھے جا رہی تھی، وہ ماہین کے انداز پر پریشان تھی۔

"یہ لو، اسے کھا کر باہر جانا۔"

خدیجہ نے سر ہلا دیا۔ ماہین واپس پلٹنے لگی، جب وہ بولی،

"ماہین؟ تم ٹھیک ہو؟" خدیجہ کی آنکھیں پھر سے بھیگ رہی تھیں۔

ماہین ہاتھوں میں دو پلیٹیں پکڑے مڑی، لمبی گہری سانس خارج کی، اس کی آنکھوں میں پانی تھا، لیکن وہ باہر نکلنے کے بجائے اندر کی طرف جذب ہو رہا تھا۔ کبھی کبھار، آنسو بھی آپ کے وفادار بن جاتے ہیں۔

میں ٹھیک ہوں خدیجہ، بس دعا کرنا۔"
"مجھے سکون آ جائے۔

وہ یہ کہتی واپس کو پلٹ آئی۔

اب وہ اپنی امی کے سامنے ایک پلیٹ رکھ کر انہیں اپنے ساتھ لگا رہی تھی۔ اس

کی امی کے ساتھ اس کی دونوں خالہ بیٹھی تھیں۔ اور ساتھ رمشہ بھی تھی۔ رمشہ نے ماہین کو دیکھا، ماہین نے اپنا ماسک نیچے کیے ہوئے تھا، اس وقت وہاں صرف عورتیں تھیں۔

رمشہ نے ماہین کے چہرے پر دکھ تکلیف کے آثار ڈھونڈنے چاہے، لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ برف کی مانند۔

"امی چلیں تھوڑا سا کھا لیں۔" ماہین انہیں ساتھ لگائے، لقمے توڑ کر ان کے منہ میں ڈالنے لگی۔

ہاجرہ بیٹی کے ہاتھوں ایک کر کے لقمے کھانے لگی۔ کچھ دیر بعد ماہین نے پانی منگوایا، پانی کو اپنے ہاتھ پر ڈول کر اس سے نرمی سے اپنی ماں کا چہرہ صاف کیا۔

پھر اپنے سکارف کی سائڈ سے ان کا چہرہ تھپتھپانے لگی۔

"امی آپ اٹھ کر نماز پڑھ لیں۔ آئیں میرے ساتھ۔"

وہ اپنی خالہ کی مدد سے، اپنی ماں کو سہارا دیے اس کمرے میں لے آئی جو ان کے اور خاور کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

ماہین جانتی تھی، لوگوں کی بھیڑ میں انسان وہ سکون نہیں پاتا، جو تنہائی میں مل جاتا ہے۔ سو وہ انہیں کمرے میں لا کر، دروازہ بند کرنے لگی۔

وہ اپنی خالہ کو ہدایت دینے لگی، "آپ انہیں وضو کروا دیں، اور کچھ دیر یہی رہیں۔ باہر رش کم ہو لے۔ میں محراب کو کھانا کھلا کر آتی ہوں۔"

وہ اپنی ماں کی پیشانی پر بوسہ لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، اور باہر آکر، جہاں دوسری پلیٹ رکھی تھی، وہاں سے وہ اٹھائی، اور محراب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

اس کا کمرہ اندر سے لاک تھا۔

"محراب؟ ایک منٹ کے اندر اندر دروازہ کھولو۔" وہ تحکم سے بولی۔ جس پر محراب نے دروازہ کھول دیا۔

ماہین باہر ہاتھ میں کھانے کی پلیٹ پکڑے کھڑی تھی۔

محراب کے سیاہ گھنگریالے بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے، اس کا سفید چہرہ رونے کے باعث گلابی نظر آ رہا تھا، آنکھوں کے گرد موجود سرخی گہری ہوچکی تھی۔

ماہین اندر آئی، دروازہ بند کیا، اور بیڈ کی سائیڈ پر کھانے کی پلیٹ رکھ دی۔ کمرے میں ایک مدھم روشنی تھی، جو اداسی کے لمحات کو مزید گہرا کر رہی تھی۔ ہوا میں ایک خاموشی تھی، صرف محراب کی ہلکی ہلکی رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"محراب؟ کیا تم چہرہ دھو سکتی ہو اپنا؟" ماہین نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔ محراب نے اسے خاموشی سے دیکھا، پھر سر ہلاتے ہوئے واشروم کی طرف چل دی۔

باہر آنے پر، وہ خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گئی، جیسے اس کے اندر کا درد اس کی آواز کو چُپ کر دینے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

ماہین اس کے سامنے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی، اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے، وہ محبت بھرے انداز میں کہنے لگی، "محراب، باپ چلے بھی جائیں تو بھی وہ بیٹیوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ۔ ہم بہت جلد ان سے جنت میں ملاقات کریں گے۔ کیا تمہیں بھوک نہیں لگی؟ آؤ دونوں کچھ کھاتے ہیں۔"

ماہین کی آنکھوں میں بار بار آنسو سمٹ آتے، مگر وہ انہیں آنکھوں سے باہر آنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے درمیان موجود محبت اور سمجھ بوجھ نے کمرے میں ایک خاص گہرائی پیدا کر دی تھی، جہاں الفاظ کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ خاموشی میں ایک دوسرے کا درد سننے کی طاقت تھی۔

محراب کے آنسو اس کی گال پر پھر سے بہہ رہے تھے،"بابا کو کس نے مارا؟" وہ روتے ہوئے بے بسی کے عالم میں سوال کر رہی تھی۔

"میں جلد پتہ لگوا لوں گی، مجھ پر یقین رکھو۔"

"ماہین، اس گھٹیا شخص کو میرے سامنے لے کر آنا، میں اسے چیڑ پھاڑ دوں گی!"

محراب شدت جذبات میں آ کر بولی۔ وہ ایک جذباتی اور غصیلی لڑکی تھی۔ اپنے

درد اور غصے کا اظہار لفظوں سے کرنے والی۔

ماہین اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلانے لگی، پھر اپنے ہاتھوں سے محراب کے آنسو صاف کرنے لگی۔ کمرے کی خاموشی صرف ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

اب وہ دونوں بہنیں ایک ساتھ کھانا کھا رہی تھیں۔

"تمہیں بابا یاد نہیں آرہے؟" محراب بیچ میں ایک بار پھر روندھلی آواز میں بولی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ اس کا دل تڑپ رہا ہو۔

"بابا اب اللہ کی امان میں ہیں، وہ اوپر، دنیا سے بہت اچھی جگہ پر ہیں، محراب۔ مجھے یاد آرہی ہے ان کی، وہ مجھ سے ملے بھی نہیں، لیکن دیکھو، وہ اتنی دور بھی نہیں گئے۔ وہ اوپر آسمانوں میں

ہیں، اور ہم یہاں نیچے۔ ہم جلد ملیں گے۔" ماہین نے خود کو اور محراب دونوں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ اس کی آواز میں ایک خاص پیار اور حوصلہ تھا، جو اس لمحے کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کھانا ختم ہونے پر، ماہین نے پلیٹ سائڈ پر رکھی۔ محراب اپنی بھوری آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی، پھر ماہین نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ دونوں بہنیں کچھ لمحے یوں ہی بیٹھی رہیں، جیسے وقت تھم گیا ہو اور ان کے درد کی شدت کو سمجھنے کے لیے کوئی الفاظ کی ضرورت نہ ہو۔

ماہین اب اٹھ کر واپس جانے لگی، اسے مہمانوں سے ملنا تھا۔ سب کو بتانا تھا، ""میں خاور کی بڑی بیٹی ہوں۔

جب وہ دروازہ کھولنے لگی، تو محراب نے اسے پکارا، "ماہین رکو، تمہیں کچھ دینا ہے۔"

محراب اٹھ کر سائڈ ٹیبل کے دراز میں رکھے، اس سفید گلاب کو ماہین کو دینے لگی، جو اب لال رنگ میں بدل چکا تھا۔ جیسے محبت اور درد کی ایک گواہی ہو۔

ماہین اسے دیکھ کر ٹھٹھکی، اس کی نظریں اس گلاب پر جم گئی۔

"بابا راستے میں اتر کر یہ سفید گلاب لے رہے تھے تمہارے لیے، جب ان پر گولیاں چلی۔" محراب کی آواز میں کرب تھا، "جب ایمبولینس میں لیٹایا جا رہا تھا، تب ان کے ہاتھ کی بند مُٹھی میں یہ رہ گیا تھی۔ شاید تمہیں آخری تحفہ دینا چاہتے تھے۔"

ماہین کے دل کو جیسے کسی نے جکڑ لیا تھا، اسے آج احساس ہوا کہ صبر کرنے کا اتنا اجر کیوں رکھا گیا ہے۔

اس نے آگے بڑھ کر وہ رنگین گلاب پکڑا، اسے کچھ لمحے ہاتھ میں پکڑے دیکھے گئی، پھر واپس مڑ کر اوپر خدیجہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

وہاں سائڈ ٹیبل پر موجود اپنا قرآن اٹھایا، جس کے غلاف میں سفید دستانے رکھے تھے۔ ماہین نے وہ سفید گلاب، جو اب سفید نہیں رہا تھا، اسی حالت میں اسے ان دستانوں کے ساتھ رکھ دیا۔ اس کی زندگی کی سب سے قیمتی چیزیں، اب ایک ساتھ پڑی تھیں۔ ایک ہی غلاف میں۔ ماہین کے آنسو، اس غلاف پر گر رہے تھے۔ یہاں کیسی ہمت؟ کیسی بہادری؟ اس تنہائی میں تو محض اس کا رب اسے دیکھ رہا تھا، اور وہ تو اس کے اندر باہر

سے واقف تھا۔ یہاں انسان کے الفاظ نہیں چلتے تھے، صرف کیفیات چلتی تھیں۔ ماہین گہری سانس لیتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زینے اتر کر واپس نیچے آئی، خدیجہ اور شارفہ کے ساتھ مل کر سب آنے جانے والوں سے سلام لینے لگی، ان کی تعزیت قبول کرتی۔ وہ رات یقیناً ایک لمبی، تھکا دینے والی رات تھی، جہاں ہر لمحہ گزرتے گزرتے احساس کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔

سہن میں اس نے ماسک چڑھا رکھا تھا، کیونکہ وہاں ان کے رشتے دار مرد آ جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد فدا حسین داخل ہوا۔ وہ آگے بڑھ کر فدا حسین کے پاس گئی۔ "پولیس کیا کہتی ہے؟"

فدا حسین ٹھٹکے، انہیں اس وقت اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"ابھی کچھ پتہ نہیں چلا، ایک نقاب پوش نے بائک پر آ کر خاور پر گولیاں چلائی، اپنی پستول وہی پھینک کر وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ پولیس ابھی تک تفتیش کر رہی ہے۔"

ماہین نے خاموشی سے ان کی بات سنی۔

"آپ نے کچھ کھایا ہے؟" اس کا اگلا سوال تھا۔

"نہیں، دل نہیں ہے، مہمان جاتے تو میں کچھ کھا لوں گا۔"

"آپ میرے ساتھ آئیں۔ کچھ کھا لیں پہلے۔۔" ماہین بے اختیار بولی۔

"نہیں ماہین، میں نے باہر مہمانوں کو دیکھنا ہے۔"

"بچے نہیں ہیں وہ مہمان، آپ میرے ساتھ آئیں۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولتی، ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر آنے لگی۔

وہ بھی ماہین کا ہاتھ تھامے، چلتے گئے۔ کچن میں جا کر فدا حسین ایک طرف کو کھڑے ہوگئے۔ ہاتھ باندھے، وہ پیچھے دیوار کو ٹیک لگائے ماہین کو دیکھ رہے تھے۔

ماہین ایک پلیٹ میں کھانا انڈیلنے لگی، اس کا چہرہ کسی بھی احساس سے پاک تھا، جیسے وہ خود کو ایک خاص مقام پر رکھ کر زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کر رہی ہو۔

ماہین کھانا پلیٹ میں ڈال کر مڑی، اور کچن کاؤنٹر پر پلیٹ رکھ دی، اب وہ تایا فدا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھے، اور کچن کاؤنٹر پر رکھی پلیٹ میں سے، لقمے توڑ کر کھانے لگے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں، اور چہرے پر تکلیف کے آثار واضح تھے۔

وہ خاموش تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ
اگر وہ ٹوٹ جائیں گے تو پیچھے کوئی نہ
بچتا۔ ماہین ہاتھ باندھے خاموشی سے ان
پر نظریں ٹکائے دیکھ رہی تھی، ان کی
آنکھوں کے علاوہ ان کا چہرہ خاور سے
ملتا تھا۔ ان کا لمبا قد، گھنگریالے بال،
چوڑا سینہ۔ ان کی اور خاور کی خوشبو
بھی ایک سی تھی، ماہین نے آج گہرائی
سے مشاہدہ کیا تھا۔ بس ان کی آنکھیں
نہیں ملتی تھیں۔ خاور کی ہلکی بھوری
آنکھیں تھیں، اور فدا حسین کی گہری
سیاہ آنکھیں۔ شاہ زیب اور رمشہ کی
بھی سیاہ آنکھیں تھیں، لیکن مہروز اور
خدیجہ کی سنہری آنکھوں میں ایک الگ
چمک ہوتی تھی۔
اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ فدا حسین
نے آہستہ سے نظریں اٹھا کر ماہین کو
دیکھا، جیسے کچھ ڈھونڈ رہے ہوں اس کے

چہرے میں، ایک جواب، ایک تسلی۔ ان کی آنکھوں میں ایک خاموش سوال تھا، جو لبوں پر نہیں آیا، لیکن ماہین نے محسوس کر لیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟ اور محراب؟" انہوں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

ماہین نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے جواب دیا، "جی، ہم دونوں ٹھیک ہیں۔"

فدا حسین نے نظریں دوبارہ نیچے کی اور لقمے توڑنے لگے۔

"میں بچا نہیں سکا اپنے بھائی کو۔" یہ جملہ انہوں نے پہلی بار کسی سے کہا، جیسے اپنے دل کا بوجھ ماہین کے سامنے رکھ دیا ہو۔ ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

ماہین نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اپنی آواز کو مضبوط کیا، "جس نے آپ کے بھائی کو اذیت دی، اسے بھی اسی کرب

سے گزاریں، نہ ایک انچ زیادہ نہ کم۔
ٹھیک وہی تکلیف، میں چاہتی ہوں اس کا
سینہ بھی اسی طرح سے تنگ ہوجائے،
جس طرح بابا کا ہوا ہوگا۔ اس نے ایک
باپ کو بیٹی سے نہیں ملنے دیا، کاش وہ
بھی اسی کرب سے گزرے۔ اس کی اولاد
اس کی راہ تکتی رہ جائے لیکن اسے ملنے
کی اجازت نہ دی جائے۔" اس کا لہجہ دو
ٹوک اور بےرحم تھا۔

فدا حسین کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ "مجھ
پر یقین ہے تمہیں؟ میں اسے ضرور سزا
دلواؤں گا۔"

ماہین کچھ لمحے انہیں خالی نظروں سے
دیکھے گئی۔ پھر جواب دیا، "اس سوال کا
جواب میں اس دن دوں گی، تایا جان، جب
آپ کے ہاتھ اس قاتل کے گریبان پر ہوں
گے۔"

فدا حسین لمحے بھر کو چونکے۔ یہ وہ ماہین نہیں تھی جسے وہ جانتے تھے۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

اس کی بھوری آنکھوں میں تلخی چھپی تھی، "ماہین کو تکلیف ملی ہے، جو برداشت سے باہر ہے، لیکن میں برداشت کر رہی ہوں، تایا جان۔"

کچن میں خدیجہ خالی پلیٹیں رکھنے آئی، ایک نظر ان دونوں پر ڈالی۔ فضا میں ایک عجیب تناؤ تھا جو اس کی آمد سے بھی ختم نہ ہو سکا۔

فدا حسین کی نظریں جیسے ہی اس پر پڑیں، وہ غصے سے بولے، "کہاں گیا ہے تمہارا بغیرت بھائی؟ میری کال کیوں نہیں اٹھا رہا؟"

خدیجہ ہچکچاتے ہوئے بولی، "مجھے نہیں پتہ بابا۔"

فدا حسین نے تحکمانہ انداز میں حکم دیا،
""اسے کال کرو اور میری بات کرواؤ۔

خدیجہ نے جلدی سے مہروز کو کال ملائی۔ کچھ سیکنڈز کے بعد کال اٹھا لی گئی۔

"بھائی، آپ کہاں ہیں؟" خدیجہ نے جلدی سے پوچھا۔

"بس آ رہا ہوں۔" دوسری طرف سے مہروز کی آواز تیز تھی۔

فدا حسین نے آگے بڑھ کر موبائل پکڑ لیا۔

"کمبخت انسان، تمہیں لگتا ہے، اپنے چھ سات دوستوں کو بھیج دینے سے تمہاری ذمیداری ختم ہوگئی ہے؟ اگر تم آدھے گھنٹے کے اندر یہاں نہ پہنچے تو میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ماہین نے ان کی بات پر غور کیا، (یعنی اس کے دوست آئے ہیں، مہمانوں کو دیکھنے)

جواباً مہروز نے صرف اتنا کہا، "میں
پنتالیس منٹ تک گھر پہنچ جاؤں گا۔"
کال منقطع ہو گئی، اور کچن میں صرف
خاموشی باقی رہ گئی۔ ہر کوئی اپنے اپنے
کام میں مشغول ہو گیا، لیکن اس
خاموشی کے پیچھے دلوں میں ایک طوفان
برپا تھا۔

*******

مہروز اور برحان گھر پہنچ گئے تھے، وہ
رات بھر مہمانوں سے ملتے رہے۔
مہروز کے باقی دوست بھی وہ رات وہیں
رکے۔
اگلے روز بھی مہمانوں کی آمد جاری
رہی، آج یوشاکا خاص طور پر آیا تھا۔
یہ قریباً ظہر کا وقت تھا جب وہ آ کر فدا
حسین سے ملا۔
دونوں کی آنکھیں خشک تھیں، مگر
چہروں پر غم کے تاثرات واضح تھے۔

کچھ دیر بعد یوشاکا اندر آ کر ماہین اور محراب سے ملا۔

محراب اسے دیکھتے ہی پھر سے روہانسی ہوگئی۔

گفتگو کے دوران یوشاکا نے کہا، "مجھے پتہ ہوتا یہ سفر اتنا تکلیف دہ بن جائے گا، تو میں خاور کو کبھی نہ آنے دیتا۔"

"آنکل، مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے، لیکن یہاں نہیں۔ یہاں بہت شور ہے۔ آپ میرے ساتھ ایک جگہ چل سکتے ہیں؟"

ماہین نے سوال کیا۔ اس کا لہجہ صاف اور دو ٹوک تھا۔

یوشاکا اس کی بات سن کر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم باہر آؤ، میں وہیں کھڑا ہوں۔" ماہین نے سر کو خم دیا۔

"کیا پوچھنا ہے ان سے؟ میں بھی ساتھ چلوں گی۔" محراب نے ماہین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں! تم رکو، میں جا رہی ہوں۔ مجھے ارسل کے فرار کے متعلق کچھ بات کرنی ہے۔"

محراب ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں لگتا ہے یہ سب ارسل کا کیا دھرا ہے؟"

"نہیں، ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔ اگر ارسل سامنے آگیا تو وہ شخص بھی سامنے آ جائے گا۔"

محراب نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ "کاش یہ ارسل میرے سامنے ایک بار آجائے، کتے کی موت ماروں گی اسے، خدا کی قسم۔" محراب شدید غصے میں بولی۔

ماہین نے اٹھتے ہوئے محض اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اسے اپنی طاقت بڑھانی تھی۔

کچھ لمحے بعد وہ یوشاکا کے ساتھ گھر کی پچھلی جانب گئی، جہاں مسجد اور اس کے ساتھ پارک تھا۔

ماہین اور یوشاکا پارک کے پرسکون گوشے میں پہنچے، جہاں لکڑی کے دو بینچ آمنے سامنے خاموشی سے ایستادہ تھے۔ ان کے درمیان ایک چھوٹا لکڑی کا میز تھا۔ بینچوں کے اوپر ایک جھونپڑی جیسی چھت تھی، جو سورج کی ہلکی روشنی کو نرم سا سایہ عطا کر رہی تھی۔ دور کہیں سے بچوں کے جھولے کی مدھم آوازیں آ رہیں تھی، جیسے خوشیوں کے کچھ ذرے ہوا میں بکھر رہے ہوں۔ پیچھے مسجد اور اس کا بلند و بالا مینار اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ دکھائی دے رہا تھا،

وہی مسجد جسے ماہین اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہر روز دیکھا کرتی تھی۔
یوشاکا ایک بینچ پر بیٹھ چکا تھا، جبکہ ماہین نے دوسرے بینچ کو چن لیا، دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک پردہ سا حائل تھا۔
دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ماہین نے سفید رنگ کی سادہ فراک پہن رکھی تھی اور سر پر سفید حجاب باندھا ہوا تھا۔
اس نے انگلی میں اپنی ہری تسبیح کاؤنٹر پہن رکھا تھا، جس پر تعداد لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔
یوشاکا کالے رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے کلین شیو کر رکھی تھی۔
مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے انکل!"
ارسل وہاں سے فرار کیسے ہوا؟ کیا

ملیشیا کی پولیس اتنی ناکارہ ہو گئی
ہے؟"
وہ کسی ملکہ کی طرح سوال کر رہی
تھی، اس کے الفاظ کی نزاکت اور آنکھوں
کی معصومیت سب غائب تھے۔
یوشاکا اس کے انداز پر ٹھٹھکا تھا، لیکن
پھر سپاٹ لہجے میں جواب دیا، "اس کی
کسی نے مدد کی ہے، ماہین، فرار ہونے
میں۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ
اس شخص تک پہنچا جائے، لیکن ہماری
تفتیش کے مطابق ارسل پاکستان میں
ہے۔"
ماہین نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال
کر، اپنی کہنیاں میز پر رکھتے ہوئے تحمل
سے مگر صاف انداز میں کہا،
"توان پیگاوائی! مجھے بتائیں، ارسل آپ
کے زیرِ نگرانی سے کیسے فرار ہوا؟ دو
پہلو ہیں اس کے: یا تو اس کے ایسے

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

خطرناک مجرم دوست □یں جو اس□
آسانی س□ فرار کروا کر پاکستان بھیجوا
سکت□ □یں، یا آپ ک□ سٹاف ن□ اچھی
خاصی رشوت لی □□□" (توان پیگاوائی
ملائی زبان میں محترم آفسر کو ک□ت□
□یں)□

یوشاکا اس وقت ما□ین کو آنکھیں پھاڑ□
دیکھ ر□ا تھا□

"تم مجھ پر الزام لگا ر□ی □و؟" و□ دب□
دب□ غص□ میں بول□□

"ن□یں، توان یوشاکا، میں آپ ک□ سٹاف پر
الزام لگا ر□ی □وں□"

"ما□ین! مجھ□ اپن□ سٹاف پر پورا یقین
□□□ ارسل کو کسی اور ن□ بھگایا □□□"

"آپ کی بات پر کوئی شک ن□یں □□، و□
خود س□ تو کبھی فرار ن□یں □و سکتا،
کسی ن□ اس کی مدد کی □□، اور و□ مدد

آپ کے سٹاف کے ذریعے وہاں پہنچی ہے۔"

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس بات کا؟"

"آپ کو اسی جیل میں قید کر دیا جائے، تو کیا آپ کو کوئی راستہ ملے گا وہاں سے فرار ہونے کا، توان یوشاکا؟ سوائے اس بات کے کہ کوئی آپ کے سٹاف میں سے آپ کی مدد کرے؟"

یوشاکا اسے دیکھتے رہے۔ "ٹھیک ہے ماہین، میں اس الزام کی تفتیش کروں گا۔" ان کے چہرے پر غصے کی جھلک نمایاں تھی۔

"ایک اور بات جاننی ہے مجھے آپ سے انکل!"

"جو پوچھنا ہے آج ہی پوچھ لو، میری رات کی ٹکٹ ہے، مجھے تفتیش شروع کرنی ہے۔" وہ چبا چبا کر بولے۔

"بس ایک سوال۔ بابا کیا جانتے تھے کہ وہ
اتنی جلدی پاکستان آئے؟"
اس کی آواز آخر میں لڑکھڑا گئی۔ وہ
جانتی تھی، مگر پھر بھی پوچھنا چاہتی
تھی۔
"چودہ اپریل کو ایک شخص ارسل سے
ملنے گیا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ
کی چھ انگلیاں تھیں۔ کچھ خاص واضح
نہیں ہے اس کے بارے میں، لیکن جب میں
نے یہ بات خاور کو بتائی تو اس نے کہا،
'مجھے فدا حسین سے ملنا ہے۔' میرے وجہ
پوچھنے پر اس نے کہا تھا، 'میرے خونی
رشتے نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔' مجھے لگتا
ہے اسے کسی قریبی پر شک۔"
ماہین نے تیزی سے انہیں ٹوکا، "نہیں،
شک نہیں، بابا کو یقین تھا۔"
یوشاکا نے سر ہلا دیا۔
"اور کوئی سوال؟"

"نہیں، بس یہی پوچھنا تھا۔" ماہین
نظریں نیچے کیے بولی۔
یوشاکا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، جب
پیچھے سے ماہین بولی، "انکل! آپ بابا کی
فیکٹری اور بزنس کچھ عرصہ دیکھ لیں
گے؟ مجھے آپ کے علاوہ کسی پر بھروسہ
نہیں اس معاملے میں۔"
یوشاکا سامنے کھڑا کچھ دیر اسے دیکھتا
رہا، پھر بولا۔
"سمجھو یہ میری اولین ذمہ داری ہے،
تمہاری واپسی تک اسے نقصان نہیں
پہنچنے دوں گا۔ لیکن ہاں، میں بھاری
سیلری لوں گا اس کی۔"
ان کی آخری بات پر وہ ہلکا سا مسکرا
دی۔ یہ اس کی پہلی مسکراہٹ تھی دو
دنوں میں۔
"اپنا اور محراب کا خیال رکھنا ماہین۔"

یوشاکا وہاں سے چلا گیا۔ مائین وہیں کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے اونچی آواز میں پکارا، "اگر تمہاری جاسوسی ختم ہو گئی ہو، تو سامنے آؤ میرے!"

*******

# باب 7
# شہہ مات

"اگر تمہاری جاسوسی ختم ہوگئی ہو، تو سامنے آؤ، میرے!" وہ اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھی رہی۔

چند لمحوں کا توقف ہوا، پھر ایک سلائیڈ کے پیچھے سے برحان نکلتا ہوا سامنے آیا۔

وہ سیدھا جا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا،
جہاں کچھ دیر پہلے یوشاکا بیٹھا تھا۔
ماہین جب گھر سے نکلی تھی، تو وہ
برحان کو اپنا پیچھا کرتے دیکھ چکی تھی۔
وہ ارسل کی وجہ سے ویسے بھی ارد گرد
نظریں دوڑاتی رہتی تھی۔ ماہین اب اسے
بنا کسی تاثر کے گھور رہی تھی، جبکہ وہ
اس کے سامنے مسکراتے ہوئے بیٹھا تھا۔
"کیا تم اتنے بڑے پرائیویٹ انویسٹیگیٹر
ہو؟" ماہین اس کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈالے بولنے لگی۔
"نہیں تو! میں خود چاہتا تھا تم مجھے
دیکھ لو۔" وہ اسی طرح مسکراہٹ کے
ساتھ بولا۔
"تو کیا تمہیں ملائی زبان آتی ہے،
انویسٹیگیٹر صاحب؟ یا تم نے بس اپنا وقت
ضائع کیا ہے؟"

نہیں، مجھے نہیں آتی، نہ مجھے تم" لوگوں کی باتیں سمجھ میں آئی۔ کتنا گندا بولتے ہو تم لوگ، کچھ پلے ہی نہیں پڑتا۔"

تو کیسا لگا اپنا وقت ضائع کر کے؟""

ماہین کو اس کے انداز پر غصہ آ رہا تھا۔

کس نے کہا وقت ضائع ہوا ہے؟ کیا" تمہیں پاکستان میں کسی نے نہیں بتایا، ماہین، میں کتنا سمجھدار اور بہترین انویسٹیگیٹر ہوں؟" یہ بولتے ساتھ ہی وہ اپنا موبائل نکال کر ماہین کے سامنے کرنے لگا۔

جس پر ایک چیٹ اوپن تھی، نیزا نام سے۔ برحان نے اپنی کسی ملایشیا میں موجود جاننے والی خاتون کو یوشاکا اور ماہین کی بات چیت کی ساری ریکارڈنگ کر کے بھیجی تھی، جس کے جواب میں اس نے

ساری بات کو انگلش میں ترجمہ کر کے بتایا تھا۔

ابھی برحان نے وہ ترجمہ نہیں پڑھا تھا، لیکن اب بہت سکون سے وہ ماہین کو پڑھ کر بتا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا، تو ماہین کا غصہ اس وقت برداشت سے باہر تھا۔

"تم خود کو بہت عقلمند سمجھتے ہو، برحان؟ اگر تم نے یہ بات کسی اور تک پہنچائی، تو پتہ ہے میں کیا کروں گی؟"

"تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟ میں کوئی برا انسان نہیں ہوں۔ نہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔" برحان کو جیسے اس کا انداز برا لگ رہا تھا۔

"تم اچھے ہو یا برے، مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ تمہیں اگر میں نے دوبارہ اپنی جاسوسی کرتے دیکھا تو میں بہت برا پیش آؤں گی۔"

برحان کا قہقہہ گونجا۔ "کیا کرو گی تم؟
تم ایک تیز ترین انویسٹیگیٹر کو اغوا کر کے
ٹارچر تو نہیں کر سکتی نا۔"
"میں ایک رائٹر ہوں، برحان شیخ۔ اور ہم
رائٹرز لفظوں کے ہتھیار استعمال کرتے
ہیں۔ میں جا کر مہروز کو بتا دوں گی کہ
کس طرح سے تم نے خدیجہ کا جی-میل
ہیک کر رکھا تھا۔"
اس نے اپنی بات مکمل کی، اور اب سکون
سے کچھ پیچھے کو ہوئی۔
برحان اس کی بات سن کر ایک جھٹکے
سے سیدھا ہوا، جیسے اسے سانپ سونگھ
گیا ہو۔
"کیا بکواس ہے یہ؟" وہ بھڑک کر بولا۔"
"برحان شیخ، میری باتوں کا مطلب تم
بہت اچھے سے جانتے ہو۔ خدیجہ معصوم
ہے، اسے لگتا ہے تم اس کی حفاظت
کرنے آئے تھے، لیکن مجھے بتاؤ، اس نے تو

تمہیں نہیں بلایا تھا۔ تمہیں کیسے پتہ چلی یہ بات کہ اس کا کلاس فیلو اسے تنگ کر رہا تھا؟"

وہ کہنیاں میز پر رکھے، اب بہت اطمینان سے اپنی بات مکمل کر رہی تھی۔

"اپنی حد میں رہو لڑکی، ایسا کچھ نہیں ہے۔ نہ میں نے اس کے ساتھ کبھی کچھ غلط کیا ہے۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"تو کس حق سے اس کے اکاؤنٹس ہیک کیے ہوئے تھے؟ کیا تم اس بات سے انکاری ہو کہ وہ تمہیں پسند تھی؟ یا تمہاری ہیکنگ کے پیچھے کچھ اور وجہ تھی، برحان؟" وہ لفظ بہ لفظ چبا چبا کر بولی۔

برحان آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا جواب دے۔

"محبت نہیں ہے مجھے اس سے، مجھے
پرواہ ہے اس کی۔ میں ان دنوں
مہروز کو بلانے گیا تھا گھر سے، میں
دروازے پر کھڑا تھا جب وہ صحن میں اپنی
کسی دوست کو ہنستے ہوئے بتا رہی تھی
کہ کسی نے اسے دھمکی دی ہے۔ میں نے
بس اس کی آئی ڈی ہیک کر کے اس لڑکے
کی معلومات نکالی تھی اور اس کا علاج
کیا تھا۔"

اب کی بار برحان کا لہجہ دھیما تھا، اور
وہ صاف انداز میں ماہین کو ساری بات
بتا گیا۔

ماہین اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بتا
سکتی تھی کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول
رہا۔

"تم نے جو بھی کیا، یہ ایک نامعقول حرکت
تھی، تم مہروز کو بھی بتا سکتے تھے۔ یہ

اس کا معاملہ تھا، تمہارا نہیں۔ میں
"جانتی ہوں، وجہ کچھ اور تھی۔
وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ برحان کے
لیے یہ سب کافی تھا، اپنا منہ
بند رکھنے کے لیے۔
ماہین کے چند قدم آگے بڑھے، برحان بھی
کھڑا ہوا اور بغیر مڑے اونچی آواز میں
،بس اتنا کہا
تم صحیح ہو، پسند تھی وہ مجھے۔ لیکن"
مجھے جلد احساس ہوگیا کہ وہ میرے
ٹائپ کی نہیں ہے۔ ہم ایک ساتھ نہیں
چل پائیں گے کبھی، اس لیے میں نے اپنے
دماغ سے اس کا خیال نکال دیا۔ کیا میں
نے غلط کیا تھا؟ میں جسے بھی اپنے ساتھ
باندھتا، محبت سے باندھتا۔ اور جس سے
محبت نہ ہو، اسے خود کے ساتھ جوڑنے کا
ظلم کیسے کر سکتا تھا؟ اور وہ مہروز
کی بہن ہے۔ میں اس کی ہمیشہ سے

عزت کرتا ہوں۔" آخر پر اس کی آواز میں نرمی گھلی تھی۔

(آہ، کتنا ظالم تھا یہ شخص، دوسروں کے معصوم دلوں میں محبت کا بیج بو کر، خود پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔)

ماہین نے چند لمحے آنکھیں بند کیے سوچا اور بغیر کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے جلد اوجھل ہوگئی۔ کچھ آگے پہنچ کر، اسے ٹھنڈ محسوس ہونے لگی۔ ٹھنڈی، پرسکون ہوا اس کے ارد گرد ہولا بنائے ہوئے تھی۔ وہ ہاتھ باندھے چلتی گئی، ایک نظر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا۔ بے اختیار اسے یاد آیا:

(اچھا بتاؤ، تمہاری طرف سب خیر ہے نا؟ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ، تمہارا باپ ابھی زندہ ہے۔)

آہ بابا! اب کسے بتاؤں؟ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر گالوں پر جذب ہوگئے۔ دل میں ایک خالی پن سا تھا، جو شاید اب کبھی بھرنے والا نہیں تھا۔

ایک ٹھنڈی ہوا چلی، ماہین کے کپڑے آگے کی طرف لہرانے لگے۔

وہ ہاتھ باندھے گلی کی ایک طرف چل رہی تھی۔

جب اس کے کانوں کے نزدیک خاور کی آواز گونجی۔ وہ آواز آہستہ تھی، لیکن اس نے ماہین کے قدم چند لمحوں کے لیے منجمد کر دیے۔

"اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو۔ جو دنیا کا مالک ہے، بس نام اسی کا لیا کرو۔"

شاید اس کا دماغ تھا، جو خاور کی قید شدہ باتیں بار بار ماہین کو سناتا تھا۔

ماہین مڑ کر دیکھنے لگی، سامنے مسجد

کی پشت تھی۔ اس کی گالوں پر آنسو
تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ وہیں کھڑی،
مسجد کو دیکھتی رہی۔
"یہ واقعی کوئی سیراب ہے یا آپ مجھ
تک بابا کی آوازیں پہنچا رہے ہیں اللہ
جی؟ مجھے بابا کی خوشبو آ رہی ہے،
میری سماعتوں سے ان کی آوازیں ٹکراتی
ہیں۔ مجھے لگتا ہے، وہ میرے ہی پاس
ہیں۔ کیا میں ابھی تک ان کا جانا قبول
نہیں کر سکی؟ کیا ہو رہا ہے مجھے؟"
وہ مسجد کو دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں
بول رہی تھی۔
اسے سامنے سے برحان آتا دکھائی دیا۔ وہ
شاید پارک سے ابھی اٹھا تھا۔
ان دونوں میں تھوڑا ہی فاصلہ تھا۔
ماہین اسے دیکھتے ساتھ گھومی۔ اپنے
ہاتھوں سے آنسوؤں کو صاف کیا۔

برحان پیچھے سے چلتا ہوا بولنے لگا، اس کی آواز صاف تھی جو ماہین تک پہنچ رہی تھی۔

"یہ کوئی سیراب نہیں ہے ماہین۔ وہ آوازیں ہم تک پہنچتی ہے، بلکہ اوپر سے پہنچائی جاتی ہیں۔ ماں باپ کی خوشبو، ان کے ہونے کا احساس، ان کی باتیں ہر چیز۔"

ماہین نے آنکھیں صاف کر کے، واپس مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے بے نیازی سے چل رہا تھا۔

"مجھے اکثر میری ماں اپنے پاس محسوس ہوتی ہے۔ میں جب رات کو اکیلا ہوتا ہوں، تو لگتا ہے وہ آج بھی میرا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے ہے۔ اور میں انہیں بتا رہا ہوتا ہوں، کہ میں اکیلا ہوں۔ اگر میری زندگی میں مہروز نہ ہوتا تو میں کب کا تنہائی سے مر چکا

ہوتا۔ ماں پیار سے میرا سر سہلاتی ہے،
بولتی کچھ نہیں بس مجھے اپنی بوڑھی
آنکھوں سے دیکھتی جاتی ہے۔ حتی کہ
"میں نیند آغوش میں چلا جاتا ہوں۔
وہ یہ بولتا ہوا، اس کے قریب آ پہنچا۔
ماہین خاموشی سے کھڑی اسے دیکھے
گئی۔ وہ رکے بغیر، اس کے پاس سے ہوتا
آگے بڑھ گیا۔
ان کی وفات کو گزرے کتنے سال"
ہوگئے؟" ماہین واپس مڑ کر، اس کے
پیچھے چھوڑے قدم اٹھا رہی تھی۔
شاید کوئی صدی گزر گئی ہوگی۔" اسے"
نہیں یاد تھا، اس کی ماں کو گزرے کتنا
عرصہ گزر چکا تھا۔ اس کے لیے تو یہ
فاصلہ صدیوں کی مانند تھا۔
کیا صدیوں تک ماں باپ اسی طرح ساتھ"
"رہتے ہیں؟

ماہین کی آواز پر وہ رکا، اسی طرح بغیر مڑے۔ "ماں باپ چلے بھی جائیں، تو بھی ساتھ رہتے ہیں۔ جب تک ہم انہیں تحفے بھجواتے رہیں گے، ہم انہیں اپنے ساتھ ہی پائیں گے۔ ہمارے اچھا اور برے دنوں میں وہ خوابوں کے زریعے ہمارے ساتھ شامل ہونگے۔"

"اور ان کی خوشبو؟" ماہین بے اختیار بولی۔

برحان نے ایک نظر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، پھر اسی طرح نرمی سے بولا۔ "ہم ان کے بدن کا حصہ ہیں۔ ہمارا وجود ان کے وجود سے جڑا ہے۔ ان کی خوشبو تو ہمارے اندر بسی ہے۔ وہ کیسے زائل ہو سکتی ہے نالائق؟"

وہ نرمی سے بولتا، تیز تیز قدم اٹھاتا گلی کے موڑ کے ساتھ مڑ گیا۔ ماہین اپنے چھوٹے قدم اٹھاتی پیچھے رہ گئی۔

*******

ماہین اسی طرح چلتے ہوئے فدا حسین کے گھر کی گلی میں داخل ہوئی۔
گھر کے باہر اب رش پہلے سے کم ہو چکا تھا۔ مردوں کی محفل بکھر رہی تھی، لوگ آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے تھے، اور اب صرف قریبی رشتے دار آ جا رہے تھے۔
دور سے ہی اس نے مہروز کی ایک جھلک دیکھی۔ وہ کسی سے مصافحہ کر کے پلٹ رہا تھا کہ ان کی نظریں مل گئیں۔ وہ اکیلی، دھیما قدم اٹھاتی، گھر کی جانب چل رہی تھی، رات سے ابھی تک ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔
مہروز بے اختیار اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ماہین کے قدم سست پڑ چکے تھے، جیسے ان میں اب وہ ہمت نہیں رہی تھی۔ جب اس نے مہروز کو اپنی طرف آتے دیکھا تو

فوراً نظریں جھکا لیں اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے خود کو سنبھال لیا۔ اپنے اندر کی کمزوری کو چھپانے کے لیے۔

اسے دوبارہ اپنی شخصیت کو مضبوطی کا لبادہ اوڑھنا پڑا۔

"تم ٹھیک ہو؟" مہروز نے اس کے قریب پہنچ کر نرم مگر فکر مندانہ لہجے میں سوال کیا۔ مہروز کے چہرے پر کوئی واضح تاثر نہیں تھا، مگر آنکھوں میں چھپی تشویش کو ماہین محسوس کر سکتی تھی۔

ماہین نے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چلنا جاری رکھا، مہروز بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ہلکے سے جواب دیا، اس کے لہجے میں کوئی جذبہ نہ تھا۔

مہروز نے ایک لمحے کے لیے سامنے سے
نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔
"میں نے پوچھا، تم ٹھیک ہو؟" اس کے
لہجے میں ہلکی سی ضد تھی، مگر آواز
میں اب بھی وہی سادگی تھی۔
ماہین نے نظریں اٹھا کر مہروز کی
آنکھوں میں دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں
ملیں، اور پھر مہروز نے نظریں چرا لیں۔
پتہ نہیں اس کی آنکھوں میں ایسا کیا
سحر تھا جو وہ چند لمحوں سے زیادہ ان
کا سامنا نہیں کر پاتا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔" ماہین نے نرمی سے
کہا، "تمہیں قاتل کے بارے میں کوئی
معلومات ملی؟"
مہروز نے نظریں نیچی کیے جواب دیا،
"نہیں، پولیس کو ابھی تک قاتل نہیں ملا۔
کیمرے میں ایک شخص کی تصویر آئی ہے،
لیکن وہ ماسک میں تھا، گولیاں چلا کر

بھاگ گیا۔ پولیس ابھی تک اس کی تلاش میں ہے۔"

"میں نے پولیس کا نہیں پوچھا۔ تمہیں قاتل ملا یا نہیں؟"

مہروز سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"مہروز! بابا کے جنازے میں شرکت کرنے سے زیادہ ضروری کام تمہارے لیے کیا تھا؟"

مہروز چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے بولا، "ہاں، ٹھیک ہے۔ وہ میرے قبضے میں ہے، لیکن وہ بھاڑے کا قاتل ہے۔ اصل مجرم کوئی اور ہے۔ میں جلد ہی اس سے سب کچھ اگلوالوں گا، مگر تم اس معاملے سے دور رہو۔"

مہروز کی بات میں نرمی تھی، مگر وہ دو ٹوک انداز بھی تھا۔

ایک روز پہلے، مہروز اور برحان نے اس جگہ کی مکمل جانچ کی تھی جہاں خاور کو گولیاں لگی تھیں۔

اور وہ دونوں، چار گھنٹے کے اندر ہی اس کرائے کے قاتل تک پہنچ گئے تھے۔ اب مہروز نے اسے ایک محفوظ جگہ پر رکھا تھا، جہاں نہ پولیس پہنچ سکتی تھی، نہ کوئی اور۔ اسے خود اس معاملے کی تہہ تک پہنچ کر اصل مجرم کو بے نقاب کرنا تھا۔

وہ دونوں اس قاتل کا تعاقب کرتے اس کے گھر گئے تھے۔

مہروز نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے قاتل کا گریبان جکڑ لیا تھا، اور برحان پیچھے کھڑا اس کے گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے، تسلی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

“Your case. Deal with it.” برحان نے
بےنیازی سے کہا تھا، جیسے یہ سب کچھ
مہروز کے لیے چھوڑ دیا ہو۔
مہروز کی آنکھوں میں ایک عجیب
خونخوار سی چمک تھی، جو کسی بھی
دشمن کو ہلا دینے کے لیے کافی تھی۔ اس
کی ہر حرکت میں ایک وقار اور رعب
تھا۔ وہ اگلے کو برف بنانے کی صلاحیت
رکھتا تھا۔
اس وقت وہ ایک ایسے روپ میں تھا جسے
برحان کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔
ماہین نے گہری نظر سے اسے دیکھا، پھر
بولی، "پولیس کو کیوں نہیں بتایا تم نے؟
"ہنہہ، اگر وہ اتنے قابل ہوتے تو قاتل
میری بجائے ان کی گرفت میں
ہوتا۔"

ہم ماسٹر مائنڈ تک پہنچ جائیں گے،"
مجھے یقین ہے۔ لیکن اس شخص کو بھی
"چھوڑنا مت۔ اس کا منہ توڑ دینا مہروز۔
یہ کہہ کر ماہین گھر کے اندر چلی گئی۔
مہروز اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، یہاں
تک کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

*******

قریباً تین دن بعد تمام مہمان واپس جا
چکے تھے۔ یہ ناشتے کرنے کا وقت تھا اور
میز کی سربراہی کرسی پر فدا حسین
بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی دائیں طرف
مہروز، خدیجہ، رمشہ اور اسداللہ تھے،
جبکہ بائیں طرف تائی شہناز، ماہین،
محراب اور بھابھی شارفہ موجود تھیں۔
ہاجرہ عدت میں تھی، تو وہ کمرے سے
کم ہی نکلتی تھی۔ محراب ان کے کمرے
میں شفٹ ہوگئی تھی۔ ماہین دن بھر ان
کے ساتھ رہتی اور رات

کو خدیجہ کے کمرے میں چلی جاتی۔
پانچ منٹ کے اندر ماہین اور محراب نے ناشتہ کر لیا، وہ بہت ہلکا سا کھا رہی تھیں کیونکہ کچھ کھانے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنی پلیٹیں آگے سرکائیں اور جانے کے لیے اٹھنے لگیں کہ فدا حسین نے انہیں روک دیا۔

"بیٹھو، مجھے کچھ بات کرنی ہے۔" آواز پر وہ دونوں واپس بیٹھ گئیں۔

"پولیس کی تفتیش ابھی جاری ہے، قاتل نامعلوم ہے، لیکن مجھے یقین ہے وہ جلد گرفت میں ہوگا۔"

"بابا کی ڈیتھ کو پانچ دن ہو چکے ہیں، تایا جان، ابھی تک پولیس اس قاتل تک نہیں پہنچ پائی؟" محراب نے دبے دبے غصے میں کہا۔ اس کا سرخ ہوتا چہرہ ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔

"وہ صرف ایک مہرہ تھا، محراب۔ اس سے قتل کروایا گیا ہے۔ وہ شخص جو اس کے پیچھے تھا، وہ کوئی اور ہے، کوئی ایسا جو جانتا تھا خاور کب پاکستان پہنچ رہا ہے۔" فدا حسین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ماہین خاموشی سے اپنے ہاتھ گود میں رکھے فدا حسین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کسی پر شک ہے؟" محراب نے پوچھا۔

"ہاں، وہ شخص جو ملائیشیا سے بھاگ کر پاکستان آیا ہے۔"

اب محراب نے ماہین کی طرف دیکھا، بلکہ وہاں موجود ہر شخص جانتا تھا کہ بات کس کے بارے میں ہو رہی ہے۔

"ہو سکتا ہے اس نے مدد کی ہو، لیکن میرے باپ کو قتل کرنے کے لیے اس کے

پاس کوئی ٹھوس وجہ نہیں۔ یہ کسی اور
کا کیا دھرا ہے، وہ بھی صرف ایک ذریعے
"کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔
ماہین نے صاف گوئی سے بات کی۔
"تو تمہارا خیال ہے کہ تمہارا سابقہ
شوہر بے قصور ہے؟" اسداللہ نے تنزیہ
ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔ اس
کی مسکراہٹ محراب نے بھانپ لی تھی۔
"شاید ہو بے قصور، یا نہ ہو، لیکن اصل
ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔" ماہین نے
اسی لہجے میں جواب دیا۔
مہروز خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا،
اسے معلوم ہو چکا تھا کہ ماہین اپنی بات
خود کر سکتی ہے۔ وہ عام لڑکیوں کی
طرح نہیں تھی جو جواب دینے کے لیے
کسی اور کی طرف دیکھتی ہو، بلکہ وہ
خود اپنے حق کے لیے کھڑی ہو سکتی

تھی۔ خود ٹکر کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

خدیجہ، ماہین کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ماہین پرسکون دکھائی دے رہی تھی، لیکن اس کی رنگت آہستہ آہستہ زرد پڑ رہی تھی، جیسے اس کا خون نچوڑا جا رہا ہو۔

فدا حسین نے ماہین کی بات سنی اور سر ہلاتے ہوئے کہا، "ٹھیک ہے، میں تمہارا یہ مؤقف پولیس کے سامنے رکھوں گا۔ باقی میں ملائیشیا سے تم لوگوں کا سامان منگوا لیتا ہوں۔ تم لوگ یہیں رہنا اب۔ اپنے گھر میں۔"

ماہین نے گہری سانس خارج کی اور بولی، "سامان مت منگوائیں، تایا جان۔ ہم امی کی عدت پوری ہونے تک یہاں رہیں گے۔ اس کے بعد واپس چلے جائیں گے، غالباً نومبر میں۔"

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

نومبر کہتے ہی ماہین کے دل میں کرب
سا اٹھا۔ خاور نے اسے واپس لوٹنے کا
نومبر تک وقت دیا تھا۔ بے اختیار خاور کی
بات اس کی سماعت میں گونجی، (خیال
رکھنا ماہین، جلد واپس آنے میں کچھ دیر
بعد کال کروں گا، تب تک تم کاوا پی چکی
ہو اور تمہارا سر درد ختم ہو چکا ہو۔)
اس کے دل میں ٹھیس سی اٹھی۔
فدا حسین اس کی بات سن کر حیرت سے
اسے دیکھنے لگے، "وہاں اکیلے کیسے رہو
گے تم لوگ؟"
ماہین کے چہرے پر دھیمی سی
مسکراہٹ آئی، "سیکھ لیں گے۔ بابا کا
بزنس میں اور محراب مل کر چلائیں
گے۔"
رمشہ تیوری چڑھا کر بولی،
"لڑکی، تمہیں میرے باپ پر اعتبار نہیں؟"
"ویسے تو بہت تایا جان کرتی رہتی ہو۔"

اس کا لہجہ محراب کو کھٹکا، لیکن وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔ ساتھ ہی اسداللہ بولنے لگا، "ویسے، آپ لوگ برا نہ مانیں تو۔۔۔"

"سوری، ہم لوگ مانتے ہیں برا"، اسے ٹوک کر محراب کاٹ دار لہجے میں بولی۔ اسداللہ اسے گھورنے لگا۔ اس کی بات پر مہروز کی معنی خیز مسکراہٹ نکلی۔

ماہین اسداللہ اور رمشہ کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے، فدا حسین سے کہنے لگی، "بزنس میں آپ تیس فیصد کے شیئر ہولڈر ہیں، باقی کا ستر فیصد ہمارے پاس ہے، اور وہ ہمارے پاس ہی رہے گا۔ مجھے خود پر یقین ہے، میں ان ستر فیصد کا خیال رکھ لوں گی۔"

ماہین نرمی سے گویا ہوئی تھی۔ اس کی آواز میں نہ غرور تھا، نہ تیکھا پن، بس وہ

بہت سادگی سے سب کو اپنا حق بتا رہی تھی۔

"تمہیں یوشاکا پر اپنے تایا سے زیادہ بھروسہ ہے؟" فدا حسین نے سوال کیا۔ انہیں علم ہو چکا تھا کہ اس وقت سارا کام یوشاکا سنبھال رہا ہے۔

"ہم انہیں بچپن سے جانتے ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں، لیکن یقین کریں، ان میں بہت ایمانداری ہے۔ مجھے اس وقت کوئی ایسا انسان چاہیے تھا جو ملائیشیا میں رہ کر بزنس دیکھے، اور مجھے یوشاکا سے زیادہ قابلِ اعتبار اس معاملے میں کوئی نہیں لگا۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ کوئی انسان مفت میں اپنا کام چھوڑ کر تمہارے باپ کا اتنا بڑا بزنس دیکھے گا؟" فدا حسین کو یوشاکا پر اتنا یقین نہیں تھا۔

"مفت میں؟ تایا جان، وہ ایک بھاری سیلری لے رہا ہے۔ پیسوں کے معاملے میں وہ بہت محتاط ہیں، اور اس وقت مجھے اس پر پورا اعتبار ہے۔" ماہین سادہ لہجے میں کہتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی، ساتھ محراب بھی اٹھ گئی۔
"میں چلتی ہوں، مجھے تیار ہونا ہے۔ بابا کی قبر پر جانا ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔
فدا حسین خاموشی سے اپنا کھانا مکمل کرنے لگے۔ وہاں موجود ہر شخص کی نظریں ان پر تھیں۔
کمرے میں پہنچنے کے بعد، ماہین نے محراب کو ساتھ چلنے کا کہا، لیکن اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا، "میں سنبھلنے کی کوشش کر رہی ہوں، اگر ابھی وہاں گئی تو برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ مجھے کچھ وقت دو۔"

ماہین نے اس کی بات سمجھ کر سر ہلا دیا۔
ہاجرہ ان دونوں سے مخاطب ہوئیں، "تمہارے باپ کے کاروبار پر نظریں جمائے بیٹھے ہوں گے۔ کسی کو ایک کوڑی بھی نہ دینا۔ تمہارے باپ نے اکیلے بڑی محنت سے یہ سب کچھ کمایا ہے۔"
ماہین نے ان کی بات سن کر مسکراتے ہوئے جواب دیا، "امی، پریشان مت ہوں۔ تایا جان ایسے ہوتے تو بابا کبھی انہیں تیس فیصد کا مالک نہ بناتے۔ انہوں نے ہمیشہ ایمانداری سے اپنی ذمہ داری نبھائی ہے۔"
"ہاں، مگر رمشہ اور اس کا بےہودہ شوہر ضرور ہم پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ ذلیل!" محراب نے غصے سے کہا۔
ماہین خاموشی سے اٹھ کر تیار ہونے چلی گئی۔ اس نے خدیجہ سے ساتھ

چلنے کو کہا تھا، اور کچھ دیر بعد وہ دونوں زینے اترتی نیچے آئیں۔ ماہین نے ہلکے جامنی رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی، سر پر حجاب باندھا ہوا تھا اور پاؤں میں سنیکرز تھے۔ خدیجہ نے خوشابی رنگ کی فراک پہنی ہوئی تھی اور اسی رنگ کا حجاب اوڑھ رکھا تھا۔
قبرستان وہاں سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا، انہوں نے پیدل چل کر جانا تھا۔ باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا نے ان کا استقبال کیا۔ اسلام آباد کا موسم دن بدن سرد ہوتا جا رہا تھا۔ گلی میں موجود درخت جھوم رہے تھے۔ وہ دونوں آگے بڑھنے لگیں، جب اچانک پیچھے سے ایک آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو مہروز ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح کالے رنگ کی شرٹ اور پینٹ

پہن رکھی تھی، اور ہاتھ میں سفید گھڑی
چمک رہی تھی۔
وہ زیادہ تر سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ہی
نظر آتا تھا۔ اس کے گھنگریالے
بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی
شخصیت میں ایک خاص کشش تھی جو
کسی کو بھی متوجہ کر سکتی تھی۔
اس کی آستینیں چڑھی ہوئی تھیں، اور
وہ ایک ہاتھ جیب میں ڈالے لمبے ڈگ بھرتا
ان کی جانب آ رہا تھا۔
ماہین اور خدیجہ نے ایک دوسرے کو
دیکھا۔
مہروز نے ان کے چہرے کی حیرانی دیکھ
کر اونچی آواز میں کہا، "آج میری چھٹی
تھی، سوچا ساتھ چلتا ہوں۔"
حقیقت میں، مہروز نے کھانے کی میز پر)
ماہین کو قبرستان جانے کا کہتا دیکھ کر
اپنے آج کے تمام منصوبے منسوخ کر چکا

تھا۔ خاور کی موت نے اسے اندر سے ہلا
کر رکھ دیا تھا۔ کوئی دشمن تھا جو ابھی
سامنے نہیں آیا تھا، اور وہ لوگ اس کے
ارادے نہیں جانتے تھے۔)
مہروز ان سے چند قدم آگے چل رہا تھا
جبکہ ماہین اور خدیجہ پیچھے۔
"محراب نہیں آئی؟" اس نے مڑے بغیر
پوچھا۔
"نہیں، ابھی ہمت نہیں جٹا پا رہی ہے۔""
ماہین نے سادہ انداز میں جواب دیا۔
مہروز نے سر ہلایا، "تم ٹھیک ہو؟" اس
بار اس نے مڑ کر ماہین کی طرف دیکھا،
ان کی نظریں ملیں، اور اس بار ماہین نے
نظریں جھکا لیں۔
"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنی آنکھوں
سے تکلیف جھلکنے نہیں دینا چاہتی تھی۔
"قاتل نے ایک نام لیا ہے، جس نے اسے
چاچو خاور کی تفصیلات دی تھیں۔"

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

اس کی بات سن کر ماہین کے پاؤں منجمد ہو گئے، گویا وہ چلنا بھول گئی۔ دل زور سے دھڑکا، "کون ہے وہ؟" بے ساختہ بولی۔

"ارسل۔ اس نے ارسل کا نام لیا ہے۔"

ماہین وہی کھڑے اسے دیکھنے لگی، "وہ جھوٹ بول رہا ہے مہروز۔"

مہروز نے آنکھیں سکوڑے اسے دیکھا، "ظاہر ہے، وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے کہا گیا ہے یہ نام لینے کو تاکہ اصل مجرم سے سب کا دھیان ہٹ جائے۔ لیکن ارسل بھی پاک صاف نہیں ہے۔"

آخری بات پر مہروز مڑ گیا، اور اونچے لہجے میں بولا۔

ماہین نے سر کو خم دیا۔ وہ بھی چلنے لگی۔

"بھائی، آپ نے ارسل کا نام کیسے اگلوایا
اس سے؟" اب سوال خدیجہ کی جانب
سے تھا۔
"رات ڈنر کا وعدہ کیا ہے میں نے اس سے،
میں نے کہا تم نام بتا دو ہم ڈنر کریں گے
آج، میری ٹریٹ ہے وہ خوش ہو گیا اور نام
بتا دیا۔"
اس کی بات سے خدیجہ نے منہ بسورا، وہ
جانتی تھی صحیح رگڑا ہوگا اسے۔
البتہ ماہین خاموشی سے ہاتھ باندھے سر
جھکائے چل رہی تھی۔
چند لمحے بعد وہ تینوں خاور کی قبر پر
کھڑے تھے۔ ماہین اسی طرح ہاتھ باندھے،
کھڑی زیر لب دعا کر رہی تھی۔ مہروز
اور خدیجہ ایک طرف کھڑے تھے، اور
ماہین دوسری جانب۔ اس کا چہرہ بے
رونق تھا، وہ خاموشی سے بس اس قبر

کو دیکھ رہی تھی، جس میں اس کا واحد دوست جا بسا تھا۔

پندرہ منٹ تک وہ ایسے ہی کھڑی ایک ہی جگہ نظریں ٹکائے ہوئے تھی۔

مہروز اور خدیجہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، انہیں لگا تھا شاید ماہین روئے، یا کچھ کہے۔ لیکن وہ خاموش تھی۔

چند لمحے بعد خدیجہ ماہین کے پاس گئی، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ "چلیں؟ یا ابھی رکنا ہے؟"

مہروز کی نظریں ہنوز ماہین کی آنکھوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

خدیجہ کے ہاتھوں کے لمس کے احساس پر ماہین نے چونک کر اسے دیکھا، پھر سر دھیرے سے سر ہلا دیا۔ جیسے جانے کو تیار ہو۔

اسے ہمیشہ قبرستان کو دیکھ کر اس جگہ سے ویرانی محسوس ہوتی تھی،

جیسے کسی سنسان کھنڈرات کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ لیکن اب، یہ جگہ اپنی سی ہوگئی تھی۔ شاید کسی اپنے کے وہاں رہائش پذیر ہونے پر وہ جگہ اپنے آپ اپنی سی ہو جاتی ہے۔

وہ تینوں وہاں سے واپس آنے لگے۔ جب قبرستان سے باہر نکل کر سامنے ایک پائے کی جگہ بنی تھی، مہروز اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور ماہین کو وہاں بیٹھنے کا کہا۔

"کیوں؟" ماہین نے صاف آواز میں پوچھا۔

"بیٹھو، ماہین!" مہروز کی گرجدار آواز نے ماہین کو بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بے اختیار وہاں جا بیٹھی۔ خدیجہ بھی جا کر مہروز کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

مہروز اب ماہین کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ دونوں کی نظریں ملی۔

"تم اس طرح کروگی تو اس تکلیف سے کبھی نجات نہیں پا سکو گی۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا، جیسے کوئی بڑا کسی بچے کو سمجھا رہا ہو۔

ماہین خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"ماہین، بلاشبہ یہ دکھ بہت بڑا ہے، تمہیں وقت چاہیے، لیکن جس طرح تم کر رہی ہو، یہ تمہاری ذہنی حالت کو بدتر بنا دے گا۔ اگر رونا آئے تو رو لو، تکلیف ہو تو بیان کرو، میں اور خدیجہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ٹھیک ہے تم مضبوط شخصیت ہو، لیکن اس مضبوط شخصیت کو لوگوں کے سامنے دکھاؤ، اپنوں کے سامنے نہیں ورنہ یہ تکلیف پگھلے گی نہیں، ہر بار نئے سرے سے تمہیں تکلیف دے گی۔"

ماہین اپنے ہاتھوں کو گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ اس نے مہروز کی نظروں سے

نظریں ہٹا کر اپنے ہاتھوں پر جما دیں، سر مزید جھک گیا۔ وہ تکلیف میں تھی، اس کا چہرہ اور آنکھیں تکلیف بیان کر رہی تھیں، لیکن لب خاموش تھے۔ وہ آہستہ سے بولی:

"میں برداشت نہیں کر پا رہی، مجھے لگتا ہے میرا دل بیمار ہو رہا ہے، خون رس رہا ہے۔ میرے ساتھ جڑے ہر انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، پہلے ایک ننھی جان میری وجہ سے روندھی گئی، اور اب میرا باپ۔ میں بہت تکلیف میں ہوں۔"

وہ لفظ بہ لفظ کہتی، آنکھیں بند کیے رونے لگی۔ لیکن اس کی آواز ابھی بھی مدھم تھی۔

مہروز اور خدیجہ اسے دیکھتے رہے، اسے تکلیف میں دیکھ کر دونوں کو شدید دکھ ہوا، بلکہ دکھ ایک چھوٹا لفظ تھا۔ خدیجہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ

رکھا۔ مگر مہروز مسلسل ماہین کو دیکھتا رہا، جو خاموش آنسو بہا رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ انہیں تکلیف اس لیے پہنچی کیونکہ یہ تمہاری ذات سے جڑے تھے؟ نہیں ماہین، نہیں۔ یہ قدرت کا لکھا ہوا تھا، اسے اس طرح ہی ہونا تھا۔ موت مقرر ہو چکی تھی، وجہ کوئی بھی بنتی، لیکن یہ اس وقت اور اس جگہ آ کر رہنی تھی۔ ماہین، میری بات سنو، دنیا سے جانے والے ہمیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے۔ تم یہ بات جانتی ہو نا؟"

ماہین نے سر ہلا دیا۔

"تو دیکھو، جو دنیا سے چلے جاتے ہیں، وہ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ جب بھی ہم تکلیف میں ہوتے ہیں، یا کوئی بڑا نقصان ہونے والا ہو، یا کوئی خوشی کی خبر ہو، اس سے پہلے ہمارے وہ لوگ، جو دنیا سے

جا چکے ہیں، ہمیں خواب میں دکھائی دینے لگتے ہیں، ہمیں اشارے دیتے ہیں، ہمیں تسلی دیتے ہیں، اور ہماری خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں، بس ہم انہیں روزانہ دیکھ نہیں سکتے، سن نہیں سکتے، لیکن یہ یقین اپنے اندر پختہ کر لو "کہ وہ ہمارے ساتھ ہی ہیں۔

مہروز کی بات سن کر ماہین کی نظریں دوبارہ مہروز پر جم گئیں۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، پچھلی راتوں میں کتنی بار اس نے خاور کو خواب میں دیکھا تھا۔ ہنستے مسکراتے، ماہین کو پیار کرتے، اور آنکھ کھلنے پر ماہین اسے خواب سمجھ کر پھر سے اداس ہو جاتی تھی۔

"میں جانتی ہوں، ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ انسان سب کو نظر آتا ہے۔ ہمیں

پیغام دیتا ہے۔" ماہین پہلی بار اپنی
روندھی ہوئی آواز میں بولی۔
مہروز نے سر دائیں بائیں ہلایا۔
"نہیں، صرف وہ جو اللہ کے دوست ہوتے
ہیں، خاص لوگ، جو نمازیں نہیں
چھوڑتے، جو شکوہ نہیں کرتے، اللہ کی
بات مانتے ہیں۔ پھر ان کے لیے یہ اللہ کی
طرف سے تحفہ ہوتا ہے کہ ان کے پیارے
خوابوں کی دنیا میں ملنے آتے ہیں۔" یہ
کہہ کر مہروز اٹھ کھڑا ہوا۔
ماہین نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اٹھ کر
خدیجہ کی طرف دیکھا، جس کی پلکیں
بھی گیلی تھیں۔ ماہین نے آگے بڑھ کر
خدیجہ کا ہاتھ تھام لیا اور چلنے لگی۔
مہروز آگے تھا اور وہ دونوں پیچھے، ان کا
راستہ قدم بہ قدم طے ہونے لگا۔
اس دوران ماہین کی نظر مہروز کی
گھڑی پر پڑی تھی، جس پر وقت دیکھنے

کے لیے نمبرز کی بجائے نمازوں کے اوقات درج تھے: فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔
اسے مہروز پر کچھ کچھ یقین ہونے لگا تھا، وہ یقین جو اس کا مردوں پر سے اٹھ چکا تھا۔

*******

تینوں گھر میں داخل ہوئے، اور اندر آتے ہی ایک نیا منظر ان کا منتظر تھا۔ سامنے لاؤنج میں، شاہ زیب پشت کیے کھڑا تھا، اس کے اردگرد بہت سے بیگز تھے۔ شہناز پلکیں نم کیے اپنے بیٹے سے مل رہی تھی۔ ساتھ حوریہ اپنے والد کی باہوں میں چہک رہی تھی۔ رمشہ، شارفہ اور فدا حسین پیچھے کھڑے تھے، گویا وہ سب مل چکے ہوں۔ ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ اور سکون چھایا ہوا تھا۔

خدیجہ اور مہروز اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے، پھر جلدی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔ شاہ زیب نے ان کی آہٹ پا کر مڑ کر دیکھا۔ وہ لمبا، جوان، اور خوبصورت مرد تھا، اس کی لمبی مڑی ہوئی پلکیں اور گہری سیاہ آنکھیں تھیں، سر پر گھنگریالے بال، جو کچھ آگے کو ماتھے پر بکھرے تھے۔ اس کا چہرہ صاف اور متوازن نقوش کا حامل تھا، جس میں مردانہ وجاہت جھلکتی تھی۔ اس کے انداز میں ایک خاص اعتماد اور نرمی تھی، جو اس کی پرسکون اور باوقار شخصیت کی عکاسی کرتی تھی۔

وہ مہروز اور خدیجہ کو دیکھ کر مسکرایا، پھر آگے بڑھ کر پہلے خدیجہ کو گلے لگایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر مہروز سے مضبوطی سے گلے ملا۔

اس کی نظریں دور کھڑی ماہین پر جا ٹکیں، جو اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی دس انگلیاں پوری تھیں، نہ ایک زیادہ، نہ کم۔

شاہ زیب کی آنکھوں میں تشویش تھی، وہ دیکھنے لگا کہ یہ ماہین ہے یا محراب؟ ماہین کے ماسک لگانے کی وجہ سے وہ اسے پہچان نہ سکا۔

ماہین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آئی، "ماہین۔ کیسے ہو شاہ زیب؟"

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو بچے؟" وہ نہایتی اپنائیت سے بولا۔

شور کی آواز پر محراب بھی کمرے سے نکلی۔ اس نے مہرون رنگ کی لانگ فراک پہن رکھی تھی، اور سر پر ڈھیلا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ ان سب کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی اور حیرانی سے اس نئے نوجوان

کو دیکھنے لگی۔ اسے چند لمحے لگے اسے پہچاننے میں، پھر وہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آئی، "اسلام علیکم شاہ زیب بھائی، آپ کب آئے؟"

شاہ زیب نے پلٹ کر اسے دیکھا اور کہا، "مجھے معاف کرنا، میں پہلے نہیں آ سکا، میرا کام رکا ہوا تھا۔ مجھے معاف کرنا بچوں۔" اس کے لہجے میں بے حد نرمی اور افسوس واضح تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" محراب نے سمجھداری سے سر ہلا دیا۔

"میں امی سے مل لوں۔" ماہین نے خاموشی سے کہا اور اندر چلی گئی۔

محراب وہیں کھڑی سب سے باتیں کرنے لگی۔

*******

رات کے کھانے پر سب اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ہر چہرے پر ہلکی

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

مسکراہٹ تھی۔ کھانے کے دوران، شاہ زیب مسکراتے ہوئے سب کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ وہ سب کے لیے تحائف لایا تھا۔

"محراب، پڑھائی مکمل ہوگئی؟ آگے کا کیا ارادہ ہے؟" اس نے اپنی گہری آنکھیں محراب پر جمائیں۔

محراب نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دینا شروع کیا،

"ڈگری تو مل گئی ہے، لیکن میں نوکری نہیں کرنا چاہتی۔ میں بزنس کرنا چاہتی ہوں۔ امی کی عدت کے بعد ہم واپس جا کر بابا کا بزنس سنبھالیں گے۔"

محراب کی بات سن کر رمشہ اور اسداللہ کی تیوریاں چڑھ گئیں، مگر آج وہ خاموش تھے۔

شاہ زیب نے سر ہلایا اور اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

تم دونوں کو بزنس کے داؤ پیچ آتے ہیں؟""
وہ دھیمے لہجے میں پوچھنے لگا۔
اس کی نظریں اب ماہین پر تھیں، لیکن دھیان صرف پلیٹ پر تھا۔
"سیکھ جائیں گے بھائی، ہم اکیلی تو نہیں ہیں، تایا جان ہمارے ساتھ ہوں گے۔"
محراب نے فدا حسین کی طرف دیکھتے ہوئے یقین دہانی چاہی۔
"بالکل! ہم فیملی ہیں اور فیملی کو اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔" فدا حسین سے پہلے شاہ زیب بول پڑا۔
ماہین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اور پھر فوراً نظریں جھکا لیں۔
"فیملی؟ ہنہہ..." ماہین نے دل میں سوچا۔
بھائی، آپ کا بزنس کیسا جا رہا ہے؟""
خدیجہ نے پوچھا۔

"اچھا چل رہا ہے، چاچو خاور کی طرح بڑا بزنس تو نہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد ہی بہت کامیاب ہوگا۔"

اس کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ کچھ دیر بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔

فدا حسین نے شاہ زیب کو اپنے کمرے میں بلایا۔

کمرے میں مدھم روشنی تھی، فدا حسین سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ وہ ہاتھ پیچھے باندھے کمرے میں چکر لگا رہے تھے، ان کے چہرے سے غصہ صاف عیاں تھا۔

چند لمحوں بعد شاہ زیب دروازہ بجا کر اندر آیا۔

"جی، ابو؟" فدا حسین اپنی جگہ ٹھہرے اور اسے بیٹھ جانے کا کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم واپس آئے ہو،
لیکن میز پر تمہاری باتوں نے مجھے
سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم خاور کے
بزنس پر نظریں جمائے ہوئے ہو؟" وہ
مدھم لیکن غصے میں بولے۔
شاہ زیب ہلکا سا مسکرایا۔
"ابا، ایک اچھا بزنس مین کبھی کم پر
راضی نہیں ہوتا، اسے سب کچھ چاہیے
ہوتا ہے۔"
فدا حسین کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔
انہوں نے اپنی مٹھی بھینچ کر شاہ زیب کے
قریب آکر کہا،
"کیا بکواس ہے یہ؟ یعنی میں صحیح
سمجھا تھا، تمہیں خاور کی وفات کا کوئی
دکھ نہیں؟ الٹا تم اپنا سکہ چمکانے آئے
ہو؟ بےغیرت!"
"ابا، ریلیکس۔ مجھے دکھ ہے ان کی موت
کا، ابھی وہ جوان تھے، ابھی دنیا میں دیکھا

ہی کیا تھا انہوں نے مجھے خاور چاچو
سے بے پناہ محبت تھی، اور ان کی محبت
میں ہی اب میں ان کا بزنس ان کی
ناتجربہ کار بیٹیوں کے ہاتھوں ڈوبنے سے
بچانا چاہتا ہوں۔ کیا میں غلط ہوں؟"
"دوبارہ میں تمہاری زبان سے ایسی کوئی
بات نہ سنوں، شاہ زیب۔ تم بھول رہے
ہو کہ خاور نے دبئی میں تمہیں کاروبار
شروع کروا کر دیا تھا۔ احسان ماننے کی
بجائے تم احساس فراموش بن گئے ہو!"
"ابا، دبئی ایک ایسی دنیا ہے جہاں ہمیں
یہ سکھایا جاتا ہے کہ اچھا انسان
کبھی ترقی نہیں کرتا، ترقی ایک بےشرم
اور مطلبی انسان کرتا ہے۔ مجھے صرف
پیسے سے مطلب ہے، اور مجھے اس کے
لیے جو بھی بننا پڑے، میں بنوں گا۔"
فدا حسین کی انکھیں غصے سے سرخ پڑنے
لگیں، اسے شدید صدمہ ہوا تھا۔ اس نے

شاہ زیب کا گریبان پکڑ لیا، "کیا تمہیں ہماری عزت کی کوئی پرواہ نہیں؟"

شاہ زیب نے نرمی سے اپنے باپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے، انہیں جھٹکنے کی کوشش نہیں کی۔ "ابا، میں خود سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں، لیکن اب میں پیسے کی بھی اتنی ہی عزت کرتا ہوں۔ مجھے دونوں کی پرواہ ہے۔"

فدا حسین کی گرفت کمزور پڑ گئی۔

شاہ زیب آگے بڑھا اور اپنے باپ کو گلے لگایا، ایک گہری سانس خارج کی، اور واپس کمرے کی طرف چلا گیا۔ فدا حسین اپنی جگہ ساکت کھڑے رہے۔

*******

(چودہ اپریل)

پولیس سٹیشن کے میٹنگ روم میں ارسل ایک طرف بیٹھا انجان نظروں سے سامنے

بیٹھے شخص کو دیکھ رہا تھا۔ "تم کون ہو؟"

"تم مجھے نہیں جانتے؟ ہم تو رشتے دار بن گئے تھے." وہ شخص ہلکا سا مسکرایا۔

ارسل نے بھنویں سکیڑ کر اسے پہچاننے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے، میں ہی بتا دیتا ہوں۔ میں شاہ زیب فدا حسین ہوں۔ فدا حسین کی پہلی اولاد۔ میں تمہیں یہاں سے آزاد کروا سکتا ہوں۔"

ارسل کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔

"تمہارا مجھ سے کیا واسطہ؟ بغیر کسی وجہ کے تم ایسا کیوں کرو گے؟"

"مفت میں تو میں خود پر بھی احسان نہیں کرتا ارسل، تم پر کیوں کروں گا؟"

وہ اسی طرح ارسل پر نظریں جمائے بول

رہا تھا۔ اس کی شخصیت میں عجیب سا
رعب تھا۔
"تم کیا چاہتے ہو بدلے میں؟" ارسل ہلکی
آواز میں پوچھنے لگا۔
"بدلے میں مجھے خاور کی موت چاہیے،
تمہارے زریعے۔" اس نے یہ الفاظ بہت
آسانی سے کہے دیے تھے۔ ارسل اس کی
بات کو سمجھ نہیں سکا، یا شاید وہ اس
کے الفاظ جزب نہیں کر پا رہا تھا۔
"کیا مطلب؟ تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"
وہ ہچکچاہٹ سے بولا۔
شاہ زیب کا چہرہ اب سپاٹ ہو چکا تھا۔
"یہ میرا مسئلہ ہے، تم بتاؤ کرو گے میرا
کام؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔
ارسل کی نظریں اس کے ہاتھ کی چھ
انگلیوں پر گئیں۔ پھر اس نے کچھ
سوچتے ہوئے نظریں اٹھائیں، اور بولا،
"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ میں جیسا

بھی ہوں، لیکن قاتل نہیں ہوں۔ اس لیے
بہتر ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ
دو۔"
شاہ زیب نے تسلی سے پیچھے ٹیک لگا لی،
ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ہاتھ باندھتے ہوئے
ارسل کو دیکھنے لگا۔
"کیا وہ تم نہیں ہو جس نے اپنے نومولود
بچے کا قتل کیا؟ اب تمہارے پاس دو راستے
ہیں: ایک یہ کہ آزادی قبول کرو، خاور کی
جان لو اور کہیں دور جا کر اپنی زندگی
دوبارہ شروع کرو؛ دوسرا یہ کہ اگلے
چوبیس گھنٹوں کے اندر کوئی تمہیں جیل
کے اندر ہی مار ڈالے گا، کیونکہ میں نے
تمہیں اپنا راز بتایا ہے اور مجھے اسے تم
تک محدود رکھنا ہے۔ بتاؤ، کیا میرے پاس
کوئی اور چارہ ہے؟" ارسل کی گردن پر
گلٹی سی نمودار ہوئی۔ اسے سمجھ نہیں
آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

"میں نے اپنے بچے کا قتل نہیں کیا۔" اس کی آواز مدھم تھی اور عجیب سی بےبسی اس کے لہجے میں تھی۔

"اوہ پلیز، مجھے تمہارے ڈراموں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تمہارا صاف جواب چاہیے۔" شاہ زیب نے بےزاری سے کہا۔

"میں... میں ماہین کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ وہ پہلے ہی بہت تکلیف میں ہے، اگر خاور صاحب کو کچھ ہوا تو وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔" ارسل نے نظریں نیچی کیے ہوئے کہا، اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

"گڈ۔ ٹھیک ہے، تم خاور صاحب کا خیال رکھو، اپنا مقصد میں ویسے بھی حاصل کر لوں گا۔ لیکن اب مجھے ایک نہیں دو جانیں ضائع کرنی پڑے گی۔" شاہ زیب نے مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ کی وی بنائی

اور کھڑا ہو گیا۔ اس کی بات سن کر ارسل کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

شاہ زیب کے قدم پیچھے ہٹتے ہی ارسل بھی فوراً کھڑا ہو گیا۔ "مجھے منظور ہے، لیکن مجھے بدلے میں آزادی اور بہت سارا پیسہ چاہیے۔"

شاہ زیب کے قدم رکے، اس کے چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی اور وہ واپس آ کر بیٹھ گیا۔

"تو سنو، ارسل! کچھ دنوں میں تمہیں یہاں سے فرار کروا دیا جائے گا۔ پہلے تم کچھ عرصے دبئی میں انڈر گراؤنڈ رہو گے۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد میں تمہیں اگلا حصہ بتاؤں گا۔ کیا تم تیار ہو؟"

ارسل نے سر ہلا دیا۔ "اور میرے گھر والے؟"

"انہیں صحیح سلامت پاکستان بھیجوا دیا جائے گا۔"

یہ کہتے ہوئے شاہ زیب اٹھ کھڑا ہوا اور تیز قدموں سے پولیس سٹیشن سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر وہ کسی کو کال پر اپنا اگلا قدم سمجھا رہا تھا۔

کچھ دن بعد، ارسل کو پولیس سٹیشن کے کسی اہلکار نے وہاں سے فرار کروا دیا۔ بدلے میں، شاہ زیب نے ایک خطیر رقم اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کروا دی۔

*******

خاور کو ارسل کے فرار ہونے کی اطلاع اسی دن مل گئی تھی، لیکن اس نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ وہ ارسل کے نام سے ماہین کو دوبارہ تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ لیکن یوشاکا کی خوب بےعزتی کرنے کے بعد، اس نے پوری

کوشش کی کہ ارسل کی خبر مل جائے۔
مگر وہ ملک سے فرار ہو چکا تھا۔
ماہین کے پاکستان جانے کی خبر پر شاہ زیب بہت خوش تھا۔ وہ جانتا تھا، خاور ماہین کے پیچھے ضرور جائے گا۔ اس نے بس صحیح موقع کا انتظار کیا۔
جب ارسل کو ماہین کے پاکستان جانے کی خبر ملی، تو اس نے بھی شاہ زیب سے کچھ عرصے کے لیے پاکستان جانے کی اجازت لی۔ شاہ زیب ویسے بھی اسے پاکستان بھجوانا چاہتا تھا تاکہ یہ گدھا ماہین کا پیچھا کرے اور ان کی نظروں میں آ جائے۔ وہ ساتھ ساتھ اپنا پلان ترتیب دے رہا تھا؛ جرم کے بعد ہر الزام ارسل کے سر ڈالنا چاہتا تھا، تاکہ اس کی طرف کسی کا شک نہ جائے۔
اس نے خاموشی سے اس وقت کا انتظار کیا جب خاور کو یہ پتہ چل جائے کہ ارسل

سے ملنے آنے والا شخص چھ انگلیوں والا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس خبر کو جان کر خاور سمجھ جائے گا کہ وہ شاہ زیب ہے، اور پاکستان پہنچ جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

خاور کے پاکستان پہنچتے ہی، شاہ زیب نے ارسل کو کرائے کے قاتل احمد صدیقی کی طرف بھیجا، اور اسے ارسل کے ذریعے کمانڈ دلوائی۔ ارسل نے اسے اپنا حلیہ مخفی رکھنے کا کہا تھا، مگر شاہ زیب نے بعد میں خود احمد صدیقی کو کال کر کے ساری کمانڈز دی تھیں؛ کس طرح سے پولیس کو ارسل کا حلیہ بیان کرنا ہے۔ شاہ زیب نے احمد صدیقی سے وعدہ کیا تھا کہ پکڑے جانے پر وہ اسے چھڑوا لے گا، لیکن اس کا اپنا وعدہ پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

خاور کا بزنس یوشاکا نے سنبھال لیا تھا۔
اس خبر کو سنتے ہی شاہ زیب آگ بگولا ہو گیا اور اسی وقت پاکستان جانے کا فیصلہ کیا۔
پاکستان آنے سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ کا آپریشن کروا کر اضافی انگلی کٹوا دی، اور اپنی ماں کو کال پر بتایا، اور ساتھ تنبیہ کی کہ مجھ سے کوئی اس بارے میں سوال نہ کرے۔
اسے لگتا تھا ماہین اور محراب اس کے ہاتھ کی چھ انگلیاں بھول گئی ہوں گی۔
آخر وہ بارہ سال پہلے پاکستان آئی تھیں۔
محراب بھلے ہی بھول گئی تھی، لیکن ماہین کی یاداشت میں وہ چھ انگلیاں نقش ہو چکی تھیں۔
ماہین جانتی تھی کہ انہیں تکلیف دینے کے لیے شاہ زیب نے ہی ارسل کو فرار کروایا تھا۔

اور شاہ زیب نے ہی اس کے باپ کا قتل
کیا تھا، لیکن شاہ زیب کے ساتھ کون کون
شامل تھا، یہ اسے معلوم کرنا تھا۔ وہ چن
چن کر اپنے باپ کا بدلہ لے گی۔ اس نے
تہیہ کر لیا تھا۔ اور اسے شاہ زیب کے
خلاف پختہ ثبوت بھی چاہیے تھا، ورنہ
کوئی اس کی بات کا اعتبار نہ کرتا۔ وہ
سوائے چھ انگلیوں کے کچھ نہیں جانتی
تھی۔ اور اس بنا پر وہ کسی کو قاتل
ثابت نہیں کر سکتی تھی۔

*******

(حالیہ دن)

صبح کی دھیمی دھیمی روشنی چھائی
ہوئی تھی، اور پہاڑوں سے آتی صاف اور
تازہ ہوا نے اسلام آباد کو مزید نکھار دیا
تھا۔ اگست کے آخری دن چل رہے تھے، اور
سردیوں کی آمد ہو چکی تھی۔

یہ صبح چھ بجے کا وقت تھا، فدا حسین کے گھر کے سامنے خدیجہ، ماہین اور محراب چہل قدمی میں مصروف تھیں۔ خدیجہ نے ہلکے بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، ماہین اور محراب نے گھٹنوں تک آتی فراک اور نیچے اسکرٹ پہنی ہوئی تھی۔ محراب نے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے ہوئے تھے۔

خدیجہ کا وزن دن بدن کم ہو رہا تھا۔

"تمہارا رزلٹ نہیں آیا، خدیجہ؟" محراب نے سوال کیا۔

"ابھی نہیں، کچھ دنوں تک آ جائے گا۔"

"تم کسی کو پسند کرتی ہو؟" محراب نے لب دانتوں میں پھنسا کر شرارتاً پوچھا۔ وہ ماحول کو کچھ دیر کے لیے مزید پرسکون بنانا چاہتی تھی۔

"ہاں، خود کو" ایک لمحے کا توقف ہوا اور خدیجہ نے سادگی سے جواب دیا۔

اس کے جواب سے محراب متاثر نظر آتی تھی، جبکہ ماہین نے تھوڑا حیرت سے خدیجہ کو دیکھا۔ پھر مسکرا کر سر ہلانے لگی۔

وہ گلی کے دہانے تک گئیں، جب پیچھے سے ایک بائیک کی آواز آئی، خدیجہ کا دل زور سے لرزا۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔

محراب اور ماہین نے مڑ کر دیکھا، لیکن آج خدیجہ نہیں مڑی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ پیچھے برحان، فدا حسین کے گھر کے باہر اپنی بائیک روک رہا تھا۔ غالباً مہروز کو لینے آیا تھا وہ۔

اس نے آج سفید شرٹ پر کالے رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا، اور نیچے کالے رنگ کی پینٹ کے ساتھ، سیاہ جوتے چمک رہے تھے۔

ماہین نے نظریں واپس آگے موڑ لیں، لیکن محراب ابھی تک دلچسپی سے

برحان کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ پھر واپس آگے چہرہ کیے چلنے لگی۔ انہیں گلی کا چکر مکمل کرنا تھا۔

"یہ کون ہے؟" محراب نے تشویش سے پوچھا۔

"مہروز کا دوست برحان ہے،"

انویسٹیگیٹر ۔ چھوڑو، دھیان مت دو۔" ماہین بولی تھی، جبکہ خدیجہ آنکھیں میچیں سر نیچے کیے ان دونوں کے بیچ میں چل رہی تھی۔ "آہ، کتنا تکلیف دہ تھا، جو دل میں تھا، اسے نظروں کے سامنے دیکھ کر نظریں پھیر لینا۔"

اسے برحان کے باب کو اپنی زندگی کی کتاب سے نکالنا تھا۔ وہ خود کو اب اتنی توجہ دینا چاہتی تھی کہ برحان کی توجہ چاہنے کا دل نہ کرے۔

برحان دروازے کے باہر کھڑا مہروز کا انتظار کر رہا تھا، جب وہ تینوں گلی کا

موڑ کاٹ کر مڑیں۔ خدیجہ کی نظریں
اپنے پاؤں پر جمی ہوئی تھیں۔
برحان نے نظریں اٹھا کر ان تینوں کو
دیکھا، اس کی نظر محراب پر ٹھہر گئی،
جو اِدھر اُدھر دیکھتی چل رہی تھی۔ اس
کی کسی ملکہ جیسی چال تھی۔ گردن
اونچی کیے، اپنے آپ میں مگن، چہرے پر
شرارتی مسکراہٹ لیے خدیجہ سے کچھ
بات کر رہی تھی۔
اس کے حلیے سے برحان پہچان گیا تھا کہ
وہ ماہین کی بہن، محراب ہی ہے۔
وہ کچھ دیر ایسے ہی کھڑا انہیں دیکھتا
رہا، جب وہ قریب آئیں، برحان کی
نظریں نیچے ہوئیں اور اس نے سادگی سے
سلام کیا۔
"وعلیکم السلام!" تینوں نے دھیمے انداز
میں کہا۔

برحان نے ایک نظر خدیجہ کو دیکھا، جو آج اِدھر اُدھر نظریں گھما رہی تھی، جیسے اسے دیکھنا نہ چاہ رہی ہو۔ وہ ٹھٹھکا، ماہین کو تشویش سے دیکھا۔ "کیا ماہین نے ہیکنگ کے بارے بتا دیا خدیجہ کو؟" اس نے سوچا۔

اتنے میں اندر سے مہروز باہر نکلا۔ اس نے سفید شرٹ کے ساتھ کالی پینٹ پہن رکھی تھی، آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔ آج اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔ وہ آ کر سیدھا برحان کی طرف بڑھا۔

"چلیں؟ مجھے کام پورا کرنا ہے۔"

برحان سر ہلاتا، بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ خدیجہ کی چہل قدمی ختم ہو چکی تھی، وہ واپس کمرے میں چلی گئی۔ اس کے پیچھے محراب اور ماہین بھی چلی گئیں۔

راستے میں برحان نے مہروز سے سوال کیا،

"وہ تیسرے والی محراب تھی نا؟"

"ہاں!" محض ایک لفظی جواب دیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک خالی کمرے میں داخل ہو رہے تھے، کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ بیچ میں ایک آدمی کرسی پر رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور سر سیدھا کیا۔

"میں بتا چکا ہوں، مجھے ارسل نے بھیجا تھا، اب مجھے جانے دو تم لوگ۔" وہ درشتی سے بولا۔ اس کی آنکھیں غصے سے لال تھیں۔

برحان دائیں طرف دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، باہم ہاتھ پھنسائے کھڑا ہو گیا، جبکہ مہروز آگے بڑھا اور اس کے سامنے

موجود خالی کرسی پر ٹانگ رکھے
بیٹھ گیا۔
"میں آج فری ہوا ہوں، احمد صدیقی،
تسلی سے بات کروں گا۔ بتاؤ، تمہیں
کمانڈ کس نے دی؟"
"ارسل نے! میں بتا چکا ہوں۔ اس نے کہا
تھا، خاور کو چار گولیاں مارنی ہیں۔ اس
نے مجھے اپنے موبائل سے مقتول کی تصویر
دکھائی تھی۔"
احمد صدیقی اس طرح ایک سانس میں
بولا جیسے جواب رٹوایا گیا ہو۔
مہروز اپنی گہری آنکھیں اس پر مرکوز
کیے تسلی سے اسے دیکھتا رہا، اب کہ وہ
ہلکا سا آگے کو جھکا۔
"اب میری بات غور سے سنو احمد۔
تمہیں جس نے یہ جواب رٹوایا ہے، یقیناً
اس نے کہا ہوگا پولیس جب تمہیں پکڑ لے
گی تب یہ بکواس کرنا اور میں تمہیں

فرار کروا دوں گا۔ لیکن آس پاس دیکھو ایک نظر، کیا یہاں پولیس ہے؟ یہاں میں موجود ہوں، اور مجھ سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں تمہیں ایک اور موقع "دیتا ہوں، سوچ لو۔

احمد صدیقی کی گردن پر گلٹی ابھری، اس نے پاس کھڑے برحان کو دیکھا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

برحان آگے بڑھا اور احمد کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر آرام سے بولنے لگا۔

چار گولیاں تھیں، ان کے بدلے تمہارے دو" ہاتھ اور یہ دو پاؤں کٹ جائیں گے آج میرا بچہ۔ حساب برابر۔" وہ مسکراتے ہوئے کہتا، واپس پیچھے کو ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

احمد صدیقی قدرے تذبذب کا شکار ہوا۔

""میں بتا چکا ہوں تم لوگوں کو۔

مہروز کے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے،
اس نے ایک اور سوال کیا۔ "تمہارے پاس
سے کچھ نہیں ملا۔ مجھے بتاؤ، موبائل
کہاں ہے تمہارا؟"
"ہم موبائل نہیں رکھتے۔۔ اس سے ہم جلد
پکڑے جاتے ہیں۔" اس نے فوراً جواب دیا۔
"ارسل تم سے ملنے بغیر ماسک کے آیا
تھا؟"
"ہاں ہاں بلکل۔ اس کا چہرہ ڈھکا ہوا
نہیں تھا۔" وہ ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔
"ٹھیک ہے، مجھے جو چاہیے تھا مل گیا۔
صبح تک تمہارا انجام واضح ہو جائے گا۔"
یہ کہتے اس نے ایک نظر برحان کو دیکھا،
جس نے جواباً سر ہلا دیا۔
مہروز اٹھ کر خاموشی سے باہر آگیا۔
اس کے پیچھے برحان بھی آیا۔
وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر لمحے
بھر کے لیے مسکرائے۔

ہیکرز اور انویسٹیگیٹر کا یوں مسکرانا ان کی جیت ظاہر کرتا ہے۔

"تو یعنی اس کھیل میں ارسل شامل ہے، اور ماسٹر مائنڈ کو صرف وہی جانتا ہے۔" برحان نے کہا۔

"بالکل! اس ماسٹر مائنڈ نے احمد صدیقی کو ارسل کا حلیہ یاد کروایا ہے، ارسل اتنا بیوقوف نہیں کہ بغیر ماسک چڑھائے اس کے پاس چلا جاتا۔ لیکن اس قاتل کو ارسل کا ایک ایک نقش پتہ ہے۔"

"مہروز! اب کیا کرنا ہے؟"

"ارسل، ارسل چاہیے ہمیں۔ ارسل جانتا ہے وہ ماسٹر مائنڈ کہا ملے گا۔ لیکن ارسل لاعلم ہوگا کہ وہ اپنی سائیڈ صاف کرکے احمد صدیقی کے زریعے اس کو پھنسا چکا ہے۔"

مہروز کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

"ارسل کو بھی یہاں لے آئیں؟"

"نہیں، میں اس کے گھر جا کر ملاقات کروں گا۔"

برحان نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ "تمہیں اس کی موبائل والی بات پر یقین ہے؟"

"بالکل نہیں، برحان! یہ موبائل وہیں کہیں چھوڑ کر آیا ہے، اور تم اس کے موبائل کو ڈھونڈو۔ میں ارسل سے ملاقات کی تیاری کرتا ہوں۔ مجھے یہ قصہ جلد ختم کرنا ہے۔"

"ہنہہ! میں ایک پرائیویٹ انویسٹیگیٹر ہوں، مہروز میاں، اور میری ایک بھاری فیس ہے کام کرنے کی۔"

"بالکل، تمہاری فیس میں اس خاطر سے کاٹ لوں گا جو تم میرے ریستوران میں ٹھونستے رہے ہو۔"

"چینی کہاوت ہے مہروز، جو شخص
دوست کے کھانے پر نظریں رکھتا ہے،
اسے جنت میں مزےدار پکوان نہیں
چکھائے جاتے اور اس کے حساب کے وقت
زرا بھی نرمی نہیں برتی جاتی۔" وہ دکھ
سے بول رہا تھا۔
مہروز اسے گھورنے لگا، "تمہاری کہاوتیں
کس کتاب میں لکھی ہیں؟ مجھے بتاؤ
دوست کے منہ پر دو گھونسے مارنے کی
کیا سزا ہے چینی کہاوتوں میں؟"
"اس کی سزا پھر دنیا میں ہی ہے۔ ایسے
دوست کی چمڑی اتار کر اپنے لیے
خوبصورت جوتے بناؤ اور دوسری ضروری
اشیاء بنا لو۔ دوست تو کام کا نہیں تھا،
اس کا چمڑا تو کام آجائے گا۔"
وہ دانت نکالتے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔
مہروز بھی سر جھٹکتا آگے بڑھنے لگا۔

*******

خدیجہ اوپر کمرے میں آئی۔ اس کا چہرہ بوجھل ہو چکا تھا۔ ماہین بھی اس کے پیچھے آئی، جبکہ محراب کچن میں تینوں کے لیے کافی بنانے ٹھہر گئی۔

"تم ٹھیک ہو؟" ماہین نے خدیجہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ خدیجہ کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور لمبے سانس لینے لگی۔

"میں بہت کوشش کرتی ہوں، ماہین، کہ میں اس طرف دھیان نہ لے جاؤں، لیکن کیا کروں؟ وہ سامنے آتا ہے تو دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ وہ مجھ سے بات کرے۔ مجھے خود پر غصہ آنے لگتا ہے۔ کیا میں اتنی بےمول ہوں کہ مجھے اتنی آسانی سے ٹھکرا دیا جائے؟ میں نے کیوں اس انسان کو اپنے حواسوں پر سوار کر دیا؟ جس کے لیے میں ایک معمولی لڑکی تھی۔" وہ اپنی روانی میں

بولتی جا رہی تھی، ایسے لگتا تھا جیسے
وہ تھک چکی ہے اس کھیل تماشے سے۔
ماہین اسے دیکھتی رہی، پھر بیڈ پر
خدیجہ سے پیٹھ کیے بیٹھ گئی۔ اب وہ
اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ ماہین نے
آہستہ سے جواب دیا،
"تم محبت کو کوس رہی ہو یا اس انسان
کو جس سے تمہیں محبت ہے؟"
خدیجہ اس کی پیٹھ کی طرف دیکھنے
لگی۔
"شاید میں اس بات کو کوس رہی ہوں
کہ مجھے اس انسان سے محبت کیوں
ہوئی۔ میں جانتی ہوں محبت کرنا ہمارے
بس میں نہیں ہوتا۔ لیکن میرے خیالوں
میں وہ رہتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی،
میں اسے یاد کر رہی ہوں یا وہ مجھے یاد
آتا ہے۔"
اب کی بار خدیجہ کی آواز دھیمی پڑی۔

"ہوسکتا ہے وہ بھی ایک وقت میں تمہیں پسند کرتا ہو۔ تم نے ہی کہا تھا کہ اسے تمہاری پرواہ تھی۔ مرد اپنی ماں اور بہن کے علاوہ اگر کسی عورت کی پرواہ کرتا ہے تو وہ خاص ہوتی ہے اس کے لیے۔"

ماہین پشت موڑ کر اب خدیجہ کو دیکھ رہی تھی، جو پہلے ہی اسے دیکھ رہی تھی۔

"م- مطلب؟" خدیجہ کے الفاظ جیسے حلق میں اٹک گئے۔

"تمہاری ٹین ایج میں وہ تمہیں پسند کرتا ہوگا، خدیجہ۔ لیکن بہت جلد اس کی دلچسپی ختم ہو گئی۔"

خدیجہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ یہ جاننا آسان تھا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا تھا، لیکن یہ جاننا تکلیف دہ تھا کہ وہ پسند کرنے کے بعد ناپسند کر چکا تھا۔

"ماہین، کیا وہ جانتا ہوگا کہ میرے دل میں اس کے لیے کیا احساسات ہیں؟" وہ لڑکھڑاتے ہوئے بولی۔

"ہاں، وہ جانتے ہوئے بھی انجان بنتا ہے۔"

"وہ مجھے ناپسند کیوں کرنے لگا؟ مرد کیسی لڑکی پسند کرتا ہے؟" خدیجہ کو اس بات کا جواب بہت بار مل چکا تھا، لیکن وہ پھر سے سننا چاہتی تھی۔ ماہین خاموش ہو گئی۔

اتنے میں محراب کافی کے تین مگ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے خدیجہ کی آخری بات سنی تھی۔

"میں بتاؤں، خدیجہ؟ مرد اپنے برابر کی لڑکی پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے سٹینڈرڈ سے کم پر کبھی راضی نہیں ہوتا۔" محراب پوری بات جانے بغیر اپنی روانی میں جواب دینے لگی۔ اس کی بات سے ماہین نے آنکھیں ایک لمحے کے لیے میچ لیں، وہ

جانتی تھی کہ خدیجہ کو تکلیف ہوگی اس
بات سے۔ وہ بھلے کسی سے کم نہیں
تھی، وہ معصوم، ہنسنے کھیلنے والی
لڑکی تھی، مگر وہ خود میں رہنے والی
لڑکی تھی۔ وہ اپنے لیے بہت کم بولتی
تھی، کسی کو ان کے منہ پر جواب دینے کا
حوصلہ نہیں تھا اس کے پاس۔ اور حقیقت
یہ ہے کہ پاکستان کی روایتی لڑکیاں
ایسی ہی ہوتی ہیں۔
خدیجہ نے آنکھیں پھیر لیں، عجیب سی
گھٹن محسوس ہوئی اپنے وجود سے۔
محراب اب بغور خدیجہ کو دیکھ رہی
تھی۔ "تمہیں کسی سے محبت ہے نا؟"
محراب نے آنکھیں سکوڑے خدیجہ کو
دیکھتے ہوئے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ
سوال کیا۔
خدیجہ نے گہری سانس خارج کی۔ "بس
پسند تھا کوئی، پھر قصہ ختم۔"

"یک طرفہ محبت ہے؟"

"تھی! یک طرفہ تھی۔ اب بس کنکریاں رہ گئیں۔" خدیجہ 'تھی' پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"حق آآآہ کوئی جادو ٹونا کرواتی، محبوب کو قدموں میں لاتی۔ اتنی آسانی سے ہار مان لی؟"

اس کی بات سن کر ماہین اور خدیجہ دھیما سا ہنسنے لگی۔

کچھ لمحے بعد محراب اٹھ کر نیچے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اب ماہین بیڈ سے کھڑی ہو رہی تھی۔ اس نے خدیجہ کی جانب رخ پھیرا، اسے مخاطب کرتے ہوئے بولنے لگی۔

"خدیجہ! میں صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ تم کسی سے کم نہیں ہو! تم اپنے آپ میں خاص ہو۔ کسی شہزادی کی مانند۔ ان کہانیوں والی شہزادی جیسی

نہیں، جو پنجروں سے نکلنے کے لیے
شہزادے کا انتظار کرتی ہیں۔ بلکہ تم
دین اسلام کی، امتی محمدیہ کی شہزادی
ہو۔ اپنی قدر پہچانوں۔ ایک مرتبہ برحان
کو آنکھوں سے ہٹا کر دیکھو۔ تم خود کے
لیے کیا ہو؟ اپنی نظر میں تم معتبر ہو یا
نہیں؟ جس دن تم خود میں کافی ہوگئی،
تمہیں کسی کی توجہ کی طلب نہیں
رہے گی۔ برحان یا کوئی بھی دوسرا
معاملہ ہم بعد میں دیکھیں گے، پہلے ہم
خود کو دیکھیں گے۔
ہم سب اپنی زندگی میں ایک غلطی کرتے
ہیں۔ کسی نامحرم مرد کو خود سے اونچا
مقام دینے کی غلطی۔ کہیں نا کہیں دل
اس کی توجہ کا غلام بن جاتا ہے۔ اور
امتی محمدیہ کی شہزادیاں جب یہ
غلطی پہچان جائیں، تب اپنے قدم روک

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

لیتی ہیں۔ تھم جاتی ہیں۔ اور اپنا مرتبہ
سمجھتی ہیں۔ پھر
اس پر کام کرتی ہیں۔ کیونکہ ہمیں اپنا
تاج گنوانا نہیں ہوتا۔"

"میں نے بہت غلط کیا ہے۔ مجھے کبھی
کبھی خود پر غصہ آتا ہے ماہین۔ میں
خیالوں کی دنیا میں ہمیشہ برحان کو اپنے
ساتھ بنتی تھی۔ ہاں، میرے دل میں ابھی
بھی جگہ ہے اس کے لیے، میں کسی اور
مرد کو اپنی زندگی میں قبول نہیں کر
سکتی۔ میں جب قرآن پڑھنے لگوں تو
شرمندہ ہوتی ہوں، کہ میرے تو خیالات
بھی پاک نہیں ہیں کس منہ سے قرآن
پڑھ رہی ہوں میں؟"

"میں نے پہلے بھی کہا تھا خدیجہ، خود کو
وقت دو۔ زبردستی تم نہ کسی کو دل
میں ڈال سکتی ہو نہ نکال سکتی ہو۔ یہ
دل کا معاملہ ہے، اور ڈاکٹر ہارون نے

ہمیں بتایا تھا نا، محبت دلوں سے نکالی نہیں جا سکتی۔ البتہ، کسی اور محبت کو دل میں جگہ دے دو۔ اور وہ ہے اللہ کی محبت۔ اور تم جب بھی اللہ کی محبت کے حصول کے لیے کوشش کرو گی، شیطان تمہیں ماضی کے گناہ یاد کروائے گا، تاکہ تمہیں اللہ کی محبت سے بھٹکا سکے۔"

"بلکل ایسا ہی ہوتا ہے، مجھے لگتا ہے مجھ جیسی لڑکی اللہ کی محبت نہیں پا سکے گی۔ میرا ماضی صاف نہیں ہے۔"

"تمہارا ماضی صاف ہے خدیجہ۔ خود پر بوجھ مت ڈالو۔ گناہ ہم سب سے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم راستہ بدل لیتے ہیں تو دل میں واپس سے نور بھرنے لگتا ہے۔ اللہ کی محبت کا نور۔ اور جب اگلی بار تمہیں شیطان ماضی کے گناہ یاد کروائے، تو تم اسے اس کا مستقبل یاد کروانا۔

ہمارا مستقبل تو جنت ہے۔۔۔ اور شیطان کا مستقبل کیا ہے؟ شیطان کے منہ پر بھیگو بھیگو کر اس کا آنے والا انجام مارا کرو۔ خاموش مت رہا کرو۔ آیا بڑا، ہمیں ماضی یاد کروائے گا ہنہہ۔" ماہین نے منہ بسورے آخری بات پوری کی۔

ماہین کے انداز پر خدیجہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔ اور ہنستی ہی چلی گئی۔ ماہین کتنی ہی دیر اس کا دھیما، خوبصورت مسکراہٹ بھرا چہرہ دیکھے گئی۔ ہنستے ہوئے خدیجہ کی سنہری آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ پاکستان کی خوبصورت چیزوں کی لسٹ میں ماہین نے خدیجہ کی مسکراہٹ بھی شامل کر دی تھی۔

"تو یعنی یہ طے ہے، تمہارے ساتھ انسان کھل کر اداس بھی نہیں ہو سکتا

ماہین۔" خدیجہ ہنستے ہوئے بول رہی تھی۔
جواباً ماہین بھی مسکرانے لگی۔ کمرے کا ماحول قدرے نرم پڑ گیا تھا۔

*******

برحان اس جگہ جا رہا تھا جہاں سے انہوں نے احمد صدیقی کو پکڑا تھا۔ اس کے موبائل ڈھونڈنے کی تفتیش اسے وہی سے شروع کرنی تھی۔ وہ اپنی ہیوی بائک پر بیٹھا اسے تیز رفتار میں چلا رہا تھا۔ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے محراب کا چہرہ آتا تھا۔ اسے محراب سے عجیب سی کشش محسوس ہوئی تھی۔ جیسے وہ لڑکی اس کا فی میل ورژن ہو۔ وہ بار بار اس کا خیال دماغ سے جھٹکنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام ہو جاتا۔
کوئی بات نہیں ایک آدھ دن کا خمار ہے،" اتر جائے گا۔ ویسے بھی ماہین کی بہن

ہے وہ جان لے لے گی ماہین میری۔" وہ
خود سے کہتا بائک چلاتا گیا۔
کچھ دیر بعد وہ اس مقام پر پہنچا اور
جانچ پڑتال شروع کی۔
دوسری طرف مہروز سیدھا ارسل کے
اپارٹمنٹ گیا۔ ایک پھولوں کا گلدستہ ہاتھ
میں پکڑے اس نے بیل ڈور بجائی۔
کچھ لمحے بعد اندر سے ارسل باہر آیا۔
اسے دیکھ کر ٹھٹھکا۔ "تم، یہاں؟ جرأت
کیسے کی آنے کی؟" ارسل آگ بگولا ہوتے
بولا۔ اس کی آنکھیں غصے سے لال ہو
رہی تھیں۔ اس کے جسم میں کپکپاہٹ
تھی، خوف اور
غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔
خاکی رنگ کی کرتا شلوار میں ملبوس،
ہلکی بڑھی داڑھی ساتھ وہ اپنی گہری
آنکھوں سے مہروز کو دیکھتا رہا۔ اس کا
حلیہ پہلے سے قدرے تبدیل تھا۔

مہروز کے چہرے پر ایک پرسکون مسکراہٹ تھی۔ اس نے پھولوں کا گلدستہ اس کے سامنے کیا، جسے ارسل نے خاموشی سے نظر انداز کر دیا۔ مہروز نے کندھے اچکا کر اپنا گلدستہ پکڑے ہاتھ واپس لیا۔ اور ارسل کو اپنے دوسرے ہاتھ سے ایک جانب کیا اور اپارٹمنٹ کے اندر داخل ہوگیا۔

ارسل اس کی حرکت پر جھٹکا کھائے اس کے پیچھے لپکا۔ "ہوش میں ہو تم؟ ہمت کیسے ہوئی اندر آنے کی؟" وہ صدمے میں لگتا تھا۔

مہروز سامنے ہی بنے حال میں آگیا، جہاں پیلے رنگ کے ماڈرن صوفے رکھے تھے۔ اندر ایک گہری خاموشی تھی۔

وہ پھولوں کا گلدستہ ایک طرف رکھے سیدھا صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پر

ٹانگ جمائے، ایک ہاتھ صوفے پر رکھے
بولنے لگا، "دیکھو، تمہاری ماں اور بہن
اس وقت اپارٹمنٹ میں موجود نہیں ہیں۔
اس لیے میں یہی آگیا ہوں۔ کچھ غلط کیا
میں نے؟ تم بھی تسلی سے بیٹھو، اسے اپنا
"ہی اپارٹمنٹ سمجھو۔
مہروز اسی طرح مسکراتے ہوئے بول رہا
تھا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر ارسل
کو مزید غصہ آ رہا تھا۔ "کیا چاہیے
تمہیں؟" ارسل غراتے ہوئے بولا۔
چاچو خاور کا قاتل!" مہروز نے اس کی"
آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے جواب
دیا۔
"کیا مطلب؟ مجھے کیا پتہ کون ہے وہ؟"
لیکن میں جانتا ہوں۔ مجھے قاتل کے"
طور پر کسے پیش کرنا ہے۔" مہروز نے
ایک معنی خیز اشارے کے ساتھ بات مکمل
کی۔ اس کے انداز سے

"ارسل ٹھٹکا۔"کہ کیا مطلب؟
ظاہری بات ہے، تم نے خاور صاحب سے"
"بدلا لینے کے لیے ان کا قتل کر دیا۔
بکواس بند کرو۔ میں نے ایسا کچھ نہیں"
کیا۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟" ارسل
کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار
ہوئے۔
مہروز اب ہلکا سا آگے ہوا، اور اپنی
رعب دار آواز کو ہلکا کیا۔ "ثبوت؟ ارسل،
ثبوت ڈھونڈنا ایک مشکل کام ہے۔ اور
میں کام کو آسان بناتا ہوں۔ میں ثبوت بنا
کر چھوڑ دیتا ہوں۔" اب کہ مہروز نے
ارسل کو معنی خیز مسکراہٹ پیش کی۔
تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے کچھ"
نہیں کیا سمجھے تم۔ جو مرضی ثبوت
"چھوڑ دو میرے خلاف، مجھے پرواہ نہیں۔
ارسل اونچی آواز میں چلایا تھا۔

"تمہارے خلاف سارے ثبوت میں خود بنا کر پولیس کو پیش کروں گا۔ اور پاکستان آرمی کو اطلاع دوں گا کہ تمہیں کیسے دشمن ملک نے ملائشیا سے فرار کروا کر پاکستان میں جاسوس کے طور پر بھیجا ہے۔ چہ چہ، کیا بنے گا تمہارا ارسل؟" اب کی بار مہروز بھی کھڑا ہو گیا تھا، اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

"بکواس ہے۔ یہ سب بکواس ہے، کوئی پاگل نہیں کہ تمہاری بہتکی باتوں پر اعتبار کرے۔ سمجھے تم؟ تمہیں میں پاگل نظر آتا ہوں جو بغیر کسی پلان کے پاکستان میں اتنی آسانی سے گھوم رہا ہوں گا؟" اس بار ارسل کی بات سے خوف غائب تھا، مہروز بغور اسے دیکھ رہا تھا تاکہ وہ اپنی بات مکمل کر سکے۔

"مہروز، صرف تم یہاں ہوشیار نہیں ہو۔ چلو، میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ارسل

نامی شخص کچھ مہینے پہلے ملائشیا کی
جیل سے فرار ہوا تھا۔ لیکن پرسوں ہی
ملائشیا میں اس کی جلی ہوئی لاش
ملی، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس لاش
کے پاس سے ملنے والا سامان اور ڈی این
اے ارسل کا ہی تھا۔

اور میں! جو تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔
میں ارسل نیاز نہیں ہوں، میں شوزب
زید ہوں۔ چاہو تو میرا شناختی کارڈ دیکھ
لو۔ اور تم کس کی ماں بہن کا بول رہے
ہو؟ میں تو اکیلا ہوں۔ اور میرے ماں باپ
کو مرے سات سال گزر چکے ہیں۔ اور
کسی دوسرے انسان کی سزا اس کے ہم
شکل کو نہیں مل سکتی۔ یہ جانتے ہو
نا؟"

اب کی بار ارسل مسکراہٹ چہرے پر
سجائے مہروز کی آنکھوں میں دیکھ رہا
تھا۔

مہروز خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا، وہ دماغ میں ساری بات کی جمع تفریق کر کے اصل مدعے کو سمجھ رہا تھا۔ "تو یعنی تم نے یہ کھیل ترتیب دیا ہے۔ انٹرسٹنگ۔ اتنے بونگے ہو نہیں جتنے شکل سے لگتے ہو شوزب۔"

مہروز نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے!" مہروز نے اپنی جیب سے موبائل نکالا۔ اور سپیکر پر ایک ریکارڈنگ چلائی، جس میں احمد صدیقی خود کو کمانڈ دینے والے شخص کا حلیہ بیان کر رہا تھا۔

اس ریکارڈنگ کو سنتے ہی ارسل کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ اس کی مسکراہٹ سمٹی۔ ایک نظر موبائل پر ڈالے واپس سے مہروز کو دیکھنے لگا۔

"جیسا کہ میں نے کہا، یہ سب ارسل نے کیا ہے۔ اور اب وہ مر چکا ہے۔" اس نے

حد تک اپنا لہجہ سادہ رکھنے کی کوشش کی، لیکن اس کے اندر پھر سے ہلچل مچ چکی تھی۔

مہروز اب اپنا موبائل واپس جیب میں ڈال رہا تھا۔ "جیسا کہ میں نے کہا، میں ثبوت ڈھونڈتا نہیں ہوں بلکہ انہیں بناتا ہوں۔ احمد صدیقی میرے قبضے میں ہے، اور اسے ارسل نیاز کے بجائے شوزب زید کا نام لینے پر میں راضی کر لوں گا۔ ویسے بھی ارسل کی لاش ملائشیا سے ملی ہے، یعنی وہ وہیں تھا۔ لیکن ہمارے حادثات پاکستان میں ہوئے ہیں۔ اور پاکستان میں کون ہے؟ شوزب بچہ؟" مہروز نے پھر سے ارسل کو ایک معنی خیز مسکراہٹ پیش کی، اور اس کے قریب آ کر سرگوشی کی صورت میں بولا،

"اسے کہتے ہیں، شہ مات۔"

اب وہ دو قدم پیچھے ہوا، دو انگلیاں
پیشانی سے لگائے اسے اللہ حافظ کہا۔
اور وہاں سے باہر دروازے کی طرف
بڑھنے لگا، جبکہ ارسل کا دماغ ماؤف ہو
چکا تھا۔ وہ سکتے میں تھا۔
"اتنا کچھ پلان کرنے کے بعد میں نہیں
پھنس سکتا۔ میں تمہاری جان کے لوں گا
مہروز۔" وہ شدید غصے میں سوچ رہا
تھا۔
مہروز دروازے کے باہر آیا، وہ دماغ میں
اپنا اگلا لائحہ عمل تیار کر رہا تھا۔ اس نے
جیب سے ایک بار پھر موبائل نکالا۔ وہ
ارسل کو صرف بتانے آیا
تھا کہ وہ جان چکا ہے۔ اور قاتل اس کے
قبضے میں ہے۔
مہروز جانتا تھا اب ارسل سب سے پہلے
اس ماسٹر مائنڈ سے رابطہ کرنے کی
کوشش کرے گا۔

ارسل کا ہر قدم اس کی نظر میں تھا۔ لیکن ماسٹر مائنڈ نے اپنا کوئی لنک ارسل نیاز کو نہیں دیا تھا۔ وہ اس سے محض تب رابطہ کر سکتا تھا، جب شاہ زیب خود چاہتا۔

*******

عشاء کے وقت، مہروز کو برحان کی کال موصول ہوئی۔

"احمد صدیقی نے کل ملا کر آج تک گیارہ جانیں لی ہیں۔ ان میں سے سات جانیں ڈیرہ غازی خان میں لی گئی ہیں۔ احمد صدیقی کے بارے میں اطلاع میں نے مجتبیٰ کو دے دی ہے۔ اس کا کہنا ہے، وہ صبح ہماری بتائی جگہ پر آ کر اسے لے جائے گا۔ اور ڈیرہ غازی خان میں سزا دے گا۔" برحان سادگی سے اسے بتا رہا تھا۔

"ہمم۔ ٹھیک ہوگیا۔ یہ اپنے انجام کو پہنچ جائے گا"

"ویسے یہ مجتبیٰ کون ہے؟" برحان، مہروز سے پوچھ رہا تھا۔

(مہروز نے آج ایک نمبر نکال کر برحان کے حوالے کیا تھا۔ اور کہا تھا اس پر کال کر کے احمد صدیقی کی اطلاع دے دو۔ اسے سزا پولیس نہیں یہ لوگ دیں گے۔)

"مجتبیٰ کے تین جوان بیٹوں کا قتل احمد صدیقی نے کیا ہے۔"

"انٹرسٹنگ۔ سزا ہی دینی تھی، تو تم نے خود کیوں نہیں دی؟"

"میں اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا۔ باقی سب چیزیں اپنی جگہ، لیکن میں کسی کا قتل نہیں کر سکتا۔" وہ سادگی سے بولا تھا۔

"واؤ، تم دیکھنا میرے بھائی، تمہاری اس رحم دلی کی وجہ سے قیامت کے دن

فرشتے اعلان کریں گے۔ کہاں ہے وہ شخص؟ جس نے احمد صدیقی کو خود مارنے کے بجائے، یا پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اسے ایسے شخص کے حوالے کر دیا، جو اسے درندوں کی موت مارے گا یا شاید موت کے لیے بھی تڑپائے گا۔ سن لو سب، وہ رحم دل انسان آج جنت میں جائے گا" وہ قہقہ لگاتے بات پوری کر رہا تھا۔

اس کی بات سن کر مہروز کے چہرے پر بھی مسکراہٹ ابھری، "میری جگہ تم ہوتے، تو اس کی جان لے لیتے؟"

"ارے نا بھائی، میں صرف ایک شخص کے لیے گولی کھا بھی سکتا ہوں، اور مار بھی سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے ایسے کھیل کھیلنے کا کوئی شوق نہیں۔"

"یعنی مہروز کے لیے۔" مہروز اس کی بات پر پوری چاہ سے مسکرایا تھا۔

"ابے چلے شوخاے میں اپنی ہونے والی اولاد کی بات کر رہا تھا۔"

"اولاد تب ہوگی نا جب کوئی لڑکی تمہیں منہ لگائے گی۔"

"انشاء اللہ مہروز، یہ ماہین ایک دن تمہارے اظہار محبت پر کس کے چماٹ مارے گی۔"

"شٹ اپ، خیر سنو، ارسل نے اپنا نام بدل کر شوزب زید رکھ دیا ہے۔"

"اوہ۔ لوگ کپڑے بدلتے ہیں، اور یہ نام بدلتا ہے۔ پہلے چھپ کر وار کرو، پھر اپنی پہچان ہی بدل لو۔ مردوں والی کوئی ایک خوبی بتا دو اس کی مجھے۔" برحان اکتائے لہجے میں بولا۔ اسے عجیب سی چڑ ہونے لگی تھی ارسل سے۔ اس کا کہنا تھا یہ بونگا شخص مردوں کی شخصیت دنیا کی نظروں میں بگاڑ رہا ہے۔

سہی کہہ رہے ہو۔ مردوں کے نام پر" دھبہ ہے یہ شوزب زید۔" مہروز اسے مزید تپانے والے انداز میں بولا۔

تم اپنی ذاتی بھڑاس نکالنا بند کرو، میں" "عمومی بات کر رہا ہوں۔

*******

(چار دن بعد)

عشاء کے بعد سب کھانے کے میز پر براجمان تھے۔ سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے جب خدیجہ نے سب کو مخاطب کیا۔

میرا رزلٹ آ چکا ہے، اور میں بی گریڈ" "سے پاس ہوئی ہوں۔

اس کی بات سے سوائے تائی شہناز کے سب کے چہرے پر چمک ابھری۔ سب نے اسے مبارکباد پیش کی۔

کچھ محنت کی ہوتی تو اے گریڈ آ جاتا۔" لیکن میری کہاں سنتی ہو تم؟ بس ہر

وقت موبائل پر ویڈیوز دیکھ کر وقت ضائع
کیا۔ بیڑہ غرق ہو یہ موبائل بنانے والے
کا۔" شہناز اپنے روایتی انداز میں مایوسی
سے بولی۔
"افف امی! اتنے تو اچھے ہیں۔ شکر کریں
میں گریجویٹ ہوگئی ہوں۔" خدیجہ منہ
بسوڑتے بولی۔
"شاباش خدیجہ۔۔ بہت خوش ہوں میں۔
اللہ تمہارے نصیب بھی اچھے
کرے۔" فدا حسین مسکراتے ہوئے بولے۔
جبکہ مہروز اسے تنگ کرنے کے انداز میں
گویا ہوا،
"رول نمبر دو اپنا، مجھے ابھی بھی یقین
نہیں ہے۔۔ تمہیں پاس کیسے کر دیا؟ میں
صبح ہی ایڈمن آفس جا کر پتہ کر کے آؤں
گا۔"
مہروز کی بات سن کر سب ہنسنے لگے۔

کیوں نہ ہم سب کل کسی اچھی جگہ"
کھانا کھانے چلے اسی خوشی میں؟"
شارفہ اپنے ساتھ بیٹھے شاہ زیب کو
دیکھتے ہوئے بولی۔ جس پر اس نے سر
ہلا کر حامی بھری۔
شارفہ کو شاہ زیب اس بار بہت بدلا ہوا
محسوس ہوا تھا۔ وہ قریباً چار سال بعد
آیا تھا۔ کال پر بھی اکثر وہ اسے اکھڑا ہوا
لگتا تھا۔ وہ جب بھی اس سے بات کرنے
کی کوشش کرتی تو وہ جھنجھلاہٹ سے
جواب دیتا۔ اسے محسوس ہوا تھا، اس
بار شاہ زیب کی بےپناہ محبت اور توجہ کا
مرکز صرف
اس کی ننھی بیٹی تھی، وہ نہیں۔
محراب اور ماہین پہلے ہی خدیجہ کو
مبارکباد دے چکی تھیں۔ قریباً سب کھانا
کھا چکے تھے۔

"تایا جان! بابا کے کیس کے حوالے سے کچھ
ملا مزید؟" کچھ دیر بعد محراب فدا
حسین کو دیکھتے سوال کرنے لگی۔
جس پر فدا حسین کا چہرہ پھیکا پڑا۔
"نہیں، پولیس اس قاتل کو نہیں ڈھونڈ پا
رہی۔ ان کا کہنا ہے، شاید وہ شہر چھوڑ
کر جا چکا ہے۔۔۔"
ماہین نے ایک نظر شاہ زیب کو دیکھا،
جس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ
نمودار ہوئی، جسے اس نے بروقت روکا۔
ماہین کا دل چاہا سامنے پڑی پلیٹ اس
کے منہ پر دے مارے۔
"کزن، یہاں کی پولیس اسی طرح سے
ناکارہ ہے۔ مجھے لگتا ہے ہمیں امید
چھوڑ دینی چاہیے۔" شاہ زیب اپنی گہری
آنکھیں ماہین پر مرکوز کیے بولا۔
"آپ کو امید لگانے کا بولا کس نے ہے شاہ
زیب؟ یہ ہماری امیدیں ہیں۔ اور ہم

انہیں لگائیں یا چھوڑ دیں، یہ ہمارا مسئلہ ہے۔"

ماہین اپنی سرخ پڑتی آنکھوں سے شدید غصے کے جزبات میں بولی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر سب ٹھٹکے، یہاں تک کہ مہروز، خدیجہ اور محراب بھی۔

شاہ زیب اسی طرح سے اسے دیکھتا گیا، اس کے دماغ میں ایک گھنٹی بج رہی تھی۔ "کیا ماہین جانتی ہے؟ یہ اس طرح کیوں بول رہی؟" اس نے سوچا۔

"تم کس طرح سے بات کر رہی ہو شاہ زیب سے؟ اسے بس ہمدردی ہے تم سے لڑکی۔ اس کی عمر کا ہی لحاظ کر لو، کتنا بڑا ہے وہ تم سے۔" شارفہ غصے سے بولی تھی۔ ماہین کا مزید وہاں بیٹھنا بوجھل ہو چکا تھا۔ وہ سب کو بتانا چاہتی تھی کہ یہی شخص قاتل ہے۔ لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا،

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

وہ ابھی بھی چھ انگلیوں والی بات کے
سہارے اسے سب کے سامنے مجرم قرار
نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے ساری بات
یوشاکا کو بتائی تھی۔ اور یوشاکا نے اسے
فالحال خاموشی اختیار کرنے کا بولا تھا۔
اس نے کہا تھا، "یہ وقت خاموشی کا ہے۔
شاہ زیب کو وقت دو تا کہ جس مقصد کے
لیے اس نے یہ سب کیا ہے وہ سامنے آ
جائے۔" تب یہ چھپن چھپائی بند کر دینا۔
شاہ زیب، خاور کے بزنس اور پراپرٹی کے
پیچھے تھا۔ اس لیے وہ اپنے نئے پینترے جلد
آزمائے گا۔ اور اس بار ماہین نے اسے
روکنا نہیں تھا، بلکہ اسے دوبارا چلنے کے
قابل بھی نہیں چھوڑنا تھا۔
ماہین شارفہ کو جواب دیے بغیر تیزی سے
وہاں سے اٹھ کر زینے چڑھتی
اوپر آگئی۔ اس کے گلے میں جیسے کانٹے
پھنسے تھے۔ رونے سے پہلے

کی تکلیف۔
ماہین کے کانوں میں خاور کی گنگناتی دھیمی سی دھن گونجی، "اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو۔ جو دنیا کا مالک ہے، بس نام اسی کا لیا کرو۔"
ماہین ابھی کمرے کے باہر تھی جب اس آواز پر اس کے قدم تھمے۔ وہ آس پاس دیکھنے لگی۔ یہ آواز اتنی قریب سے آئی تھی، وہ اپنی سماعت سے گزرنے والے ان لفظوں کو اپنا وہم نہیں بنا سکتی تھی۔
"بابا؟ بابا سنیں۔ بابا ماہین تکلیف میں ہے۔ میں کیا کروں گی؟" اس کی آنکھیں تر ہونے لگیں۔ وہ کچھ دیر خاور سے بات کرنا چاہتی تھی۔
ماہین تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی اور کھڑکی کھول دی۔ باہر کے منظر میں کچھ دھندلاہٹ تھی۔ سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ دور اسے وہ مسجد کا مینار

نظر آ رہا تھا جس پر ایک بتی جل رہی تھی۔ سارے منظر میں صرف وہی اسے صاف نظر آیا۔ اسے آج کوئی ہوش نہیں تھا، اس نے ماسک بھی نیچے نہیں کیا تھا، وہ شدید غصے میں تھی۔ اس کے سامنے شاہ زیب کا تنزیہ مسکراتا چہرہ گھوم رہا تھا۔

ماہین اب روندھلی شکل بنائے، آنکھوں سے پانی بہائے مسجد کے مینار پر نظریں مرکوز کیے ایک سوال کر رہی تھی۔ "اللہ جی مجھے بتائے، جن کے باپ مر جاتے ہیں پھر انہیں سایہ کون دیتا ہے؟ میں تلخ ہو رہی ہوں۔ یا اللہ مجھے بچا لیں۔ میرا دل غمگین ہے، آنکھیں آنسو بہاتی ہیں لیکن میں وہی الفاظ ادا کرنا چاہتی ہوں جو تجھے پسند ہیں۔ یا اللہ مجھے بابا کی آوازیں سناتے رہنا، ان کی مہک اسی طرح میرے ارد گرد رہے ہمیشہ۔ میں

انہیں خوابوں میں دیکھتی رہوں۔" وہ
ہچکیوں کے دوران بولے جا رہی تھی۔
اب وہ اپنی انگلی میں موجود ہری تسبیح
کو دیکھنے لگی، یہ تسبیح اسے خاور نے
برسوں پہلے دی تھی۔ اور ہمیشہ پہنے
رہنے کی تنقید کی تھی۔ ماہین اسے
دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں لیے دونوں
ہاتھ سینے سے لگائے روتی رہی۔ تکلیف
ہی تکلیف تھی۔
قریباً آدھے گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ بجا۔
ماہین اسی جگہ کھڑی مینار پر نظریں
جمائے ہوئے تھی، جب آواز پر چونکی۔
اس کا ماسک زاروقطار رونے کی وجہ سے
گیلا ہو چکا تھا۔
وہ ماسک نیچے کر کے چہرہ صاف کیے
"بولنے لگی۔ "کون ہے؟
میں ہوں۔ باہر آؤ" مہروز کی آواز"
گونجی۔

ماہین قدم قدم چلتی باہر آئی۔
دروازہ کھولا، سامنے مہروز ہاتھ باندھے
کھڑا تھا۔ لمحے کے لیے وہ ماہین کی
بھیگی پلکیں اور گیلا ماسک دیکھ کر
چونکا۔ اس کی گردن میں ڈوب کر گلٹی
ابھری۔ دور کہیں دل میں کرب سا اٹھا۔
"یہ کیوں روتی ہے؟" اس نے خود سے
سوال کیا۔ وہ ماہین کو روتا دیکھ کس
کرب سے گزرتا تھا، وہ
بیان نہیں کر سکتا تھا۔
"بولو؟" ماہین اسے کسی سوچ میں گم
دیکھتے بولی۔ ماہین کی آواز میں روندھلا
پن تھا، لیکن قدرے سنبھلی ہوئی تھی۔
"مجھے احمد صدیقی کے حوالے سے بات
کرنی ہے۔"
"کون احمد صدیقی؟"

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

مہروز نے الفاظ جمع کرنا شروع کیے۔
اس کی سمجھ سے باہر تھا اس قاتل کا
تعارف کن لفظوں سے کرتا۔
"وہی جس نے۔۔۔ جس کام کے لیے میں
جنازے چھوڑ کر گیا تھا۔" مہروز نے نظریں
نیچے کر کے بات پوری کی۔
"اچھا! آؤ بالکونی میں کھڑے ہوتی ہیں۔
یہاں کچھ گھٹن ہے۔"
وہ دونوں چلتے ہوئے بالکونی تک آئے۔
دونوں ایک ساتھ ریلنگ پر ہاتھ رکھے کھڑے
تھے۔ اسلام آباد کی ٹھنڈی ہوا ان سے
ٹکرائی۔ بات کا آغاز
مہروز نے کیا۔ "پہلے بتاؤ تم ٹھیک ہو؟"
ماہین کی نظریں آسمان پر موجود پورے
چاند پر تھیں۔ جس کے ارد گرد ہلکے بادل
تھے لیکن ستارا ایک بھی نظر میں نہیں
تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا آسمان پر اب ستارے
نظر نہیں آتے؟"
مہروز کے لیے اس کا سوال غیر متوقع تھا،
اس نے آسمان پر ایک نظر ڈالی، وہاں
ایک بھی ستارہ نہیں تھا۔
"بادلوں میں چھپ گئے ہونگے۔"
"نہیں۔ میں جب سے پاکستان آئی ہوں،
مجھے بہت کم نظر آئے ہیں۔" وہ سادگی
سے بولی۔
"ماہین کیا ہوا ہے؟" وہ فکر سے بولا۔
"بچپن میں آسمان کو ستاروں کے ساتھ
سجا دیکھنے کے بہت شوقین تھے ہم۔ اب
آنکھوں میں وہ نظر ہی نہیں رہ گئی
ہمارے۔ پتا نہیں کیوں غور
نہیں کرتے اب ہمے اکثر آسمان پر ستارے
نظر نہیں آتے۔"
مہروز کچھ لمحے خاموش رہا۔ پھر اسی
طرح چاند کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ستارے تو وہیں ہیں ماہین، بس کبھی
کبھی دنیا کی چمکتی روشنیاں ہماری
نظروں کو دھندلا کر دیتی ہیں۔ ہمیں
لگتا ہے ستارے چھپ گئے ہیں، لیکن وہ
وہیں ہوتے ہیں جیسے کبھی دل کے کچھ
جذبات چھپ جاتے ہیں، حالانکہ وہ کہیں
نہیں جاتے، بس انہیں دیکھنے کے لیے
سکون اور خاموشی چاہیے ہوتی ہے۔"
وہ لمحہ بھر رکا گردن پھیر کر اُس کی
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید بولا، "جب
ہم دنیا کا چمکیلا شور کم کر دیتے ہیں، تو
ستارے بھی پھر سے چمکتے ہوئے نظر آنے
لگتے ہیں، اور شاید دل بھی..."
ماہین اسی طرح سے نظر چاند پر گاڑے
مہروز کو سن رہی تھی۔ آنکھوں میں
پانی ابھرتا تھا، لیکن انہیں اب باہر نکلنے
کی اجازت نہ تھی۔ اور وہ

فرمابرداری کے ساتھ واپس اندر کو جذب ہو جاتے۔
آسمان پر ستارے شاید موجود ہوں، مگر اُس کے لیے وہ گویا قصے کہانیوں کی باتیں بن چکے تھے۔ کبھی بچپن میں، جب راتیں سکون اور خاموشی کا لبادہ اوڑھے آتی تھیں، آسمان پر ستاروں کا جادو ہوتا تھا۔ مگر اب؟ اب تو روشنیوں کے سمندر نے اُس جادو کو کہیں چھپا لیا تھا۔
شہر کی ان مصنوعی روشنیوں نے آسمان کا وہ حسن چھین لیا تھا جو کبھی سب کی آنکھوں کو خواب دکھایا کرتا تھا۔ روشنیوں کے ان ہجوم میں وہ ستارے کہاں سے نظر آتے اب؟ شاید، زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہو چکی تھی، روشنیوں سے بھرپور، مگر اندر سے خالی، جیسے ستاروں سے خالی آسمان۔

ماہین اب کی بار چاند سے نظریں ہٹا کر مہروز کو دیکھتے بولی،

"شاید اگر یہ مصنوئی روشنی کم ہو جائے، تو پھر سے ستارے چمک اٹھیں ہمارے دل بھی ایک دن یونہی، دنیاوی روشنیوں سے نکل کر سکون کے خوبصورت اور ستاروں سے بھرپور آسمان تلے واپس آ جائے گے ہے نا؟"

مہروز نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا۔

"میں اس دن احمد صدیقی کو پکڑنے گیا تھا۔ اگر میں اس دن نہ جاتا تو وہ فرار ہو جاتا۔ مجھے معاف کر دو۔" مہروز سامنے دیکھتے ہوئے بولنے لگا۔ اس کی آواز میں نرمی اور ندامت تھی۔

"میں جانتی ہوں۔ تم نے اسے پکڑا کیسے؟"

"چاچو کو گولیاں ایک پھولوں کی دکان کے باہر لگی تھیں۔ اس دکان کے کیمرے چیک کیے، وہاں سے ہم نے اس قاتل کو ٹریس کیا۔"

"یہ کام تم نے کر لیا۔ پولیس کیوں نہیں کر سکی؟"

"وہ بھی پکڑ لیتی۔ لیکن مجھے خود سے زیادہ کسی پر بھروسہ نہیں۔" وہ سادگی سے بولا۔

"کیا اس نے تمہیں بتایا یہ سب کس نے کروایا ہے؟" ماہین کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"اس نے ہر بار وہی بات کی ہے، کہ ارسل نے اسے کمانڈ دی۔ اسے اپنی بے عزتی کا بدلا چاہیے تھا۔"

ماہین نے لمحہ بھر کو آنکھیں میچی۔

"جھوٹ بول رہا ہے۔ ارسل قاتل نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے بابا کو مار نہیں سکتا۔"

مہروز نے تیوری چڑھا کر ماہین کو دیکھا، وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں اتنا یقین کیوں ہے اس پر؟ کیا تم اصل قاتل کو جانتی ہو؟"

"مجھے بس یہ پتہ ہے ارسل قاتل نہیں ہے۔ وہ جھوٹا ہے، شراب بیچتا تھا مگر وہ قاتل نہیں ہو سکتا۔"

"ماہین! تم جانتی ہو اس نے اپنی جگہ کسی اور کو مروا کر اسے ارسل ثابت کر دیا ہے۔ اور خود یہاں کسی اور نام سے پھر رہا ہے۔ اب کوئی پولیس اس کے پیچھے نہیں ہے، وہ آزاد ہے۔"

ماہین کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"میں جانتی ہوں، مجھے یوشاکا نے بتایا ہے۔ خود کو بچانے کے لیے اس نے یہ تماشا کیا ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ قاتل ہے۔"

"لیکن اس سے یہ ثابت ضرور ہوتا ہے کہ
وہ کتنا بڑا کھلاڑی ہے۔ اس کے لیے اپنی
جگہ کسی اور انسان کو جلا کر پیش کرنا
کوئی مشکل کام نہیں۔ اپنی آزادی کے لیے
وہ دوسروں کی زندگیوں کی پرواہ نہیں
کرتا ماہین اور تمہیں لگتا ہے وہ قاتل
نہیں ہو سکتا؟"
مہروز دبے دبے غصے سے بولا تھا۔ اس کی
سمجھ سے باہر تھا کہ ماہین اس گدھے
کا دفاع کیوں کر رہی تھی۔
"مطلب تمہیں اس بات پر یقین ہے کہ
احمد صدیقی نے سچ بولا ہے؟
"قتل ارسل نے کروایا ہے۔"
"بلکل نہیں۔ ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔
لیکن ارسل بے گناہ نہیں ہے۔ وہ بھی
شامل ہے اس کھیل میں۔"
"تم نے اس ماسٹر مائنڈ کا پتہ نہیں
لگوایا؟" مابین تیزی سے بولی۔

اس کے بارے میں صرف ارسل جانتا ہے۔"
احمد صدیقی کے پاس ماسٹر مائنڈ نے
ارسل کو بھیجوایا تھا  تاکہ سارا الزام
ارسل پر آ جائے اور
"اس تک کوئی نہ جائے۔
ماہین کے دل میں آگ لگ چکی تھی۔ اسے
یقین نہیں آرہا تھا، ارسل کا بھی اس قتل
میں حصہ تھا۔ پہلے اس کا شراب کا
دھندا، اب یہ قتل اور کتنے چہرے ہونگے
ایک ہی انسان کے؟
تم کیا کرو گے اب؟" وہ صدمے کی کیفیت"
میں بولی۔
صرف ارسل اس بندے تک پہنچا سکتا"
ہے۔ مجھے یقین ہے اب وہ اس
سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ اور
"تب ہے۔ شہ مات
مہروز اس احمد صدیقی کا سینہ بھی"
"اسی طرح سے چھلنی کرنا۔

مابین شدید غصیلے انداز میں بولی۔
"احمد صدیقی اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے"
ماہین پیچھے ارسل اور وہ ماسٹر مائنڈ
رہ گئے ہیں ان دونوں کا انجام بھی جلد
سامنے ہوگا۔"
ماہین کو احمد صدیقی کے بارے سن کر
قدرے تسلی ہوئی تھی۔
وہ دونوں اب واپس پلٹے۔
سامنے سے خدیجہ آ رہی تھی، مہروز
لمبے ڈگ بھرتا نیچے چلا گیا۔ خدیجہ کا منہ
اترا ہوا تھا۔ وہ ماہین سے نظریں چرائے
کمرے میں جانے لگی جب ماہین کی آواز
سے رکی۔
"کیا ہوا؟" وہ اس کے قریب آتے بولی۔
"کچھ نہیں ہوا۔" خدیجہ کے انداز سے
اس کی ناراضگی ظاہر تھی۔
"ناراض ہو؟"

"کیوں؟ نہیں ہونا چاہیے؟ تم نے سب کے سامنے بھائی شاہ زیب کی بےعزتی کی ہے۔"

ماہین نے گہرا سانس لیا۔ "تمہیں برا لگا۔ مجھے معاف کر دو۔"

"سب کو برا لگا ماہین۔ تمہیں معافی مجھ سے نہیں، بھائی سے مانگنی چاہیے۔"

خدیجہ کا لہجہ اکھڑا ہوا نہیں تھا، بس وہ سادگی سے ناراضگی ظاہر کر رہی تھی۔

"میں اس سے معافی نہیں مانگوں گی۔"

ماہین نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ (اس سے معافی مانگتی میری جوتی) اس نے دل میں سوچا۔

"ماہین، تم ہم پر یقین نہیں کرتی؟ ہم لالچی لگتے ہیں تمہیں؟" خدیجہ کے لہجے میں اب اکھڑ پن تھا، اور ملال بھی۔

اس کی بات سے ماہین کو دھچکا
لگا۔ "کیا مطلب؟ یہ کس نے کہا؟"
"کسی نے نہیں۔" خدیجہ پھر سے اندر
جانے لگی تھی لیکن ماہین نے جلدی سے
اس کا ہاتھ پکڑا، وہ وہی رک گئی۔
"مجھے بتاؤ، یہ کیوں بول رہی ہو؟"
"ظاہر ہے ماہین۔ تم نے اپنے اس ملایشیا
کے بندے کو سارے کام سنبھالنے کو بول دیا،
لیکن بابا اور بھائی شاہ زیب کو منع کر
دیا۔ اس کا یہی مطلب ہوا نا تم ہم
لوگوں کو لالچی سمجھتی ہو؟ اور اعتبار
نہیں کرتی۔"
خدیجہ کی بات سن کر، ماہین کو کچھ
کچھ سمجھ آ رہا تھا، نیچے شاہ زیب نے
ضرور کوئی بات کی ہوگی اس حوالے
سے۔
"خدیجہ، واللہ مجھے تایا جان پر کوئی بے
اعتباری نہیں ہے۔ بابا نے انہیں تیس فیصد

حصہ دار بنایا تھا۔ یہ ان کے پاس ہی ہے۔ لیکن باقی کا میرے اور محراب کے نام پر ہے۔ مجھے بس اس کی حفاظت کرنی ہے۔ تایا جان کا باقی کا کام یہاں پر ہے، وہ ہر وقت وہاں نہیں سنبھال سکتے۔ اور ہم صرف امی کی عدت پوری ہونے تک یہاں پر ہیں۔ وہاں جا کر میں خود سنبھالوں گی سب کچھ۔"

"بھائی شاہ زیب تو سنبھال سکتے ہیں نا۔ وہ اگلے ہفتے کسی کام سے ملایشیا جا رہے ہیں۔ انہیں کام کا اچھا تجربہ بھی ہے، تم انہیں کیوں نہیں ذمہ داری سونپ دیتی؟ ایک انجان بندے پر یقین کر کے نقصان ہوگا۔" (خدیجہ کا اشارہ یوشاکا کی طرف تھا۔)

"خدیجہ، یوشاکا انجان نہیں ہے ہمارے لیے۔ وہ بابا کے سب سے قریبی دوستوں میں سے ہے۔ ہم بچپن سے انہیں دیکھتے

آرہے ہیں۔ کچھ ہی تو عرصے کی بات ہے۔ اور تم یہ سب اچانک سے کیوں بول رہی ہو؟" ماہین اس بات کا جواب جانتی تھی، پھر بھی پوچھا۔

"بھائی شاہ زیب بول رہے ہیں کہ انجان انسان پر یقین کر کے نقصان ہوگا۔ تمہیں کسی اپنے خونی رشتے پر اعتبار کرنا چاہیے۔"

"خونی رشتے؟ سب سے زیادہ تکلیف خونی رشتوں سے ملتی ہے خدیجہ۔ تکلیف بھی ایسی کہ دل چیر دے، اور مرہم بھی پھر نمک کا لگایا جاتا ہے۔"

ماہین کا لہجہ زخمی اور کاٹ دار تھا۔ جس پر خدیجہ کو مزید غصہ آیا،

"خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے ماہین۔ تم پچھتاؤ گی۔ میری سمجھ سے باہر ہے تم کس لیے بھائی سے بددل ہو۔ وہ میرا بھائی ہے، تمہارا فرسٹ کزن ہے، اس

بات کا تو لحاظ رکھو۔" یہ کہتے ہوئے خدیجہ غصے سے ماہین کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔ ماہین کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ شاہ زیب کی چمڑی ادھیڑ دے۔ وہ اسی طرح غصے میں نیچے کی طرف جانے لگی۔ اس نے اپنی ہری تسبیح کے بٹن پر اپنا انگھوٹا رکھ کر زور سے دبایا۔ اس کے چہرے پر محض غصے کے
تاثرات تھے۔
اس نے اردگرد نظر گھمائی، سب کمرے میں جا چکے تھے۔ وہ سیدھا شاہ زیب کے کمرے کی طرف گئی، دروازا بجایا۔
کچھ لمحے بعد اندر سے شارفہ آئی۔
بھابھی، شاہ زیب کو بھیجیے گا۔" اس نے" حد تک اپنا لہجہ نرم بناتے ہوئے بولا۔
پیچھے سے شاہ زیب خود ہی چلتا ہوا باہر آیا۔

"ماہین؟ کیا ہوا؟" وہ تشویش سے پوچھتا آگے آیا۔ اس نے شارفہ کو اندر جانے کا اشارہ کیا، وہ خاموشی سے اندر ہو لی۔ شاہ زیب اب احتیاطاً دروازہ بند کر رہا تھا، ماہین چند قدم دروازے سے دور کھڑی تھی۔ اسے باہر نکلتا دیکھ مزید پیچھے ہوئی۔

"شاہ زیب! تم اپنی لالچی نظروں کو میرے باپ کی جائداد پر گاڑے بیٹھے ہو۔ تمہیں لگتا ہے میں آسانی سے دستبردار ہو کر اپنی ہر چیز تمہارے حوالے کر دوں گی؟" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔ جبکہ شاہ زیب چہرے پر مسکراہٹ سجائے اپنی گہری سیاہ آنکھوں سے ماہین کو دیکھ رہا تھا۔

"ماہین! میری بہنوں جیسی ہو تم۔ میں بھلا برا کیوں چاہوں گا تم لوگوں کا؟ میں تو تم لوگوں کے بھلے کے لیے کہہ رہا

ہوں۔ کسی انجان سے بہتر ہے کوئی اپنا
کام سنبھال لے۔"

"اوہ! میرا یہ دل آپ کی اس رحم دلی پر
قربان جائے۔ لیکن مجھے یوشاکا سے زیادہ
کسی پر اعتبار نہیں ہے، سمجھے تم؟
بھول جاؤ کہ تم میرا برین واش کروا
سکتے ہو۔"

وہ ابھی بھی اسی طرح مسکراہٹ چہرے
پر سجائے کھڑا تھا۔

"میں ملایشیا جا رہا ہوں ماہین۔ مجھے
یقین ہے تم اپنا فیصلہ بدل لوگی۔ آخر ہم
خون کے رشتے میں بندھے ہیں۔ اور تم نے
وہ کہاوت تو سنی ہوگی نا، خون پانی
سے گاڑھا ہوتا ہے۔"

"نہیں شاہ زیب۔ لیکن میں نے وہ کہاوت
سنی ہے، جو تمہارے قریب ہوتا ہے، اتنا
قریب کہ خون بھی جڑا ہو آپس میں وہ
زیادہ گہرے زخم دیتا ہے۔"

"کیوں اتنا بدظن ہو مجھ سے؟"
ماہین نے اب کے اس کے ہاتھ کی جانب دیکھا۔
"تمہارے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی کم کیوں ہے؟ بارہ سال پہلے تو چھ تھیں۔ ایک کہاں گئی میرے پیارے خونی رشتے؟"
اس کی بات سے شاہ زیب کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹی، جسم کا سارا خون نچڑ گیا۔
"مہ مطلب؟" اس کی آنکھوں میں انگارے پھوٹ رہے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ کیا بولے۔ "ماہین کو یاد تھا، اوہ گاڈ وہ اتنا بڑا بیواقوف کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔
اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھتے اب کہ ماہین تسلی سے بولی،
"بلکل!ماہین کو سب یاد ہے۔ بھلا کیا نام تھا اس کلر کا؟ ہاں یاد آیا، احمد صدیقی۔

یاد رکھنا شاہ زیب، تم بہت جلد انجام کو
پہنچو گے۔ وہ بھی اپنے خونی رشتوں کے
ہاتھوں۔ اور جانتے ہو اس وقت ماہین
تمہیں کیا بولے گی؟ خون پانی سے گاڑھا
ہوتا ہے، اسی لیے آپ کو خونی رشتوں
سے زخم بھی گاڑھے ملتے ہیں۔" اب کے
مسکراہٹ ماہین کے چہرے پر تھی، جو
اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔
شاہ زیب کا دل چاہا اس وقت ماہین کے
چہرے پر زاروقطار تھپڑ مارے۔ اس کا
ماسک نوچ ڈالے۔ وہ سختی سے مٹھیاں
بھینچے کھڑا رہا۔
"تم پچھتاؤ گی ماہین۔ کوئی تم پر یقین
نہیں کرے گا۔" اس نے محض اتنا کہا۔
"میں حقیقت سامنے لاؤں گی، تم دیکھنا۔"
لیکن مجھے تم سے صرف ایک جواب
چاہیے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تمہیں
تمہیں ایک بار بھی ترس نہیں آیا؟" آخر

میں اس کی آواز ہلکی سی کپکپائی تھی۔

شاہ زیب کے چہرے کے زاویے اب بحال ہو رہے تھے۔ وہ صورتحال کو قبول کر رہا تھا۔

"ظاہر ہے، ماہین۔ ایک بزنس مین کو کیا چاہیے ہوتا ہے؟ اپنے بزنس میں ترقی۔ تمہارے والد کی موت مجھے یقینی بنانی پڑی، کیونکہ یہ موت میرے کاروباری خوابوں کی تکمیل کا ایک ضروری حصہ تھی۔

ہم بزنس مین صرف اپنے کام کو نہیں بڑھاتے، بلکہ دوسروں کی کامیابیوں کو بھی اپنے خوابوں کا حصہ بناتے ہیں۔ تمہارے والد کا بزنس، جو ایک عظیم سلطنت کی مانند تھا، میرے لئے صرف ایک موقع تھا کہ میں اپنے امبیشنز کو مکمل کر سکوں۔ ہر کاروباری ذہن کی

خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی سلطنت کو وسعت دے، دوسروں کی کامیابیاں بھی اپنے نام کر لے۔ اور جب یہ موقع سامنے آیا، میں نے اسے ضائع نہیں کیا۔"

ماہین کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ (خونی رشتے؟)

وہ لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ اتنا کہہ سکی، "تمہیں تمہارے کیے کی سزا جلد ملے گی۔ تم دیکھنا، شاہ زیب۔ تم ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے۔"

"ماہین، یقین کرو، میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ میں مزید کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے سارا بزنس ڈیل کرنے دو۔" وہ نرمی سے ماہین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں، شاہ زیب۔ میں تمہارے اور ارسل دونوں کے حوالے سارا بزنس کر

دوں گی۔ کل پیپر تیار کر لانا، میں سائن کر دوں گی۔" وہ اپنے تلخ الفاظ بہت سادگی سے شاہ زیب کے منہ پر مار رہی تھی۔

"میں تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، ماہین۔ مان جاؤ میری بات، لڑکی۔"

ماہین ایک قدم آگے ہوئی، اور رازداری کے ساتھ بولی، "تم جیسوں کو میں اپنے پالتو کتے کے طور پر نا پالوں، اور تم چاہتے ہو میں تمہیں اپنے سروں پر مسلط کر دوں، شاہ زیب؟"

گویا شاہ زیب کے سر پر کسی نے پانی انڈیل دیا۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

"اپنی حد میں رہو، لڑکی۔" غصے سے اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔

شہ مات ہے" ماہین بھی جواباً اونچی آواز" میں بولتے ہوئے، ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالے مڑ گئی۔

"ہنہہ! مجھے بزنس دے دو، میں بھیک مانگتا ہوں، ماہینہ افف افف!" وہ اسے چڑھانے والے انداز میں اونچی بول رہی تھی، وہ غصے سے ماہین کی پشت دیکھتا رہا۔

ماہین واپس سے زینے چڑھنے لگی۔ اس کا کام ہو چکا تھا، اب کل وہ سب کو ثبوت سمیت شاہ زیب کی اصلیت دکھائے گی۔ اس نے اور بھی بہت کچھ سوچ رکھا تھا، لیکن اس کے لیے صبح کا انتظار تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی، بیڈ پر خدیجہ بیٹھی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر اس نے منہ پرے کر لیا، جیسے ناراضگی ظاہر کر رہی ہو۔ ماہین خاموشی سے آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

اس نے بھی خدیجہ سے کوئی بات نہیں
کی۔ وہ خاموشی سے ساتھ موجود دراز
سے اپنا قرآن اٹھانے لگی۔
خدیجہ نے غصے میں موبائل اٹھایا، اور اپنی
کانٹیکٹ لسٹ نکال کر وہاں موجود
ماہین کا نمبر جو اس نے 'روبیشہ' اور آگے
ایک سفید دل کے ساتھ محفوظ کر رکھا
تھا، واپس سے ماہین کے نام سے محفوظ
کر دیا۔ وہ اپنے قریبی لوگوں کے نمبرز
کسی خصوصیات کے مطابق محفوظ کرتی
تھی، اور ان سے لڑائی ہو جانے پر واپس
سے انہیں ان کے اصل نام سے تبدیل کر
دیتی۔
اس نے ماہین کا نام 'روبیشہ' کے لفظ سے
محفوظ کر رکھا تھا۔ خدیجہ کو بھی ایک
بار اس کے استاد نے اس لفظ کا قدیم
عربی زبان میں گاڑھا مطلب سمجھایا
تھا۔ 'قیمتی پتھر '

روبیشہ ایک ایسا لفظ ہے جو قیمتی پتھر کی خوبصورتی اور نایابی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ جیسے قیمتی پتھر اپنی چمک اور نایابی کی وجہ سے سب کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، ویسے ہی انسان کی زندگی میں حقیقی دوست بھی قیمتی پتھر کی مانند ہوتے ہیں۔

دوستی کا رشتہ بھی اسی طرح کی نایابیت رکھتا ہے۔ یہ وہ قیمتی خزانہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔ جیسے کسی پتھر کی خوبصورتی کو جانچنے کے لیے اسے مختلف زاویوں سے دیکھنا پڑتا ہے، ویسے ہی دوست کی قدر کرنے کے لیے ہمیں اس کے ساتھ گزارے گئے لمحوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

جب ہم اپنے دوستوں کے ساتھ زندگی کا سفر کرتے ہیں، ان کے ساتھ خوشیاں بانٹتے ہیں، اور مشکلات کا سامنا کرتے

ہیں، تو یہ وہ لمحات ہیں جو ہماری دوستی کو کسی روبیشہ کی مانند انمول بنا دیتے ہیں جیسے روبیشہ (قیمتی پتھر) کی چمک ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے، ویسے ہی ایک سچا دوست بھی زندگی کی راہوں میں روشنی کا مینار بن کر ہمارے ساتھ چلتا ہے۔

اسی لیے، "روبیشہ" صرف ایک قیمتی پتھر نہیں، بلکہ دوستی کی علامت بھی ہے — ایک ایسا رشتہ جو زندگی میں سب سے قیمتی اور نایاب ہوتا ہے۔

*******

# باب 8

# مارگلہ کی پہاڑیاں

غلاف کھولتے ہی ماہین کی نظر سفید رنگوں پر پڑی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ پہلے سفید پھول کے اوپر پھیرا۔ اس پر موجود خون کا لال رنگ سوکھ چکا تھا،

ایک زخمی مسکراہٹ اس کے چہرے پر در آئی۔ پھر اس نے ساتھ موجود سفید ملائم دستانوں پر ہاتھ پھیرا۔ "سفید رنگ تو پسندیدہ تھا میرا۔ کیا میں تمہاری پسندیدہ نہیں تھی؟" وہ سوچوں میں ڈوبے خود سے کہہ رہی تھی۔

اس نے اب دونوں ہاتھوں سے قرآن اٹھایا۔ اسے اوپر کر کے اپنی آنکھوں سے لگایا۔ وہ جب بھی دکھی ہوتی، قرآن کو آنکھوں کے ساتھ لگاتی تھی۔ ایک سکون سا اس کے اندر اتر جاتا تھا۔ ایک لمبی گہری سانس لے کر قرآن کو کھولنے لگی۔

قرآن کو بیچ سے کھولتے ہوئے سورت طہٰ کا صحفہ سامنے آیا۔ اس پر ایک آیت کو ماہین نے ہائی لائٹ کر رکھا تھا، جس پر لکھا تھا،

لَا تَخَافَآ إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (20:46)

"تم دونوں خوف نہ کرو، بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔"

ماہین کی نظریں آیت پر جم گئیں، "لَا تَخَافَآ... إِنَّنِي مَعَكُمَآ..." اس نے دل ہی دل میں اسے دہرانا شروع کیا، جیسے ہر لفظ اپنی گہرائی میں اسے کھینچ رہا ہو۔

"تم دونوں خوف نہ کرو..." وہ سوچنے لگی، دونوں؟ اس لفظ میں چھپی حکمت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

کیا اللہ اسے یاد دلا رہا تھا کہ زندگی میں انسان کبھی مکمل طور پر تنہا نہیں ہوتا؟ اللہ نے ہمیشہ کسی نہ کسی کو نوازا ہوتا ہے، کوئی دوست، کوئی رشتہ جو آپ کے ساتھ اس سفر میں ہوتا ہے، چاہے آپ کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ وہ دوسرا شخص، جو آپ کی دعاؤں کا

جواب ہو سکتا ہے، وہ رشتے، وہ محبت
جو اللہ کے فضل سے آپ کی زندگی میں
شامل ہوتی ہے۔
ماہین نے خود سے کہا، "کون ہے دوسرا
انسان؟ وہ شخص جس کے بارے میں اللہ
فرما رہا ہے کہ تم دونوں مت ڈرو، میں
تمہارے ساتھ ہوں، تمہاری ہر بات سنتا
ہوں، تمہاری ہر تکلیف دیکھتا ہوں۔" کیا
اللہ اسے یاد دلا رہا تھا کہ وہ اکیلی نہیں
ہے؟
وہ خود سے سوچنے لگی، "خدیجہ؟
محراب؟ تایا جان؟ امی؟ کون ہے وہ
دوسرا انسان جو میرے ساتھ خوف میں
ہے؟"
ماہین کے دل میں آیت کی گہرائی اترنے
لگی۔ یہ دونوں کا ذکر شاید صرف
حضرت موسیٰ اور ہارون کا نہیں تھا
یہ ہر اس دو انسان کی کہانی تھی،

Writer: Aleena Aqeel Ahmad
جنہیں اللہ نے ایک دوسرے کا ساتھی بنایا
ہو، تاکہ وہ مل کر اس
کے راستے پر چل سکیں۔
کچھ لمحے بعد ماہین قرآن بند کر کے
غلاف میں ڈالنے لگی۔
چند لمحوں کے لیے دنیا سے کٹ کر صرف
قرآن کے لفظوں پر غور کرنا، آج کے لیے
اپنا سبق تلاشنا انسان کو سکون میں مبتلا
کر دیتا ہے۔
ماہین قرآن کو واپس سائڈ ٹیبل کے دراز
میں رکھ کر سیدھی ہوئی۔
ایک نظر خدیجہ پر ڈالی، اس کی ہلتی
پلکیں دیکھی جیسے وہ جان بوجھ کر
سونے کی کوشش کر رہی ہو۔
ماہین مسکرانے لگی۔ "مجھے معاف کر
دو، خدیجہ۔" خدیجہ کا جواب نا پا کر وہ
بھی لیٹ گئی۔ اب وہ آنکھیں بند کیے زیر

لب سورہ الملک پڑھ رہی تھی، اور نیند
کی آغوش میں چلی گئی۔

*******

شاہ زیب نے موبائل نکالا۔ ایک نمبر ڈائل
کرنے لگا، کچھ دیر گھنٹی بجنے
کے بعد کال اٹھا لی گئی۔
"ارسل تک اسی وقت ایک پیغام پہنچاؤ۔
صبح چھ بجے ماہین گھر کے باہر چہل
قدمی کرتی ہے۔ اسے یہاں سے اغوا کرو،
اور دو گھنٹے کے اندر اندر اسے مار کر اس
کی لاش دفنا دو۔ یہ کام ارسل خود کرے
گا اور غلطی کی معافی نہیں ملے گی،
سمجھے؟ ماہین کے ساتھ دو اور لڑکیاں
ہوں گی۔ ان کو خراش بھی آئی تو میں
ماہین کے ساتھ ارسل کی جان بھی لے
لوں گا۔" یہ کہتے ساتھ اس نے کال کاٹ
دی۔

وہ ارسل سے براہ راست کال پر بات نہیں کر رہا تھا، وہ کسی دوسرے انسان کے ذریعے اس تک پیغام پہنچاتا تھا۔

"شہہ مات اسے کہتے ہیں، ماہین۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔ کچھ لمحے بعد وہ خود پر مصنوعی مسکراہٹ طاری کیے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا کہہ رہی تھی ماہین؟" شارفہ اسے گھورتے ہوئے پوچھنے لگی۔ وہ خاموشی سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا اور حوریہ کے بالوں میں شفقت اور محبت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بس آج کے لیے معافی مانگ رہی تھی۔"

"یہ سہی ہے۔۔ پہلے بدتمیزی کرو پھر معافیاں مانگنے لگ جاؤ۔ ہنہہ۔ تو آپ نے کیا جواب دیا؟"

شارفہ تیوری چڑھائے بول رہی تھی۔

کیا کہہ سکتے ہیں اس نے معافی"
مانگی، میں نے معاف کر دیا ہے ہم فیملی
"ہیں ایک۔
شارفہ زیرِ لب بڑبڑاتے آکر بیڈ کی دوسری
جانب بیٹھ گئی۔ دونوں کی
نظریں حوریہ پر جمی تھیں، جو لیگو
(بلڈنگ بلاکس) بنا رہی تھی۔

*******

مہروز اپنے کمرے میں موجود تھا، وہ نیٹ
کیفے ریستوران کی کچھ فائلز کو
دیکھ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس
نے کال اٹھائی، سامنے ایک مردانہ آواز
تھی۔ "سر، ارسل اس وقت فٹنس
فیکٹری میں جِم کر رہا ہے، ایک بچہ اسے
گلاب کا پھول پکڑا کر گیا ہے، اس پر ایک
چٹ لگی تھی۔ ارسل نے چٹ پڑھتے ہی
"منہ میں ڈال کر نگل لی۔

"ڈیم اٹ۔ پتہ کرو اس بچے کو پھول کس نے پکڑایا؟" اس کے بعد رابطہ منقطع ہوگیا۔ مہروز بند مُٹھی اپنے ہونٹوں سے لگائے کچھ سوچ رہا تھا۔ جب اس نے برحان کو کال ملائی۔

"کیا ہے؟" برحان بےزاری سے بولا۔

"احمد صدیقی کے موبائل کا کچھ پتہ چلا؟" مہروز تیزی سے بولا۔

"یہ کام ایک دن میں نہیں ہوتے مہروز میاں۔ کل تک وقت دو۔ اس کا موبائل تمہارے پاس ہوگا۔"

"برحان، مجھے ہر صورت وہ کل چاہیے۔ میرا دل بہت بے چین ہے۔ مزید کوئی نقصان ہو، اس سے پہلے اصل انسان تک پہنچنا ہے مجھے۔"

"تمہیں شک ہے کسی پر؟ یا کچھ پتا چلا ہے؟" برحان کو اس کے لحجے سے کچھ جھجکا۔

مہروز کو آج کھانے کی میز پر بیٹھے ماہین کی شاہ زیب سے تلخ لہجے میں کی گفتگو یاد آئی۔ ناجانے کیوں ایک خدشہ سا تھا اس کے دل میں، جسے وہ کسی صورت زبان پر نہیں لانے دینا چاہتا تھا۔ کہتے ہیں کچھ برے خدشات زبان پر آجائیں تو وہ سچ ہو جاتے ہیں۔

"نہیں، فالحال شک نہیں ہے۔ لیکن تم پتہ کرو۔ وہ موبائل مل گیا تو یقیناً کچھ ضرور ملے گا اس میں سے۔"

"کوئی پریشانی ہے مہروز؟ ماہین نے کچھ کہا ہے تم سے؟" اب کہ برحان تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ اداس ہے۔" مہروز چند لمحے بعد دھیمی آواز میں بولا۔

"اور تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، وہ واپس ملایشیا چلی جائے۔"

برحان کے لیے یہ جواب غیر متوقع تھا۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ مہینہ پہلے
تمہاری زبان پر ایک ہی جملہ تھا، وہ
چلی جائے گی اور اب وہ یہاں رہ رہی
ہے تو اسے واپس بھیجنا چاہتے ہو؟ چاہتے
کیا ہو تم؟"
"لیکن میں کبھی یہ نہیں چاہتا تھا، وہ
اس طرح سے یہاں رہے۔۔ اسلام آباد نے
اس سے اس کا باپ چھینا ہے۔ اسے کبھی
محبت نہیں ہوگی اس شہر سے۔"
"تو تمہیں یہ مسئلہ ہے، تمہیں لگتا ہے
وہ تم سے محبت نہیں کرے گی کبھی؟"
"پتا نہیں۔"
"ایک چینی کہاوت ہے مہروز۔ جب تمہیں
لگے اگلا تم سے محبت نہیں کرے گا، تب
کبھی بھی اپنے احساسات اس پر ظاہر نہ
کرنا۔ بڑی بےعزتی ہوگی۔"

مہروز نے موبائل کان سے ہٹا کر ایک نظر
گھورتے ہوئے اسے دیکھا، واپس کان سے
لگایا۔ "تمہیں کوئی فلاسفی بات نہ آئے،
"تو کہاوتیں گھڑنے لگ جاتے ہو؟
جواباً برحان کا زور دار قہقہہ گونجا۔
"جب تمہیں میری کوئی بات ماننی نہیں
"ہوتی تو میرے پاس آتے کیوں ہو؟
"کیونکہ میری زندگی میں موجود ہر
مسئلہ تمہاری وجہ سے ہوتا ہے۔ اور
زیادتی تو یہ ہے، انہیں حل کرنے بھی
"مجھے تمہارے پاس آنا پڑتا ہے۔
"بریک لگاؤ، یہ تمہاری زندگی میں کچھ
بھی ہو اس کی وجہ ہر بار میں کیوں
"بن جاتا ہوں؟
(مہروز کی زندگی میں کچھ بھی الٹا
سیدھا ہوتا تھا، تو وہ ہر بات کا الزام
برحان پر ڈال دیتا تھا۔ چاہے مہروز کو
بخار ہو جائے، اس کا معدہ ٹھیک کام نا کر

رہا ہو، یا اسے رات نیند نہ آرہی ہو، سب کی ایک ہی وجہ نکلتی۔ برحان شیخ)۔

"تمہاری منحوسیت ہے میری زندگی پر۔ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوتا ہے۔ سمجھے تم؟ اور اگر تم نے کل تک مجھے موبائل یا کچھ بھی ڈیٹا نہ نکال کر دیا تو آئندہ اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔"

"یہ جتنی فکر تم ماہین کی کرتے ہو، کبھی میری کی ہے؟ کچھ برس پہلے میری ماں بھی مر گئی تھی، میرے لیے تو اتنی فکر نہیں دکھائی تم نے۔" برحان جل کر بولا۔ لیکن اس کے لہجے میں ابھی بھی شرارت تھی۔

"یا خدا۔ تم میری بیوی کیوں بنتے ہو؟"

"شرم نہیں آتی؟"

"میری شرم کھو گئی ہے۔ ڈھونڈ دو گے؟"

اسی شدت سے ڈھونڈنا جس شدت سے

اس قاتل کو ڈھونڈ رہے ہو؟" برحان اسے
مزید تپانے والے انداز میں بول رہا تھا۔
تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں میرے بھائی۔"
انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے سے کھوئی
ہوئی چیزیں واپس مل جاتی ہیں۔ تم
کثرت سے پڑھا کرو، شاید تمہاری کھوئی
"ہوئی شرم بھی تمہیں واپس مل جائے۔
یہ کہتے ساتھ وہ کال کاٹ گیا۔
برحان ابھی تک ہنس رہا تھا۔ کال کٹنے
کے بعد، اس نے خود کو سنبھالا۔ وہ اپنے
تاریک کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا
تھا۔ وہ پچھلے چھ گھنٹوں سے مسلسل
احمد صدیقی کی ذاتی معلومات نکال رہا
تھا۔ کچھ تو ہوگا، جس کی کڑی خاور کے
کیس سے جڑے گی۔
وہ صبح سے احمد صدیقی کے موبائل کو
ڈھونڈنے میں لگا تھا، لیکن اب وہ

احمد صدیقی سے جڑے لوگوں کے موبائلز کی سمز ڈیٹا نکالنے میں مصروف تھا۔ اسے احمد صدیقی کے موبائل کی ضرورت نہیں تھی، اسے بس اس کا نمبر درکار تھا۔

وہ شدید تھک گیا تھا، لیکن کام پورا کرنا تھا۔

اس نے ایک نظر سامنے رکھے موبائل پر ڈالی، جس پر ابھی مہروز سے بات ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے دیکھتا رہا، پھر واپس کام میں مصروف ہوگیا۔

مہروز اس کو اپنے سگے بھائیوں سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کی دنیا میں، صرف مہروز تھا جس کے لیے برحان بغیر کسی وجہ کے اہم تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بغیر سوچے سمجھے گولی کھا بھی سکتے تھے، اور مار

بھی سکتے تھے۔ البتہ اظہار نہیں کرتے تھے۔

یہ پہلی بار نہیں تھا کہ وہ کوئی کیس ڈیل کر رہے ہوں۔ برحان اور مہروز مل کر بہت سے ایسے کیس ڈیل کر چکے تھے، بس اس بار مسئلہ دل کا آگیا، اپنوں کا آگیا۔

سوائے اس بار کہ، وہ ہر کیس اپنی مرضی سے لیتے تھے۔ اسے انویسٹیگیٹ کر کے معاملہ مدعی اور پولیس کے حوالے ثبوت سمیت کر دیتے۔

لیکن یہ پہلی بار تھا، انویسٹیگیٹ بھی انہیں کرنا تھا، مجرم بھی انہیں پکڑنا تھا، اور مجرم کو سزا بھی انہیں خود دینی تھی۔

مہروز نے اپنی زندگی کا پہلا اصول ماہین کے لیے توڑا تھا۔ اور برحان جانتا تھا، وہ

اس کے لیے ہزار اصول مزید بھی توڑ سکتا ہے۔

برحان دل سے چاہتا تھا کہ وہ دونوں مل جائے۔ مہروز کو اس کی چاہت سے نواز دیا جائے۔

وہ رات کتنی ہی دیر کرسی پر بیٹھے، لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے کام کرتا رہا۔ اس وقت باہر فجر کی اذانیں سنائی دے رہی تھیں۔ برحان کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ آخر کار مجھے ماسٹر مائنڈ کا نمبر مل گیا۔ خوشی کی لہر اس کے دل میں دوڑ اٹھی۔

اس نے وہ نمبر ایک کاغذ پر لکھا، اس کے پیچھے "ماسٹر مائنڈ" لکھ کر کاغذ اپنی جیب میں ڈالا۔ اور فجر پڑھنے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد اسے ایک گہری نیند لینی تھی، اور پھر مہروز کی طرف جا کر اسے

وہ نمبر سونپ کر اگلا کام شروع کرنا تھا۔

*******

عین چھ بجے ماہین، خدیجہ اور محراب گھر کے باہر چہل قدمی کر رہی تھیں۔ ماہین نے سیاہ رنگ کی لانگ فراک پہنی ہوئی تھی، سر پر اپنا روایتی حجاب اور ماسک اوڑھا ہوا تھا۔ جبکہ خدیجہ نے سبز رنگ کا پھولوں سے مزین کرتا شلوار پہن رکھا تھا، اور محراب نے بھورے رنگ کی گھٹنوں سے اوپر آتی گول فراک کے نیچے اسی رنگ کا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ آج محراب ان دونوں کے درمیان چل رہی تھی، وہ ایک نظر دونوں پر ڈالتی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے دونوں کو؟" محراب نے آنکھیں سکوڑ کر سوال کیا۔

"مجھے اس بارے میں بات نہیں کرنی۔" خدیجہ نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"او لا ما، کیا ہوا ہے ماہین؟" محراب نے تشویش سے پوچھا (او لا ما ملایشیا زبان میں 'اوہ خدایا' کو کہا جاتا ہے)۔

"اسے لگتا ہے میں بدتمیز ہوں، شوخی ہوں۔" ماہین منہ بسور کر بولی، وہ مزاج کو کچھ ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔ خدیجہ نے جواباً ایک نظر اسے گھور کر دیکھا۔ "تمہیں میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں کل سے ناراض ہوں، تم نے ایک بار بھی مجھے ٹھیک سے منایا؟"

"یا اللہ، میں نے کل معافی تو مانگی تھی!"

"پاکستان میں اسے منانا نہیں کہتے، بی بی۔ جب تک مکمل منتیں نہ کی جائیں، ہم نہیں مانتے۔ لیکن تمہیں میری ناراضگی کی کیا پرواہ؟"

خدیجہ شدید غصے میں تھی اس کی بات سن کر ماہین اور محراب حیرت زدہ رہ گئیں، اور چند لمحوں بعد دونوں ہنسنے لگیں۔

"یعنی میں تمہاری منتیں کروں گی تو تم مانو گی؟ لیکن ہم تو دوست ہیں۔"

"تو کیا دوست منتیں نہیں کرتے؟"

"کرتے ہوں گے، میں بھی کر لوں گی۔"

لیکن کیا دوسرے دوست کو یہ گوارا ہوگا کہ اس کا دوست منتیں کرے؟" ماہین ابھی بھی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بول رہی تھی۔

"ہنہہ مت کرو، اور مجھ سے بات بھی مت کرنا۔" خدیجہ کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا، آج ناشتے کے وقت سب کی موجودگی میں تم سے معافی مانگ لوں گی، ٹھیک؟"

"ناشتے کے وقت کیوں؟" محراب نے سوال کیا۔

"مجھے قاتل کا ثبوت مل گیا ہے، میں ناشتے پر سب پر ظاہر کر دوں گی۔ پہلے خدیجہ سے معافی مانگ لوں گی تاکہ میری بہن کے دل کو قرار آجائے، پھر دوسرا کام۔" ماہین نے نیچے دیکھتے ہوئے سادگی سے کہا، جبکہ خدیجہ اور محراب اپنی جگہ ساکت ہو گئیں، آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہیں۔

"کون ہے وہ؟" محراب نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں، جبکہ خدیجہ بھی حیران و پریشان تھی۔

"تھوڑا انتظار کرو، محراب۔ ناشتے پر بتا دوں گی۔" ماہین نے پیچھے مڑ کر دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ان میں کچھ فاصلہ آ چکا تھا۔

"ماہین، کیا بول رہی ہو؟ میرا دماغ کام نہیں کر رہا، مجھے بتاؤ کون ہے وہ شخص؟ کیا ہم جانتے ہیں اسے؟" محراب نے تشویش سے پوچھا۔

جبکہ خدیجہ کے دماغ میں بھی وسوسے چل رہے تھے۔

"ارسل شریک ہے، لیکن اصل بندہ کوئی اور تھا۔ اور ہم اسے بہت قریب سے جانتے ہیں۔"

محراب کچھ بولنے لگی تھی جب ماہین مڑی یہ گلی کا اختتام تھا، چند قدم آگے سے انہیں واپس مڑنا تھا۔ اچانک ایک سفید وین سامنے سے آتی دکھائی دی، وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ماہین کے پاس رکی۔ دروازہ کھلا، اندر سے چہرے پر رومال باندھے ایک شخص باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں پستول تھا، اس نے پستول ماہین کی کنپٹی پر رکھ دی۔

ماہین نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

اندر" وہ شخص سرگوشی میں بولا۔ اس" کی آواز سن کر ماہین کے ہاتھ نیچے گر گئے۔ "ارسل؟" ماہین حیرت سے بولی۔

محراب اور خدیجہ ششدر کھڑی رہ گئیں، محراب نے بے اختیار قدم آگے بڑھایا۔

چھوڑ دو میری بہن کو، ظالم، زلیل، " کمبخت!" محراب ایک سانس میں بولی۔

ارسل نے محراب کو گھور کر دیکھا، پستول پر اپنی گرفت مضبوط کی، محراب کی ہمت جواب دے گئی۔ پستول کا رخ ماہین کی جانب تھا، اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

ارسل نے اپنے دوسرے ہاتھ سے ماہین کا بازو پکڑا اور اسے وین کے اندر دھکیل دیا۔

ماہین نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں میچ لیں

اور وین میں بیٹھ گئی۔ سفید گاڑی تیزی
سے وہاں سے چلی گئی۔
یہ سب کچھ چند سیکنڈز میں ہوا، لیکن
اس نے محراب اور خدیجہ کو ہلا کر
رکھ دیا۔
وین تیز رفتاری میں راستے کاٹتے ہوئے آگے
بڑھ گئی۔ محراب اور خدیجہ کو اپنے اٹھتے
قدم بھاری لگنے لگے۔ وہ دونوں بھاگتی
ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئیں، اور زور
زور سے چیخنے لگیں۔ محراب فدا حسین
کو پکار رہی تھی، جب کہ خدیجہ شاہ
زیب اور مہروز کو آواز دے رہی تھی۔
گھر کے تمام افراد ان کی چیخیں سنتے
ہی فوراً کمروں سے باہر نکل آئے۔ ان
کی حالت دیکھ کر سب کے چہروں پر
پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔
خدیجہ کی آنکھوں میں آنسو تھے جبکہ

محراب کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا
کہ یہ سب حقیقت میں ہوا ہے۔
دونوں جلدی جلدی ان کو ساری بات بتانے
لگیں۔ شاہ زیب کے دل میں راحت
محسوس ہوئی، لیکن اس نے چہرے کے
تاثرات ایسے بنا رکھے کہ جیسے آج ان
مجرموں کی جان لے لے گا۔
فدا حسین فوراً گھر کے باہر دوڑے، اور
ساتھ ہی اپنا موبائل نکال کر کسی کو
کال ملانے لگے۔ تائی شہناز کی پلکیں
بھیگ گئیں۔ "یا اللہ، رحم کرے میری بچی
پر رحم کرے"
مہروز کو صورت حال سمجھنے میں چند
لمحے لگے۔ اس نے فوراً اپنی بائیک نکالی
اور باہر کی طرف بھاگا۔ وہ سیاہ پینٹ
کوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ کمرے میں تیار
ہو رہا تھا جب محراب اور خدیجہ کی
چیخیں سن کر باہر آیا۔

شاہ زیب سر ہلاتا موبائل نکال کر کسی کو کال ملانے لگا۔ پھر اس نے محراب کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، "کچھ نہیں ہوگا، ہم اسے واپس لے آئیں گے۔ خود کو سنبھالو، دونوں۔"

خدیجہ روتے ہوئے اس سے لپٹ کر بولنے لگی، "بھائی، خدا کے لیے ماہین کو لے آئیں، وہ دوست ہے میری، سب سے اچھی دوست۔"

"ٹھیک ہے بچے، میں اسے لے کر آتا ہوں۔"

پیچھے سے کوئی بھی خبر ملے تو فوراً مجھے کال کر کے بتانا۔" یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گیا۔

اتنی دیر میں محراب کی امی بھی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ وہ ساری بات سن چکی تھیں۔ ان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا تھا۔ "میری بچی... بھابھی، میری بچی کو کیسے لے

گئے وہ؟ وہ معصوم ہے، اس سے کیا دشمنی تھی ظالموں کی؟" وہ آہ و بکا کرتے ہوئے بول رہی تھیں۔ تائی شہناز اور شارفہ انہیں سنبھالنے لگیں۔
ہاجرہ روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئیں، انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ ان کا دل جیسے ٹوٹ چکا تھا۔ کچھ نہیں بچا تھا۔
"امی، خود کو سنبھالیں۔ سب گئے ہیں ماہین کو لینے۔ وہ مل جائے گی۔ میں بھی جا رہی ہوں۔ آپ فکر مت کریں، میں اسے لے کر آؤں گی۔" محراب نے بغیر کچھ مزید کہے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔ تائی شہناز نے اسے روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ جا چکی تھی۔
باہر فدا حسین کھڑے تھے، مسلسل کال پر کال ملا رہے تھے۔ ان کے ماتھے پر فکر کی لکیریں واضح تھیں۔

"تایا، کچھ پتہ چلا؟" محراب نے جلدی سے پوچھا۔
"پولیس کو بول رہا ہوں، وہ آ رہی ہیں۔ تسلی رکھو، وہ مل جائے گی۔" ہر کوئی یہی کہہ رہا تھا، شاید وہ محراب کے ساتھ خود کو بھی تسلی دے رہے تھے۔
برحان اپنی بائیک پر وہاں آیا، جب اس کی نظر محراب اور فدا حسین پر پڑی، تو وہ ٹھٹھک گیا۔
"کیا ہوا؟" وہ بائیک سے اترتے ہوئے بولا۔
"تم مہروز کے دوست ہو نا؟ ماہین کو کسی نے اغوا کر لیا ہے! سفید وین آئی اور اسے لے گئی۔ تم تو انویسٹیگیٹر ہو، پلیز میری بہن کو ڈھونڈنے میں مدد کرو! جتنا پیسا مانگو گے، دوں گی۔" اس نے جلدی جلدی بات مکمل کی، اس کی سانسیں اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔ برحان

نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، جنہیں وہ زبردستی روک رہی تھی۔ اس نے ضبط سے پیسوں والی بات کو اپنے اندر جذب کیا۔ حالات مختلف ہوتے تو وہ اس کا اچھا جواب دیتا۔

"ٹھیک ہے، مجھے ذرا حالات سمجھنے دو۔ مہروز کہاں ہے؟" برحان نے نرمی سے پوچھا۔

وہ بھی ماہین کے پیچھے گیا ہے۔""

محراب نے جواب دیا۔

"میں اسے فون کرتا ہوں۔" برحان جیب سے موبائل نکالنے لگا، لیکن محراب نے غصے سے آگے بڑھ کر کہا، "سنو لڑکے! وقت ضائع مت کرو! میں جانتی ہوں وہ وین کس طرف گئی ہے، جلدی چلو، ورنہ وہ لوگ دور نکل جائیں گے۔"

برحان نے ایک لمحے کے لیے محراب کی طرف دیکھا اور پھر فدا حسین کی

طرف، جو فون پر کسی کو جھاڑ رہے تھے۔

"تمہیں نہیں پتہ وہ کونسا راستہ لے کر آگے گئے ہیں، اور انہوں نے کونسی گاڑی بدلی ہے۔ پاکستان میں صرف دو ہی وینز چلتی ہیں عموماً۔ سفید اور ہرے رنگ کی۔ تمہیں نمبر یاد ہے وین کا؟"

برحان نے سوال کیا۔

"وین کا نمبر نہیں تھا، پلیٹ پر کپڑا تھا، لیکن میں پہچان لوں گی۔ وقت ضائع مت کرو!" محراب نے اتنے رعب سے کہا کہ برحان کو اس کی بات ماننی پڑی۔ "ٹھیک ہے، بیٹھو۔"

"نہیں۔ پہلے ایک لڑکی مصیبت میں مبتلا ہے، دوسری کو نہیں ڈالنا۔ محراب اندر چلو۔" فدا حسین کی گرجدار آواز گونجی۔

محراب نے اپنے تایا کو جواب دیا، "پہلی لڑکی میری اک لوتی بہن ہے تایا جان۔ اگر وہ مل گئی تو میں بھی مل جاؤں گی۔ فکر نہ کریں۔" یہ کہتے ہوئے وہ برحان کی بائیک پر بیٹھ گئی۔ برحان نے بائیک سٹارٹ کی۔ ایک جھٹکے سے بائیک آگے ہوئی۔ وہ تیز رفتار سے چلا رہا تھا۔

محراب اسے بتا رہی تھی کہ سفید وین کس سمت میں گئی ہے۔

*******

دوسری جانب، مہروز دیوانہ وار اپنی بائیک بھگاتے ہوئے ارسل کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا دل بائیک سے زیادہ تیز رفتار میں دھڑک رہا تھا، جیسے ابھی باہر نکل آئے گا۔

اس کے دماغ میں ہزاروں وسوسے تھے، ""اگر اسے کچھ ہو گیا تو؟

اس نے برحان کے ساتھ کئی ایسے کیسز نمٹائے تھے، جن میں لڑکیوں کو اغوا کیا گیا تھا، لیکن وہ کبھی زندہ سلامت نہیں ملی تھیں۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر انہیں یا تو مار دیا جاتا تھا یا ایسی جگہ بھیج دیا جاتا تھا، جہاں

وہ عزت بچانے کے لیے خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔

دونوں صورتوں میں موت تھی، اور وہ بھی بری موت۔

وہ بری طرح سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایک ذرا سی غلطی اس کی زندگی لے سکتی تھی، لیکن آج اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد، وہ ارسل کے اپارٹمنٹ پہنچا۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا۔ اس کی سنہری آنکھیں تیش سے سرخ ہو چکی تھیں۔

اندر ہر طرف ویرانی چھائی تھی، ایک خاموشی۔ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

مہروز نے اونچی آواز میں ارسل کو پکارا۔ کچھ لمحے بعد اس نے موبائل نکالا اور دیکھا کہ اسے آدھا گھنٹہ پہلے ایک وائس میسج موصول ہوا تھا۔ یہ اس شخص کی طرف سے تھا، جسے مہروز نے ارسل کا پیچھا کرنے کو کہا تھا۔

"سر، میری والدہ کی وفات ہو گئی ہے۔ ان کے لیے دعا کریں۔ کچھ دن کام نہیں کر سکوں گا، میں کسی اور کو بھجوا رہا ہوں، اسے ہدایات دے دیں۔"

یہ سنتے ہی مہروز نے تکلیف سے آنکھیں میچی۔ وہ اپنے گھر کی عورت کی حفاظت نہیں کر سکا تھا، عورت بھی وہ، جو اسے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اس کی پسندیدہ عورت۔

وہ باہر نکل آیا۔ اسے پورا شہر چھان مارنا تھا۔

*******

"تم کہاں جا رہے ہو؟ آس پاس کے لوگوں سے اس وین کے بارے میں پوچھو۔ تم پاگل تو نہیں ہو؟" محراب غصے میں چیخ رہی تھی۔

"خاموش بیٹھی رہو، ورنہ یہی اتار کر آگے چلا جاؤں گا میں تمہیں۔ پھر خود پوچھتی رہنا لوگوں سے!" برحان نے تلخی سے جواب دیا۔

"مجھے اس وقت صرف ماہین کی پروا ہے، ورنہ میں تمہیں ضرور جواب دیتی۔ بتاؤ، کہاں جا رہے ہیں ہم؟ پولیس کے پاس؟"

"ارسل کے گھر۔ مہروز سب سے پہلے وہیں گیا ہوگا۔" برحان نے جواب دیا۔

تو ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں؟ ہم"
کہیں اور جا کر دیکھتے ہیں پھر" محراب
کا چہرہ ارسل کا نام سن کر سرخ ہو
"گیا۔ "کاش ارسل میرے ہاتھوں مرے۔
اگر ارسل وہاں ہوا، تو مہروز اسے پہلے"
ہی ٹھکانے لگا چکا ہوگا، اور دونوں وہیں
ہوں گے۔ لیکن اگر وہ وہاں نہیں تھا، تو
مہروز اسے ڈھونڈنے کہیں اور جا چکا
ہوگا اور اس اپارٹمنٹ کی تفتیش میرے
"حوالے کر گیا ہوگا۔
محراب نے حیرانی سے اس کی پشت
"دیکھی۔ "تمہیں کیسے پتہ؟
بھائیوں والا کنیکشن!" برحان نے خود"
اعتمادی سے کہا۔
محراب کو اس وقت شدید غصہ آ رہا تھا،
"ماہین کا مسئلہ نہ ہوتا تو ابھی ٹھیک
"کرتی میں اس کے کنیکشنز!

کچھ دیر بعد وہ دونوں ارسل کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو رہے تھے۔ دروازہ ٹوٹ چکا تھا، اور ہوٹل والوں نے نقصان کا معاوضہ برحان سے وصول کیا تھا، کیونکہ مہروز جس تیزی سے وہاں گیا تھا، اتنی ہی تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔

پیسے دینے کی وجہ سے برحان سخت ناراض تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی محراب اور برحان کی نظر شوز ریک پر پڑی، جس پر ایک کاغذ رکھا ہوا تھا۔

برحان غصے سے تیوری چڑھاتے ہوئے کاغذ کو نظر انداز کیے آگے بڑھ گیا۔ جبکہ محراب نے بھاگ کر وہ کاغذ اٹھا لیا۔

اس پر لکھا تھا: "گھر کی مکمل جانچ پڑتال کر لینا، کچھ ضرور ملے گا۔"

محراب نے ایک نظر برحان کو دیکھا اور پھر کاغذ کو مضبوطی سے پکڑے اس کے پیچھے چل پڑی۔

اب وہ دونوں گھر کا ایک ایک کونا دیکھ رہے تھے اور ہر کاغذ کی جانچ کر رہے تھے۔

محراب حیرانی سے سب چیزوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"تصاویر تو ارسل کی ہیں، لیکن نام شوزب زید کیوں لکھا ہے؟" وہ برحان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ملائیشیا کی پولیس سے بچنے کے لیے اس نے اپنی جگہ کسی اور کو مروا کر ارسل ظاہر کر دیا، اور خود نئی شناخت حاصل کر لی۔"

"تو یہ سب ارسل کر رہا تھا؟ میرے بابا کو بھی اسی نے مروایا؟ لیکن ماہین کہہ رہی تھی کہ کوئی اور اصل قاتل ہے۔"

محراب کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا، لیکن وہ خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

برحان نے کاغذ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اسے دیکھا، "ماہین پہلے دن سے سب جانتی تھی، لیکن اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ اگر وہ بتا دیتی تو یہ نوبت نہ آتی۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ جانتی تھی؟"

برحان کو وہ لمحہ یاد آیا جب وہ مسجد کے ساتھ پارک میں ماہین کو یوشاکا کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے دیکھ رہا تھا۔

ماہین قاتل کو پہچان چکی تھی، وہ چھ انگلیوں والا قاتل تھا۔ لیکن ماہین نے اسے دھمکی دے کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں انویسٹیگیٹر ہوں، مجھے سب معلوم ہوتا ہے، لڑکی۔"

محراب اٹھ کر ادھر ادھر کچھ تلاشنے لگی، وہ ہر چیز کو باریک بینی سے دیکھ رہی تھی، برحان اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

"اگر وہ لوگ اسے بہت دور لے گئے، تو؟"

قریباً چالیس منٹ بعد محراب واپس صوفے پر آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

برحان اپنے بیگ سے لیپ ٹاپ نکال کر ارسل کو ٹریس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

محراب کی بات پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا، "میں اپنے کام میں ناکام نہیں ہوتا۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

اس کے یقین بھرے لہجے سے محراب کو تھوڑی تسلی ہوئی۔

"میں حیران ہوں تم پر، تمہاری بہن اغوا ہو گئی ہے اور تم رو بھی نہیں رہی؟

عام طور پر لڑکیاں ایسی صورتحال میں رو رو کر برا حال کر لیتی ہیں۔"

"میں نے اپنے باپ کو جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے انہیں چار گولیاں ماری گئیں۔ ایمبولینس میں، میں ان کا ہاتھ پکڑے بیٹھی رہی تھی۔ آج بھی میرے ہاتھوں سے ان کی خوشبو آتی ہے، لیکن وہ خود نہیں آتے۔ میں یہ سب جھیل چکی ہوں، اور دیکھو، میں پھر بھی زندہ ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ میں دکھ سہہ سکتی ہوں۔ میں اتنی بہادر ہوں کہ حالات کا سامنا کر سکوں۔"

برحان نے اس کی بھوری آنکھوں میں گہرائی سے دیکھا۔ جب وہ بات کر رہی تھی، تو اس کے گال پر ڈمپل نمایاں ہوتا تھا۔

برحان اسے دیکھتا رہا، محراب کی رنگت پیلی ہو چکی تھی، آنکھوں میں ہلکی

سی لالی تھی اور ناک بھی سرخ ہو گئی
تھی۔
پچھلی بار جب اس نے محراب کو دیکھا
تھا، تو وہ ایسی نہیں لگ رہی تھی۔ ہر
نئی تکلیف انسان کو نئے سانچے میں ڈھال
دیتی ہے۔
محراب کے چہرے پر مایوسی کا کوئی
نشان نہیں تھا، صرف تکلیف کے آثار تھے،
لیکن پھر بھی وہ پرامید تھی۔
برحان کا موبائل بجا، اس نے محراب سے
نظر ہٹا کر اسکرین پر دیکھا۔
مہروز کا نام نمودار ہوا۔
"ہاں بولو؟"
"کچھ پتہ چلا؟" مہروز کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔
"شوزب کے کاغذات ملے ہیں۔ ان کاغذات
کے مطابق میں اسے مجرم ثابت کر سکتا
ہوں، لیکن اس کو ٹریس نہیں کر سکا
ابھی تک۔ اس نے اپنی وہ سم نکال دی

ہوئی ہے، اب بتاؤ کیا کرنا ہے؟" برحان نے ایک سانس میں جواب دیا۔

دوسری جانب سے کچھ دیر کی خاموشی رہی۔ پھر وہ بولا تو انداز دوٹوک تھا، مگر آواز میں کچھ لڑکھڑاہٹ تھی۔

"دیکھو، وہ سم کس شناختی کارڈ نمبر پر تھی؟ اس نے یقیناً مزید سمز بھی اسی پر نکلوائی ہوں گی۔ اس کی باقی ہر سم کی لوکیشن ٹریس کرو۔ کوئی تو استعمال کر رہا ہوگا وہ۔"

"ٹھیک ہے۔ تم کہاں ہو؟" برحان نے جواباً سوال کیا۔

"رات جِم کرتے وقت ارسل کو کسی نے ایک کاغذ بھجوایا تھا۔ میں وہ پتہ کرنے یہاں فٹنس فیکٹری آیا ہوں۔ ایک بچے کے ذریعے وہ کاغذ ارسل تک پہنچا تھا، اور اس بچے کا کہنا ہے کہ اسے کسی داڑھی

والے شخص نے پکڑایا تھا، لیکن وہ نہیں
"جانتا وہ کہاں گیا۔
موبائل اسپیکر پر تھا، اور وہ دونوں
خاموشی سے مہروز کی تھکی ہوئی آواز
سن رہے تھے۔
کیا لکھا تھا اس کاغذ پر؟" کچھ سوچتے"
ہوئے برحان نے سوال کیا۔ وہ جانتا تھا کہ
مہروز کیمرے کے زریعے یہ دیکھ چکا
ہوگا۔
صبح چھ بجے ماہین کو اغوا کر کے آٹھ"
بجے تک مار کر کہیں دفنا دو۔ اور خود
"کچھ عرصے کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔
اس کی بات پر محراب نے بےاختیار اپنی
گھڑی دیکھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ ایک
سنسنی خیز لہر اس کے جسم میں
دوڑی۔
اس کا سانس اوپر نیچے ہونے لگا۔

برحان ایک نظر اس پر ڈالے واپس مہروز سے مخاطب ہوا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، ارسل مار دے گا؟"

"ارسل سے کچھ بھی توقع کیا جا سکتا ہے، برحان۔ لیکن مجھے یقین ہے، وہ ماہین کی جان نہیں لے سکتا۔" چند لمحے پھر سے خاموشی رہی۔

"ٹھیک ہے۔ تم آگے پتا کرو، میں تب تک ارسل کی باقی سمز نکالتا ہوں۔" یہ کہہ کر برحان نے کال کاٹ دی۔

محراب ابھی تک موبائل کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، ارسل اسے نقصان نہیں پہنچائے گا؟" برحان نے سوال کیا۔

"مہروز نے یہ کیوں کہا کہ وہ اسے نہیں مارے گا؟" محراب نے جواباً سوال کیا۔

"شاید وہ خود کو یقین دلانا چاہتا ہوگا۔"

برحان نے کندھے اچکائے اور واپس لیپ ٹاپ پر متوجہ ہوگیا۔

"نہیں، مہروز صحیح کہہ رہا ہے۔ ارسل اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔" وہ جیسے خود سے بول رہی تھی۔

برحان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے لگا یہ دونوں خود کو تسلی دینا چاہتے ہیں۔

*******

شاہ زیب اس وقت اپنے گھر کی پچھلی گلی میں بیٹھا، ہاتھ میں سگریٹ پکڑے مسکرا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے ایک کال موصول ہوئی۔

"ارسل نے ماہین کو مار کر اس کی لاش کو مارگلہ کی پہاڑیوں میں دفنا دیا ہے۔ اور کوئی حکم سر؟"

شاہ زیب کے چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

بس اب تم لوگ انڈر گراؤنڈ □و جاؤ□"
باقی کی رقم شام تک موصول □و جائ□
"گی تم دونوں کو□
ی□ ک□□ کر و□ کال کاٹ گیا□ اب و□
سگریٹ کی چسکیاں لیتا اٹھ کھڑا □وا□
سگریٹ کو و□ی پھینک کر، پاؤں س□
مسلتا آگ□ بڑھ گیا□ اس کا کام □و چکا
تھا□
کتاب س□ ما□ین کا باب بھی ختم □وا□
خدیج□ اوپر کمر□ میں آ کر، جائ□ نماز
بچھائ□ کتنی □ی دیر روت□ گڑگڑات□ ما□ین
ک□ لی□ دعائیں کرتی ر□ی□ اس کی آنکھیں
سوجھ چکی تھیں، لیکن اس□ کوئی پروا□
ن□ تھی□
الل□ جی پلیز ما□ین کو س□ی سلامت"
پ□نچا دیں□ و□ میری اک لوتی خاص
دوست □□□ ما□ین، میر□ لی□ کسی
روبیش□ کی مانند □□، قیمتی پتھر کا و□

حصہ جو میری زندگی کی چمک ہے۔کاش
میں اس سے ناراض نہ ہوتی۔ کاش میں
رات بات کر لیتی اس سے۔ میں کیا کروں
گی اگر اسے کچھ ہوگیا؟"
وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے اسی طرح
بولتے ہوئے آنسوؤں کا ریلہ بہا رہی تھی۔
وہ ماہین کی مقروض تھی، انسان ہر
اس انسان کا مقروض ہوتا ہے جب وہ
بجھنے کو قریب ہو، لیکن اس ایک شخص
نے بجھنے نہ دیا ہو۔ وہ ایک دوست، جو
عین اس وقت آپ پر اپنے ہاتھوں سے
سایہ کرتا ہے جب تیز ہواؤں کی زد میں آ
کر آپ بجھنے والے ہوتے ہیں۔
چند لمحے بعد وہ اٹھ کر، اس جگہ بیٹھی
جہاں ماہین اکثر بیٹھے اپنے لیپ
ٹاپ پر ناول لکھتی تھی۔
اس نے ماہین کا لیپ ٹاپ اٹھا کر سامنے
رکھا، اسے کھول کر وہ پیج نکالا جہاں

ماہین ناول لکھتی تھی۔ آج وہ اس کا ناول پڑھنا چاہتی تھی۔
ماہین نے اسے بتایا تھا کہ اس بار وہ ناول اردو زبان میں لکھ رہی ہے۔
وہ چند لمحے ماہین کی لکھی سطر پڑھتی رہی۔ اس میں موجود ہیرو کا حلیہ بلکل مہروز کی مانند تھا۔ سنہری آنکھیں، دراز قد، گھنگریالے بال اور ہاتھوں میں موجود گھڑی، جس پر وقت کی گنتی کے بجائے، نمازوں کے نام تحریر تھے۔
کئی جگہ بیچ میں خدیجہ روتے ہوئے بھی مسکرا دیتی تھی۔ ماہین کے لکھنے کا انداز بہت خوبصورت تھا۔ اس کے ہر لفظ میں تاثیر تھی۔ اس نے کہانی کے چند صفحات پڑھے اور اسے سکرول کرنے لگی۔ وہ ہر صفحے میں کچھ سطور پڑھتی تھی، اور اگلا صفحہ کھول لیتی۔
کہانی کو مکمل وہ ایک ہی

بار پڑھنا چاہتی تھی، ماہین جب اسے
پورا کر لے گی۔ صرف تب۔
چند صفحات بعد اس کی نظر سے ایک
جملہ گزرا، جسے وہ کتنی ہی دیر دیکھے
گئی۔
"اک دن ہوا یوں کہ آندھیاں چل اٹھیں،
پھر اس دوران اک بجھتے ہوئے چراغ نے
جلنے کی ٹھان لی۔"
وہ اس سطر کو بار بار دہرانے لگی،
جیسے یہ اس کے لیے ہی لکھی گئی ہو۔
اس سے آگے اس نے ماہین کی لکھی ایک
اور سطر پڑھی، اس کا منظر دھندلا رہا
تھا۔ اسے شدت سے ماہین کی یاد آرہی
تھی۔
وہ ایک عربی سطر تھی،
"كتف الصديق هو القلب۔"
دوست کا کندھا دل ہوتا ہے۔

وہ مزید نہیں پڑھ سکی۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ اور ایک بار پھر نظریں اوپر اٹھائے بولنے لگی،

"اللہ جی مجھے کوئی نہیں چاہیے، برحان بھی نہیں۔ مجھے صرف ماہین سے ہی سلامت چاہیے۔ اگر ماہین نہ ہوتی تو میں کبھی برحان سے موو آن کرنے کا نہ سوچتی۔ آپ ہی ماہین کو میری زندگی میں لائے، شاید آپ کو بھی پسند نہیں ہوگا میں کسی انسان کے لیے خود کو روند رہی ہوں۔ اسی لیے آپ نے ماہین کے ذریعے میری رہنمائی فرمائی۔ اب میری بات مان لیں نا، میری روبیشہ کو مجھ سے دور مت کرے۔" ایک بار پھر آنسوؤں ہچکیوں سمیت بہنے لگے۔

جب دوست تکلیف میں ہو اور ہم دور ہوں، تو دل پر ایک عجیب سی گھٹن طاری ہو جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے

ہمارے اپنے وجود کا ایک حصہ بوجھل ہو
گیا ہو، اور ہر دعا میں بس یہی خواہش
ہوتی ہے کہ کاش ہم ان کو اس تکلیف
سے کھینچ کر باہر نکال سکیں۔

*******

ایک تاریک جھونپڑی میں وہ بے ہوش
کرسی کے ساتھ بندھی پڑی تھی۔
آہستہ آہستہ اسے ہوش آرہا تھا، لیکن
اس کا دماغ سن تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے
اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کے سامنے زمین
پر ارسل بیٹھا تھا، مکمل طور پر بدلے
ہوئے حلیے میں۔
سفید کرتا شلوار میں ملبوس، ہلکی
بڑھی ہوئی داڑھی، اور سر پر کالے
چشمے رکھے، وہ اسے دیکھ رہا تھا۔
ماہین کی گردن ایک طرف کو ڈھلکی
ہوئی تھی، اس کے سر میں شدید درد تھا،
جیسے کسی نے پتھر مارے ہوں۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

وہ آہستہ سے اپنی آنکھیں گھمائے آس پاس کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس کے ہاتھ کرسی سے بندھے تھے، رسی کی وجہ سے اس کی جلد چھل چکی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ جسم کے کس حصے میں زیادہ درد ہو رہا ہے۔

ابھی تک اس کا حلیہ ویسا ہی تھا جس طرح اسے وین میں ڈالا گیا تھا۔ سر پر حجاب اور چہرے پر ماسک ابھی تک ویسے ہی تھے، البتہ حجاب ڈھیلا ہو چکا تھا۔

ارسل اسے ہوش میں آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا، اور اسی کمرے میں موجود ایک مٹکے سے پانی نکال کر آگے آیا۔

اس جھونپڑی میں صرف ایک روشن دان تھا، اس کے علاوہ وہاں مکمل تاریکی تھی۔ ماہین خاموشی سے ارسل کو دیکھتی رہی۔

وہ پانی کا گلاس پکڑے اس کے قریب آیا۔
ماہین نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا۔
ارسل کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری، مگر اس نے خاموشی سے اس کا ماسک نیچے کیا اور پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔
لیکن ماہین نے گھونٹ نہیں بھرا۔
"مجھے مجبور مت کرو ماہین، پانی پی لو۔"
"جہنم میں جاؤ تم!" ماہین کاٹ دار لہجے میں بولی۔
ارسل نے اس کے جبڑے پر گرفت مضبوط کی اور زبردستی اس کے منہ میں پانی ٹھونسنے لگا۔
چند لمحے بعد وہ پیچھے ہوا۔
"کہاں لے کر آئے ہو مجھے؟ غلیظ انسان! کیا چاہتے ہو اب؟"

"کل ہم یہاں سے جا رہے ہیں ماہین۔ دور، بہت دور۔ جہاں کوئی ہم تک نہیں پہنچ پائے گا۔ ہم اپنی نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ اس بار ہمارے بیچ کوئی نہیں آئے گا۔"

ماہین اس کی بات سن کر اسے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس شخص کی کھال ادھیڑ دے۔

"تمہیں لگتا ہے میں ایک شرابی اور قاتل کے ساتھ رہوں گی؟" وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ کتنے یقین سے اسے اپنے ساتھ نئی زندگی شروع کرنے کا کہہ رہا تھا۔

ارسل کی تیوری چڑھی، اس نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ ماہین چکرا کر رہ گئی، اسے اپنی سوچ پر بھی گھن آنے لگی

جب اس نے مہروز سے کہا تھا کہ ارسل کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر قاتل نہیں۔

"شرابی؟ ماہین، میں شراب بیچتا تھا، کبھی پی نہیں تھی۔ کیا کبھی تمہیں مجھ سے شراب کی بدبو آئی تھی؟ کیوں اتنا برا سمجھ لیا تم نے مجھے؟ مجھے محبت تھی تم سے، ماہین! میں پاگل تھا تمہارے لیے۔ میں تمہیں کبھی اپنی گرفت سے آزاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم مجھے کیوں نہیں سمجھی؟"

ارسل جیسے کسی ملال میں مبتلا ہو کر بول رہا تھا۔

لیکن ماہین کے چہرے پر آج کوئی خوف نہیں تھا۔ البتہ اس کے دل کی دھڑکنیں اتنی تیز تھیں کہ وہ انہیں اپنے کانوں سے سن سکتی تھی۔

"تم ایک گھٹیا، بے حیا اور بے غیرت مرد ہو، ارسل۔ ماہین لعنت بھیجتی ہے

تم□اری اس گندی محبت پر□ تم مرد ک□ نام پر دھب□ □و□ مرد خود س□ کمزور پر □اتھ ن□یں اٹھاتا□ مرد بدل□ کی آگ میں ب□ گنا□وں کا خون ن□یں ب□اتا!" و□ گلا پھاڑ□ بول ر□ی تھی□ اس کی آواز اس ویران جگ□ کی دیواروں س□ ٹکرا کر پلٹ ر□ی تھی□

"کیسا □وتا □□ مرد پھر؟ تم□ار□ نزدیک غیرت مند مرد کیسا □وتا □□؟ م□روز جیسا؟"

ارسل کی آنکھیں سرخ □و ر□ی تھیں، لیکن و□ آواز نرم بنا کر ما□ین س□ سوال کر ر□ا تھا□

ما□ین کچھ دیر اس□ دیکھتی ر□ی، پھر ک□ن□ لگی،

"بالکل صحیح پ□چانا□ میر□ نزدیک جو مرد کی ڈیفینیشن □□، اس پر م□روز پورا اترتا □□□ مرد صرف ظا□ری شکل و صورت

سے نہیں پہچانا جاتا، بلکہ اپنے کردار سے پہچانا جاتا ہے۔ اور مرد کا کردار صرف تب مہکتا ہے جب وہ عورت کو اس کا اصل مقام دیتا ہے اور اس سے جیتنے کی خواہش نہیں رکھتا۔

اگر مرد عورت کو کسی معصوم بچے کی مانند رکھے، اسے سمجھے، اس سے محبت کرے تو وہ ہے ایک باکردار، غیرت مند مرد۔ جب اس کے گھر کی عورت تکلیف میں ہو، تو سکون اسے بھی نہ ہو۔ وہ ہر ممکن کوشش کرے، اپنی ماں بہن بیوی اور بیٹی کی زندگی آسان بنانے کی۔ اب تم بتاؤ ارسل عرف شوزب، تم سے تمہاری ماں، بہن اور بیوی خوش رہ سکی؟" وہ ہر لفظ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

ارسل کی گردن پر ڈوب کر گلٹی ابھری،
جیسے اس کے جسم پر کوئی ہتھوڑے مار
رہا ہو۔
"کیا تم ایک پل بھی خوش نہیں رہی میرے
ساتھ؟ میں تمہیں صرف اپنے ساتھ رکھنا
چاہتا تھا ماہین۔"
یہ پہلی بار تھا، ماہین کی بات پر اسے
غصے سے زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔
"یہی غلطی تھی تمہاری۔ تم مجھے باندھ
کر رکھنا چاہتے تھے، تم مجھے پنجرے میں
قیدی بنا کر رکھنا چاہتے تھے، خود کو میرا
مالک سمجھنے لگ گئے تھے۔۔ ارسل تم
میرے مالک نہیں تھے، تمہیں میرا محافظ
بننا تھا رزاق نہیں۔ میرا مالک اللہ تھا، تم
نہیں۔ تم تو ساتھی تھے میرے، اُس پنجرے
کے ساتھی۔ لیکن تم نے میری ذات کا ایک
حصہ مسخ کر دیا، تم نے شاہ زیب کے
ساتھ مل کر مجھ سے میرا باپ چھین لیا۔

اگر آج میرا باپ ہوتا تو میں دیکھتی، میں
ضرور دیکھتی کیسے تم مجھے یہاں لے کر
آتے، کیسے تم
"مجھے یہاں باندھ کر رکھتے۔
ہم دوبارہ سے شروع نہیں کر سکتے؟"
میں اس بار تمہیں تکلیف نہیں دوں گا،
میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں تمہارا ساتھی
"بن کر رہوں گا۔
انسان کی فطرت نہیں بدلتی سمجھے"
تم۔ میرے نزدیک تم محض ایک بدبودار
شخص ہو جس نے میری زندگی تباہ کر
"ڈالی۔
میری بھی زندگی تباہ ہوئی ہے ماہین،"
میرے پاس کیا بچا ہے؟ ہر چیز گنوا چکا
ہوں میں۔ بس جو بچا سکتا ہوں، وہ
بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یقین کرو
میں تمہیں ایسی جگہ لے جاؤں گا، جہاں
ساری کڑواہٹ دور ہو جائے گی۔ میں اپنا

علاج بھی کرواؤں گا ماہین پلیز مان جاؤ۔"

ماہین کو اس کے انداز پر تشویش ہوئی، "کون سی جگہ ہے وہ؟" اسے لگا شاید وہ کسی اور ملک کا کہے گا۔

"فیصل آباد کے نزدیک ایک چھوٹا شہر ہے، تاندلیانوالہ ہے وفاؤں کا شہر، یقین کرو وہاں وفا کا مطلب صرف وعدہ نہیں ہوتا، بلکہ زندگی بھر کے رشتے کی مہر ہوتا ہے۔ جو کبھی نہ ٹوٹے۔" وہ پرجوش انداز میں بتا رہا تھا۔ پہلی بار اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

"میرے قریب آؤ ارسل۔" ماہین نے آہستہ سی آواز میں کہا۔ ارسل بےاختیار آگے کو ہوا۔ اس کے چہرے کی نزدیک اپنا کان کیا،

"کیا ہوگا اگر اس وفا کے شہر کے داخلے پر لکھا ہو، بےوفاؤ کا داخلہ ممنوع ہے؟"
وہ سرگوشی کی صورت میں بولی تھی۔
اس کی بات نے ارسل کے اندر تک کڑواہٹ بھر دی۔
وہ غصے سے باہر جانے لگا، جب ایک خیال کے تحت واپس مڑا۔ ماہین کو دیکھنے لگا، اور اس کے قریب آکر اس کے سر پر بندھا ڈھیلا سکارف جس سے اس کے کچھ بال پیشانی کی جانب سے باہر نکلے ہوئے تھے، زور سے کھینچ اتارا۔
سکارف کے ساتھ اس کا جوڑا بھی کھل چکا تھا، اس کے گھنگریالے لمبے بال اس کی پشت پر بکھر گئے۔ ماہین نے کرب سے آنکھیں بند کی تھیں، یہ تکلیف اس تھپڑ کی تکلیف سے زیادہ تھی۔

"اب مجھ سے کیا پردہ تمہارا؟" وہ تنزیہ انداز میں بولا اور جونپھڑی سے باہر نکل گیا۔

پیچھے ماہین کمرے میں اکیلی رہ گئی۔
اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں، اس کے چہرے پر ارسل کے تھپڑ کی وجہ سے گرماہٹ ابھی تک محسوس ہو رہی تھی، اس کا دایاں کان سرخ ہو چکا تھا۔

"ماہین، کون سی تکلیف زیادہ ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

وہ بےاختیار اپنی انگلی میں موجود ہری تسبیح والی انگھوٹی کو تین تین کر کے دبانے لگی۔

اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، وہ اپنے ہاتھوں کو مسلسل ہلا رہی تھی کہ وہ رسی کچھ ڈھیلی پڑ جائے۔

اسے شدید ٹھنڈ لگ رہی تھی، اس جگہ پر دسمبر کی سرد راتوں والی ٹھنڈ پر رہی تھی۔ ناجانے کون سی جگہ تھی وہ۔
وہ زیر لب استغفار کی تسبیح کرنے لگی۔ اس وقت ایک یہی کام تھا، جو وہ کر سکتی تھی۔

*******

فدا حسین پولیس کے ساتھ مل کر اسلام آباد کی ہر خفیہ جگہ جاتے، جہاں عموماً جرم سرزد ہوتے تھے۔ ان کے دل کی رفتار بھی اسی قدر تیز تھی، وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے ماہین کو ڈھونڈنے کی۔
اسلام آباد سے باہر جانے کے سارے راستے وہ رکوا چکے تھے، ہر گاڑی کو مکمل تفتیش کے ساتھ باہر بھیجا جا رہا تھا۔ یہ طے تھا، ماہین اسلام آباد کی حدود میں

ہے۔ وہ کتنی بار چلتے ہوئے لڑکھڑاتے تھے،
انہیں خود بھی
معلوم نہیں تھا۔ ماہین انہیں اپنی سگی
اولاد کی طرح عزیز تھی۔
"وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکے،
کیسے باپ تھے وہ؟ اپنی اولاد کو بچا نہیں
سکے؟" وہ خود سے سوال کرتے۔۔
شاہ زیب سکون سے گھر پر بیٹھا تھا،
شارفہ اسے ایک دو بار کہہ چکی تھی، کہ
جا کر ماہین کا پتہ کرے، ناجانے کس حال
میں ہوگی وہ لڑکی، لیکن وہ آگے سے
کہہ دیتا، پولیس کر رہی ہے نا پتہ یار۔
اسے ایک لاش کے تعاقب میں جانے کا
کوئی شوق نہیں تھا۔
ماہین کی ماں کا رو رو کر برا حال تھا۔
ان کے پاس صرف اولاد ہی رہ گئی تھی،
وہ بار بار کہتی تھیں، ماہین آ جائے۔۔

ہمیں نہیں رہنا یہاں، ہم چلے جائیں گے واپس۔

شہناز اسے تسلی دیتی جاتی، "وہ ٹھیک ہوگئی ابھی آ جائے گی۔" لیکن اندر سے ایک ڈر تھا، جو سب کو ہلائے ہوئے تھا۔

خدیجہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولے ہوئے تھی، کہ ماہین کی آمد پر بھاگتی ہوئی نیچے جائے گی۔

*******

یہ چار بجے کا وقت تھا، فدا حسین، برحان، محراب، مہروز کوئی بھی گھر نہیں آیا تھا۔ سب بغیر کھائے پیے بس ماہین کو ڈھونڈنے لگے ہوئے تھے۔

برحان ارسل کی ساری سمز نکال چکا تھا، ان سب کے ڈیٹا دیکھ چکا تھا، ان کی لوکیشن ٹریس کر چکا تھا لیکن کچھ بھی کام کا نہیں ملا، ارسل کی سمز کی لوکیشن رات فٹنس فیکٹری کی تھی، اس

کے بعد سے اس کی کوئی لوکیشن نہیں ملی تھی۔ جیسے اگلا آرڈر ملنے پر اس نے اپنی ساری پچھلی کشتیاں جو اس تک پہنچ سکتی تھیں، جلا ڈالی ہوں۔

محراب شدید غصے میں بیٹھی تھی، "کیوں کچھ نہیں مل رہا؟ تم کر کیا رہے ہو؟ افف کچھ تو ڈھونڈو یار۔"

وہ اکتائی ہوئی بول رہی تھی۔ وہ چار بار اس اپارٹمنٹ کی جانچ پڑتال کر چکی تھی۔

"میں انویسٹیگیٹر ہوں لڑکی، کوئی جادوگر نہیں۔ میں وہی چیز ڈھونڈ سکتا ہوں جس کا وجود ہو۔ شوزب نے اپنے پیچھے آنے کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔"

"شوزب نہیں ارسل ہے وہ، سمجھے؟"

"بی بی، ارسل کو وہ مار چکا ہے، وہ شوزب زید ہے۔ اور ماہین کو شوزب نے اغوا کیا ہے۔ اور اغوا کرنا ایک بہت بڑا

جرم ہے۔" وہ اپنی گہری آنکھوں سے
محراب کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"کیا مطلب؟" محراب ناسمجھی سے
بولی۔
"ارسل کا وجود نہیں ہے، اگر ہم اسے
ارسل نیاز  کہہ کر سزا دلوائیں تو
وہ خود کو شوزب زید ثابت کر کے سائڈ
ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ ثابت کیا جائے کہ
یہ کام شوزب نے کیا ہے تو اسے یقیناً کڑی
سے کڑی سزا ملے گی۔"
محراب کو اس کا مدعا سمجھ میں آچکا
تھا۔ لیکن وہ راز دانہ انداز میں آگے کو ہو
کر بولی، "اسے میں اپنے ہاتھوں سے سزا
دوں گی، بغیر اس کا نام پوچھے۔"
برحان کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ
ابھری، اس نے سر کو خم دیا۔
"جیسا آپ چاہیں، ملکہ۔"

محراب کا ہر انداز اس کے دل کو بھا رہا
تھا، اسے وہ معصوم، لیکن غصے کی تیز
لگی تھی، جو خود اپنے ہاتھوں سے مجرم
کو سزا دینے پر یقین رکھتی تھی، بغیر
کوئی خوف کھائے۔
برحان کو اس کی ماں نے کہا تھا، "اس
لڑکی سے نبھا کرنا، جو تمہارے بغیر
بھی رہنا جانتی ہو وہ ظالم دنیا کے
سامنے کبھی نہ جھکے۔ اور تم اس کی
اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کرنا۔"
برحان کی شخصیت ایسی ہی تھی، وہ
ہر لڑکی کی حفاظت کرنا چاہتا تھا، اس
کے کیس میں ستر فیصد وہ کیس ہوتا،
جس میں کسی لڑکی کی عزت جڑی
ہوتی۔ اور وہ مہروز کے ساتھ مل کر ہر
طرح سے ان کی حفاظت کرتا تھا۔ ان کو
بلیک میل کرنے والے مجرموں کو سزا
دلواتے۔

اس نے خدیجہ کی بھی حفاظت کرنے کے
لیے اس کی جی-میل ہیک کی تھی۔ یہ
ایک غیر اخلاقی حرکت تھی، لیکن اسے
پرواہ نہ تھی۔
لیکن وہ پہلے کبھی اس طرح سے کسی
لڑکی کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا، جس
طرح سے محراب کی طرف ہو رہا تھا،
"کاش یہ لڑکی ماہین کی بہن نہ
ہوتی۔" وہ خود سے کہتا۔
ہم کہیں اور چل کر ڈھونڈتے ہیں اسے،"
"کوئی اور طریقہ آزماتے۔
محراب ایک بار پھر بولی۔
"ہر طرف دنیا ہے۔۔ کہاں جائیں گے ہم؟""
برحان معصومیت سے بولا تھا۔
"جہنم میں۔" وہ غصے سے تلملائی بولی۔"
تمہیں کوئی پرواہ نہیں ہے میری بہن"
کی۔ تم بہت نان سیریس بی ہیو کر رہے
ہو۔"

"میں نان سیریس ہوں؟ یہ میں اتنی دیر سے کس کے لیے اپنی نظریں اور دماغ کھپا رہا ہوں؟ میری گردن اکڑ گئی ہے۔" وہ دکھ سے بولا۔

"بس کرو۔ آؤ ہم اس جم جا کر پتہ کرتے ہیں، جہاں مہروز گیا تھا صبح۔ شاید ہمیں کچھ مل جائے۔" وہ فکری سے بول رہی تھی۔

"مہروز باریک بینی سے ہر چیز دیکھتا ہے، اس سے کچھ مس نہیں ہو سکتا، وہ بھی ماہین کے معاملے میں۔" وہ اپنی روانگی میں بولا تھا، جب محراب اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

"کیوں؟ ماہین کے معاملے میں کچھ مس کیوں نہیں ہو سکتا؟"

برحان کو بریک لگی، پہلی بار اسے اپنی زبان پھسلنے پر افسوس ہوا۔

"چھوڑو۔ تم صحیح کہہ رہی ہو۔ ہمیں کہیں اور چیک کرنا چاہیے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے محراب بھی اٹھ گئی۔

"مجھے بتاؤ؟ یہ کیوں کہا تم نے؟"

"منہ سے نکل گیا یار۔"

"ماہین کو پسند کرتا ہے وہ؟" وہ آنکھیں سکوڑے ساتھ چلتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔ جواباً برحان نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"ہاں۔ بچپن سے۔ لیکن اظہار نہیں کرتا۔"

"تمہیں کیسے پتہ ہے؟"

"مجھے حیرت ہے، تمہیں نہیں پتہ چلی یہ بات ابھی تک۔ یہ تو پورا اسلام آباد جانتا ہے۔"

"بات مت گھماؤ۔ ماہین جانتی ہے یہ بات؟"

ظاہر ہے۔ لڑکیوں کو پتہ ہوتا ہے کون" انہیں پسند کرتا ہے اور کون نہیں۔ یا لڑکی انتظار کرتی ہے لڑکا خود آ کر اس سے اظہار کرے، یا لڑکی ڈرتی ہے اس بات سے۔ کیونکہ زندگی میں اس کا پالا اچھے مردوں سے نہیں پڑا ہوتا۔ لیکن جانتی ہر لڑکی ہے۔" وہ سادگی سے بول رہا تھا۔

حیرت ہے، مجھے کیوں نہیں پتہ چلا اب" تک، مہروز کس نظر سے میری بہن کو "تکتا ہے۔

برحان اب کی تیوری چڑھائے اسے دیکھنے لگا، وہ دبے دبے غصے میں بولا، "کس نظر سے مطلب؟ لڑکی، مہروز ایسا ویسا نہیں ہے۔ وہ ماہین کی اتنی ہی عزت کرتا ہے جتنی اپنی ماں اور بہن کی کرتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہی ہے، کہ تمہیں بھی نہیں پتہ چلا اب تک۔ ورنہ جن

مردوں کی آنکھیں صاف نہیں ہوتیں، اچھی لڑکیاں فوراً ان کی نیت بھانپ لیتی ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے، مہروز ہر لڑکی کے لیے اس طرح اسلام آباد کی سڑکوں پر خوار ہوتا ہے؟"

محراب کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا، مہروز کی طرف سے اسے ہمیشہ مثبت پن محسوس ہوتا تھا۔ جبکہ ارسل سے اسے ہمیشہ منفی پن محسوس ہوا تھا، کتنی بار اس نے یہ بات ماہین سے کی تھی۔ لیکن ماہین اسے جھڑک دیتی تھی۔

وہ خاموشی سے آگے چلنے لگی۔ اس کے دل میں ہر کچھ لمحے بعد تکلیف سی اٹھتی تھی، مگر وہ خاموش تھی۔

ایک نظر ساتھ چلتے، برحان پر ڈالی۔ کس طرح سے وہ اپنے دوست کا بات بات پر دفاع کرتا تھا۔

اسے آہستہ آہستہ ایک سکون سا
محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ سب
مل کر ماہین کو ڈھونڈ ہی لیں گے۔
اللہ بھی فرماتے ہیں، جس چیز کی انسان
شدت سے کوشش کرتا ہے، اس میں اللہ
تعالیٰ اپنے بندوں کو خالی ہاتھ نہیں
لوٹاتا۔ اسے یقین تھا اپنے رب پر۔
اس سارے میں، ایک چیز جو ان سب کو
ایک دوسرے سے جوڑتی تھی، وہ تھا ان
سب کا اپنے رب پر یقین۔ مکمل یقین۔

*******

مغرب ہو چکی تھی، اسلام آباد میں
اندھیرا چھا چکا تھا۔ اندھیرے کے ساتھ
سب کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی
تھیں۔ پولیس، مہروز، اور برحان سب ایک
ہی شخص کو ڈھونڈنے میں لگے ہوئے
تھے۔

مہروز صبح سے اب تک تقریباً چالیس کیمرے دیکھ چکا تھا۔ ان کے گھر سے نکلتی وہ سفید گاڑی جس جس راستے سے گزری اور گاڑی تبدیل ہوئی، مہروز دیکھتا رہا۔

ہر موڑ پر موجود کسی نئی دکان کے کیمرے سے وہ ان کا نیا راستہ دیکھتا اور اس کے پیچھے چل پڑتا۔ سردی بڑھ رہی تھی، اس کے باوجود وہ پسینے سے شرابور تھا۔

اس اندھیرے میں کتنی ہی بار اس کی آنکھیں بھیگی، اسے خود بھی اندازہ نہ ہوا۔ نہ وہ اپنے آنسو صاف کرنے میں وقت ضائع کرتا۔ وہ کسی سائے کی طرح ماہین اور ارسل کا پیچھا کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ کسی نئی گاڑی کی نمبر پلیٹ پڑھتا، اسے برحان کو بھیج دیتا، اور برحان محراب کے ساتھ اس شخص کے

پیچھے جا کر اس سے معلومات لیتے۔ وہ سب عام لوگ تھے، جنہیں بندوق کی نوک پر زبردستی گاڑی چلانے پر مجبور کیا جاتا رہا۔

انہیں ارسل کی طرف سے دھمکیاں اتنی شدید ملتیں کہ وہ اپنے گھر والوں کا سوچ کر پولیس کو بتانا مناسب نہ سمجھتے۔ سوائے اس پہلی سفید وین کے، انہیں ہر نیا ڈرائیور اور گاڑی مل جاتی۔ مہروز خود اس سفید وین کو ڈھونڈنے میں نہیں لگا تھا، وہ صرف ماہین اور ارسل کے تعاقب میں تھا۔ اسے ابھی ماہین کو بچانا تھا۔

وہ جانتا تھا، اس سفید وین کے پیچھے پولیس پڑی ہوگی۔ سو اس نے اغوا کاروں کی طرف مکمل توجہ نہیں دی۔

برحان نے کئی بار محراب کو گھر جانے کا کہا تھا، "اندھیرا ہو گیا ہے لڑکی۔ گھر چھوڑ آؤں تمہیں؟" وہ فکر سے بولا تھا۔ لیکن محراب ہر بار اسے روک دیتی،

"میری بہن اس اندھیرے میں اکیلی ہے۔ برحان، میں اسے لیے بغیر گھر نہیں جاؤں گی۔"

برحان خاموش ہو جاتا۔

دوسری جانب، خدیجہ ابھی تک جائے نماز بچھائے دعائیں مانگ رہی تھی۔ وہ ہر تیس منٹ بعد اپنے باپ کو کال کرتی اور ماہین کا پوچھتی، لیکن جواباً خاموشی ملتی۔ وہ پھر سے دعائیں اور وظائف شروع کر دیتی۔

ماہین کی ماں ہاجرہ اور تائی شہناز دونوں حال میں بیٹھی، ماہین کے لیے دعائیں کر رہی تھیں۔ فدا حسین نے انہیں تسلی دینے کے لیے کچھ دیر پہلے کہا تھا،

"ہمیں ماہین کے اغوا کاروں کا سراغ ملا ہے، ہم پیچھے جا رہے ہیں۔ امید ہے ماہین جلد مل جائے گی۔"

اس بات پر ان دونوں کو قدرے تسلی ہوئی تھی، مگر دل ابھی تک بے چین تھا۔

فدا حسین کی اس بات پر شاہ زیب چونکا تھا۔ اس نے ان سب کو انڈرگراؤنڈ ہونے کا کہا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کا سراغ مل جائے؟

وہ گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ اسے ارسل یا کسی اور بندے کی طرف سے کوئی دوسری خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔

اسے لگا کہ سب محفوظ ہیں اور وہ لوگ غائب ہو چکے ہیں۔

لیکن ایک انجانا سا خوف تھا جو اسے بےچین کیے ہوئے تھا۔

*******

وقت گزرتا جا رہا تھا، لیکن ماہین کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ سب کے اندر خوف پل رہا تھا، ایک اندیشہ جسے وہ زبان پر نہیں لا رہے تھے، کیونکہ برے اندیشے اگر زبان پر آ جائیں، تو وہ سچ ہو جاتے ہیں۔

رات بڑھ رہی تھی۔ ماہین کتنے گھنٹوں سے اسی جگہ پر، اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ ارسل وہاں سے فرار ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

ماہین اس انجان جھونپڑی میں اکیلی تھی۔ مغرب سے عشاء، اور اب وقت تہجد آن پہنچا تھا۔ قریباً یہ ایک تیس کا وقت ہو رہا تھا۔

ماہین کا جسم سردی کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ اس کی گرفت اس کی تسبیح کاؤنٹر پر مضبوط تھی۔ وہ مسلسل ایک، دو، تین کر کے تیز تیز دبا

رہی تھی۔ زیر لب استغفار پڑھ رہی تھی۔ وہ سہمی ہوئی تھی؛ اسے لگا آج دنیا میں یہ اس کی آخری رات ہے۔ وہ شدید تکلیف اور تھکن کا شکار تھی۔

اس خاموشی میں دور سے ایک دھن سنائی دے رہی تھی، جو وہ پہچانتی تو تھی لیکن یاد نہیں آ رہی تھی۔ یہ دھن آٹھ، نو بجے سے سنائی دے رہی تھی اور بیچ بیچ میں رک کر پھر سے شروع ہو جاتی۔

اس وقت یہ دھن مزید تیز ہو چکی تھی۔ ماہین نے استغفار روک کر، مکمل دھیان اس دھن پر لگایا۔ اچانک اسے یاد آیا،

"یہ، یہ تو وہی دھن ہے جو منال ریسٹوران میں تھی۔ یا اللہ، یہ تو وہی ہے۔ مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں موجود وہ عجب ریسٹوران۔ تو میں کدھر ہوں؟"

اس نے اب غور سے ارد گرد نظریں دوڑائیں؛ ہر طرف تاریکی تھی۔

"یعنی ارسل مجھے مارگلہ کی پہاڑی میں موجود کسی جھونپڑی میں لے آیا ہے؟"

اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "میں یہاں سے کیسے نکلوں گی؟ کوئی نہیں آئے گا۔" وہ جیسے ہمت ہار چکی تھی۔

شدید ٹھنڈ کے باعث اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ سوائے رونے کے اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

اس کے ٹھنڈے پڑتے چہرے پر گرم گرم آنسو بہنے لگے۔ اس کی ناک برف کی مانند سرد ہو چکی تھی۔

وہ چیختی، مگر اس کی آواز کسی تک پہنچنے سے پہلے ہی واپس لوٹ آئی۔

کچھ دیر بعد، وہاں خنکی محسوس ہوئی۔ ماہین سہم گئی۔

قدم قدم چلتا ارسل اس کے قریب آیا۔
قریب آنے پر اس کا چہرہ واضح ہوا۔
ماہین نے اپنا منہ موڑ لیا۔
"میں تمہاری اور اپنی جانے کی ساری
تیاری کر چکا ہوں۔ یہاں سے سب کچھ
وائنڈ اپ کر دیا ہے۔ ابھی صبح کے لیے
ٹرین کی ٹکٹ لینے جا رہا ہوں، صبح چار
بجے کا وقت ہے۔ تم تیار ہو؟"
ماہین کی آنکھ سے ایک ٹوٹا ہوا آنسو
گرا، لیکن اندھیرے کے باعث ارسل کو نظر
نہ آیا۔ ماہین خاموش رہی۔ وہ اسے کہنا
چاہتی تھی، "مجھے آزاد کر دو، یا سر
ڈھکنے کے لیے کوئی کپڑا دے دو۔ یا کوئی
چادر اوڑھا دو۔ میں ٹھنڈ سے مر رہی
ہوں۔"
لیکن اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ اس
شخص کے سامنے کچھ بھی کہنا

فضول تھا۔ ماہین نے اپنی موت کو ارسل سے لیے گئے کسی احسان سے بہتر سمجھا۔ اسے موت قبول تھی، مگر توہین نہیں۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے، تم تیار ہو؟"

"تم نہیں بچو گے، ارسل۔ یاد رکھنا، میرا اللہ تم سے حساب لے گا، ہر ظلم کا۔ زمانہ بھول سکتا ہے، مگر میرا اللہ ظالم اور مظلوم دونوں کو نہیں بھولتا۔"

ماہین چہرے پر مسکراہٹ لیے، پورے جوش سے بولی۔ اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ کہیں محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے، کوئی آ کر تمہیں مجھ سے بچا لے گا؟" ارسل، بغور دیکھتے ہوئے، ہموار لہجے میں بولا۔

بالکل۔ میں بچ جاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ نے"
رات مجھے کہا تھا، 'میں تمہارے ساتھ
ہوں، دیکھ اور سن رہا ہوں۔' ارسل،
تمہارا وقت قریب ہے۔ میں کمزور ہوں
ارسل۔ لیکن میرا ساتھی کمزور نہیں
ہے۔ وہ مجھے یہاں سے آزاد کروا دے گا۔
میرا رب مجھے تنہا چھوڑ ہی نہیں سکتا۔
سنو تم، میرا باپ کہا کرتا تھا، ماہین
لاڈلی ہے اللہ کی۔ میں لاڈلی ہوں اپنے
رب کی ارسل۔ اور لاڈلوں کو اس طرح
نہیں چھوڑا جاتا۔" وہ چبا چبا کر بول
رہی تھی، مگر ارسل کے دل پر اس کی
کوئی بات اثر نہیں کر رہی تھی۔
وہ اس کے قریب ہوا اور اس کے بالوں کو
اپنے ہاتھوں میں جکڑا۔ ماہین کے سر
میں درد کی لہر دوڑی۔ لمحے بھر کے لیے
کراہ کر اس نے آنکھیں میچ لیں۔ ارسل
سرگوشی میں کہنے لگا،

"میں جانتا ہوں تمہیں کس کا انتظار ہے۔
صبر کرو، اس مرد کے بچے کو میں اپنے
ہاتھوں سے ماروں گا۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے ماہین کو ایک جھٹکے
سے چھوڑ دیا۔
ماہین کی کرسی کا توازن خراب ہوا،
جسے اس نے بمشکل سنبھالا۔
"بالکل، مجھے اسی کا انتظار ہے۔ وہ آئے
گا بچانے۔ کیونکہ اس کے گھر
کی عورت کو اغوا کیا گیا ہے۔ اور وہ
تمہاری طرح بے غیرت نہیں ہے جو تسلی
سے بیٹھا ہوگا۔ وہ ڈھونڈ لے گا مجھے، یا
تو مارگلہ کی پہاڑیوں میں، یا تمہارے اس
وفاؤں کے شہر میں۔ لیکن یاد رکھنا، وہ
مجھے ڈھونڈ نکالے گا۔"
ماہین ایک بار پھر چبا چبا کر بولی۔ پتہ
نہیں کیوں، لیکن وہ اسے مزید تپانا چاہتی
تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس بار ارسل اس

کا منہ توڑ دے گا، مگر آج وہ بے خوف تھی۔ ایک انجانی طاقت اس کے اندر سما گئی تھی۔

ارسل تپتی آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھا اور پوری قوت سے پاؤں اٹھا کر زور سے ماہین کے پیٹ میں مارا۔ وہ کرسی سمیت کلابازی کھاتی دور جا گری۔ وہ شدید تکلیف میں کراہ رہی تھی، جیسے اس کا پورا جسم ٹوٹ گیا ہو۔ وہ کرسی سمیت دائیں جانب اوندھے منہ گری پڑی تھی، اور اس میں اتنی ہمت نہ رہی کہ سیدھی ہو کر بیٹھ سکے۔

ارسل وہیں سے ٹرین کی ٹکٹ لینے مڑ گیا۔ ماہین کتنی ہی دیر وہاں اسی حالت میں لیٹے درد اور سردی کی شدت سے کراہتی رہی۔

مہروز آبپارہ میں موجود تھا۔ یہ وہ آخری مقام تھا جہاں ماہین اور ارسل کا آخری

سراغ ملا تھا۔ یہ جگہ مارگلہ کی پہاڑیوں سے قریباً دس منٹ کے فاصلے پر تھی۔ وہ بری طرح سے اپنی بائیک یہاں وہاں بھگاتا رہا۔ اسے یقین تھا ماہین اب قریب ہے۔ لیکن کہاں ہے؟ یہ پہلی بار تھا، اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ وہ بےبس محسوس کر رہا تھا۔ بائیک کو تیز رفتار بھگاتے یکدم اس کی آنکھیں دھندلا گئی۔ وہ بری طرح سے کسی چیز سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ یہ وہ وقت تھا، جب اسے لگا وہ ہار چکا ہے۔ وہ سڑک کے دہانے پر گرا پڑا تھا۔

اسے کوئی اس حال میں دیکھ لیتا تو کوئی نہ پہچانتا کہ وہ مہروز ہے، اونچے قد خوبصورت جسامت والا ستائیس اٹھائیس برس کا نوجوان۔ وہ وہیں بیٹھا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگا۔ "میں ہاتھ پھیلاتا ہوں تیرے آگے میرے رب۔ ماہین کی حفاظت

فرما، مجھے کوئی سراغ دے دے۔ تو مالک
ہے، میں ہمیشہ مشکل میں تیرے پاس آیا
ہوں۔ تو ہر بار مجھے سنتا آیا ہے، میرے
گناہگار وجود کو قبول کرتا آیا ہے۔ کیا تو
اس بار مجھے نہیں سنے گا؟ میرا دل
تکلیف میں ہے۔ وہ عورت مجھے بہت
عزیز ہے، تو اس کی حفاظت فرما یا
رب۔ میں جانتا ہوں، وہ مجھ سے زیادہ
تجھے عزیز ہے۔ تیری محبوب بندی ہے۔
میرے دل کو جانتا ہے تو اللہ، یہ رو رہا
ہے، یہ زخمی ہے۔ میں اتنا بےبس
محسوس کر رہا ہوں۔ میں کیا کروں؟
مجھے اتنی تکلیف اس دن بھی نہیں
پہنچی جب اس کی شادی ہوئی تھی،
لیکن آج، آج میرا سینہ جل رہا ہے۔ وہ
کس حال میں ہوگی؟ وہ جانور اسے
تکلیف دے گا۔ یا اللہ کیا تیرے سوا کوئی
اور سنتا ہے؟ کیا میں کسی اور کی

چوکھٹ پر جا سکتا ہوں؟" وہ روتے ہوئے
بول رہا تھا۔ آس پاس کچھ دکانوں سے
لوگ ٹھہر کر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ مرد
گھٹنوں کے بل بیٹھا، ہاتھ اٹھائے آسمان کو
دیکھتے بول رہا تھا۔ "جب تیرے علاوہ
کوئی سنتا نہیں ہے، کوئی سمجھتا نہیں
ہے تو میں صرف تیرے پاس آؤں گا نا یا
اللہ۔ تو ہی مجھے سن سکتا ہے۔ میری
کیفیت مجھ سے زیادہ تو جانتا ہے۔ تیرے
سوا کوئی چوکھٹ نہیں ہے جہاں مہروز
ماتھا ٹیکے۔ میرے رب تجھے میری مدد
کرنی پڑے گی۔" وہ کتنے مان سے دعائیں
مانگ رہا تھا۔ جیسے ایک دوست اپنے سب
سے اچھے دوست کو پورے حق سے کچھ
کہتا ہو، حق سے مدد مانگتا ہو۔
برحان اور محراب اب تھک کے سڑک کنارے
کھڑے تھے، مہروز کی طرف سے ملنے والا
آخری سراغ سے بھی کچھ پتہ نہ لگ

سکا۔ سب کا ایک ہی جواب ملا۔ محراب
کی آنکھیں بھیگنے لگی، جیسے وہ نا چاہتے
ہوئے بھی یقین کرنے لگی ہو۔ ماہین کو
کھو دیا ہے۔ ماہین کو لے گیا وہ۔ برحان
اس کے سامنے کھڑا تھا، ابھی تک وہ اس
کا مغرور انداز دیکھتا آیا تھا۔
حقیقت یہ تھی، اب برحان بھی ہمت ہار
چکا تھا۔
"ہمت رکھو ملکہ۔ مجھے یقین ہے، وہ
مل جائے گی۔" محراب نظر اٹھائے اسے
دیکھنے لگی۔ سارے راستے بند تھے، اب
کونسی ہمت کی بات کر رہا تھا وہ؟
"سردی بڑھ گئی ہے۔ ماہین کو پتا نہیں
کس جگہ رکھا ہوگا۔ میرا دل کانپ رہا
ہے، جیسے وہ تکلیف میں ہو۔" اس کی
آواز کانپ رہی تھی۔
"ہم چن چن کر ماریں گے انہیں، جس نے
بھی تکلیف دی اسے۔"

"تمہیں کیا ہے؟ تم محض ایک انویسٹیگیٹر ہو۔ تمہیں ماہین کے نا ملنے پر محض دکھ ہوگا۔ لیکن ہماری زندگی رک جائے گی۔ ہمیں گہرا صدمہ پہنچے گا برہان۔"
وہ روتے ہوئے بولنے لگی۔
"تم نے صحیح کہا، شاید مجھے تم لوگوں جتنا دکھ نہ ہو۔ شاید تم سمجھ نہ سکو میری بات، مگر جب آپ کا کوئی اپنا کسی کرب سے گزر رہا ہوتا ہے، آپ بھی اتنی ہی تکلیف سے گزرتے ہیں۔ خاص طور پر تب، جب آپ جانتے ہوں آپ ان کی تکلیف کم نہیں کر سکتے۔ مجھے تم سب کو غم میں دیکھ کر تکلیف ہوگی۔"
وہ کہہ نہ سکا، کہ آج اس کے دل میں بھی وہی تکلیف تھی، جو وہ سب ماہین کے غائب ہونے پر محسوس کر رہے تھے۔ مہروز کے حوالے سے وہ ماہین کو اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھتا تھا۔ اس

سے جان بوجھ کر پنگے لیتا تھا، اور اسے
چڑھتا دیکھ کر دلی تسلی محسوس کرتا
تھا۔ اس کے سامنے بار بار ماہین کی
روتی آنکھیں آرہی تھیں۔ لیکن وہ اپنے
جذبات کا کبھی بھی کھل کر اظہار نہیں
کر پایا تھا۔ کسی کے سامنے نہیں۔
اس نے کتنے ہی اپنے اونچے عہدوں پر فائز
رشتے داروں کو ارسل کی تصویر بھجوائی
تھی، اس کا پتہ کرنے کا بولا تھا۔ اس نے
ان لوگوں کو بھی آج منہ لگایا تھا، جن سے
وہ ایک عرصے سے ناراض تھا۔ لیکن یہ
سب اس نے آج اس لڑکی کے لیے کیا تھا،
جس نے اس کی عزت مہروز کے سامنے
بچائی تھی۔ ماہین چاہتی تو مہروز یا
خدیجہ کو بتا سکتی تھی کہ برحان نے
خدیجہ کی جی-میل سالوں پہلے ہیک کر
رکھی تھی۔ لیکن ماہین نے کسی سے
کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ جانتی تھی، برحان

برا انسان نہیں ہے۔ وہ اسے سمجھنے
لگی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتی
تو کبھی راز نہ رکھتی۔
محراب آنکھیں اوپر کیے، اپنی بےرونق
آنکھوں سے آسمان کو تکنے لگی۔ ایک
امید سے۔
دوسری جانب مہروز بھی اوپر آسمان پر
نظریں گاڑے شکستہ حالت میں دیکھ رہا
تھا۔
خدیجہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس
کھڑی، وہ ماہین کی طرح آسمان کو
دیکھے گئی۔ صرف وہاں امید باقی تھی۔
یہ وہ وقت تھا، جب ہر راستہ بند ہو چکا
تھا۔ کوئی آس، کوئی امید، زمین
پر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سامنے خالی
دیوار تھی، اور دیوار کے اس پار نجانے کیا
تھا۔ اور اس جانب سب ایک ہی قطار
میں لگے کھڑے تھے، کوئی ان سب سے

پوچھتا، کس کا انتظار تھا؟ تو سب یک آواز میں کہتے، "کرامات کا، معجزے کا، کسی کرشمے کا"

اور پھر یہاں، ایسے وقت میں ہی معجزے ہو جایا کرتے ہیں جیسے موسیٰ کے لیے سمندر سے راستہ نکال دیا گیا، یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نکال دیا گیا، اور ابراہیم کو آگ سے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا۔

برحان، محراب کو آسمان پر نظریں ٹکائے دیکھ رہا تھا جب اچانک اسے رات والی بات یاد آئی۔ "مہروز نے رات کہا تھا، کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈنے کے لیے انا للہ واناالیہ پڑھنا چاہیے۔ کیا یہ سچ ہے؟" وہ تشویش سے پوچھنے لگا۔

ہاں۔ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ سکھایا" ہے کہ ہر مصیبت اور نقصان پر، یا کچھ

کھو جانے پر صبر کے ساتھ یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

"ہماری بہن بھی کھو گئی ہے۔ ہم بھی اس کی تسبیح کرتے ہیں۔" برحان امید سے بولا تھا۔

محراب اسے دیکھنے لگی۔ اس نے سر کو خم دیا، اور زیر لب آیت کا یہ حصہ پڑھنے لگی۔ "انا للہ واناالیہ راجعون"

"ملکہ، کوئی تعداد مقرر نہیں؟ کتنی بار پڑھوں؟" برحان بولا تھا۔

"سو بار پڑھ لو، اور مجھے ملکہ کیوں بول رہے ہو اتنی دیر سے؟"

"افف، تم واقعی ملکہ نہیں ہو۔ ہوتی تو ابھی کسی غلام کو بھیج کر تسبیح منگوا دیتی مجھے۔ خیر ہے، میں انگلیوں پر گن لیتا ہوں۔" برحان اپنی دھن میں بول رہا تھا، اسے لگا محراب آگے سے بھڑکے گی۔

لیکن محراب اپنی بادامی شکل آنکھوں
سے برحان کو دیکھے گئی۔
"کیا کہا تم نے؟" وہ ایک جھٹکے سے
سیدھی ہوئی۔
"ایسے ہی بول رہا ہوں یار۔"
"تسبیح؟ ماہین کی تسبیح۔ برحان، برحان
سنو، ماہین کی تسبیح ہمیں اس تک
پہنچا سکتی ہے۔ یا اللہ میں کیسے بھول
گئی؟"
برحان آنکھیں سکوڑے اسے دیکھنے لگا،
اسے جیسے کوئی الارم بج رہا تھا۔
"کیا مطلب؟ وہ ہری تسبیح؟ جو اس کی
انگلی پر ہر وقت ہوتی ہے؟"
"بالکل، بالکل وہی تسبیح برحان۔ وہ عام
تسبیح نہیں ہے۔ یہ بابا نے اسے دی تھی،
اس میں ایک ریکارڈر اور ٹریکر ہے
برحان۔ اسے زور سے دبانے پر ریکارڈنگ
شروع ہو جاتی ہے، اور تین بار لگاتار

دبانے پر لوکیشن مل جاتی ہے۔" وہ جیسے
کسی سحر سے جاگی تھی۔ وہ اتنی
اونچی آواز میں جوش مارے بول رہی
تھی، یہ پہلی بار تھا جب اس کے چہرے پر
گہری مسکراہٹ در آئی تھی۔ اس کی
دائیں گال پر ڈمپل گہرا ہوا۔
برحان کچھ دیر اسے تکتا رہا، جیسے وہ
بھی کسی گہری کھائی سے باہر نکلا ہو۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا، خوشی سے
جھوم اٹھے۔ اس نے اپنا موبائل
نکالا، مہروز کو کال ملائی۔
کچھ پتہ چلا؟" مہروز گیلی سانس اندر"
کھینچے، سڑک پر بیٹھے پوچھ رہا تھا، اسے
لگا کہ سامنے سے جواب انکار کی صورت
میں آئے گا۔ لیکن برحان کے اگلے الفاظ
سن کر اسے محسوس ہوا کہ اسے ایک
نئی زندگی سے نواز دیا گیا ہے۔ اس کی
پکار اوپر پہنچ چکی تھی، اور اپنے ساتھ

معجزہ لے کر آئی تھی۔ کیا نہیں تھا جو
وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا، آس
پاس ٹھہرے لوگ اسے دیوانہ سمجھنے
لگے۔ جو ابھی تک رو رہا تھا، اب ہنس
رہا تھا۔ اس کی اس مسکراہٹ نے وہاں
موجود ہر انسان کو اسیر کر دیا۔
اسلام آباد پھر سے جھوم اٹھا تھا۔
"برحان، وہ لوکیشن کہاں ہے؟ بتاؤ
مجھے۔ کیسے ٹریس کریں ہم؟" وہ
جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولنے لگا۔
برحان نے موبائل سپیکر پر کیا، اب کے
محراب جواب دے رہی تھی۔
"بابا کے موبائل میں۔ اس تسبیح کا ڈیٹا
بابا کے موبائل سے ملے گا۔ لوکیشن بھی۔
میں ابھی خدیجہ کو کال کرتی ہوں۔ تم
کال پر رہنا۔"
محراب نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے خدیجہ
کو کال ملائی۔ موبائل خدیجہ کے ہاتھ

میں ہی تھا۔ پہلی بیل پر ہی اس نے
دھڑکتے دل کے ساتھ کال اٹھائی۔
"ماہین مل گئی؟" بے اختیار وہ بولی۔
"خدیجہ، غور سے بات سنو۔ نیچے میرے
کمرے میں جاؤ، میری الماری میں بابا کا
موبائل رکھا ہے۔ اسے اٹھا کر کھولو، وہاں
ایک ایپ ہوگی، ہرے رنگ کی، 'رکاڑد بک'
کے نام سے۔ اسے جلدی کھولو، وہاں
ماہین کی لوکیشن ملے گی، ہمیں بتاؤ۔"
خدیجہ اس کا ایک ایک لفظ دماغ میں قید
کرتی نیچے کی طرف دوڑی۔ وہ دو دو
زینے اکٹھے پھلانگ رہی تھی، دو بار گرتے
گرتے بچی، لیکن اس کی
رفتار میں کمی نہیں آئی۔
اس نے ایک دھڑلے سے دروازہ کھولا، اندر
کوئی موجود نہ تھا۔ ہاجرہ آج شہناز کے
کمرے میں تھی۔ وہ دونوں مصلے پر بیٹھی
اپنی بچی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں۔

خدیجہ آگے بڑھ کر موبائل نکالنے لگی۔ اس کے ہاتھ کسی مشین کی طرح چل رہے تھے۔ چند لمحے گزرے، سب کے دل دھڑک رہے تھے۔ سب کو ایک سوچ نے جکڑا ہوا تھا: "اگر ماہین نے بٹن نہ دبائے ہوئے؟"

"مارگلہ کی پہاڑی۔ آخری لوکیشن تیس منٹ پہلے کی ہے۔ وہ مارگلہ کی پہاڑیوں پر ہے۔" وہ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ اس کی آواز پر جیسے سب کا رکا ہوا سانس خارج ہوا۔

مہروز کی گرجدار آواز سنائی دی،

"برحان، میں اپنی سپیڈ میں جا رہا ہوں۔

میں پانچ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

برحان اور محراب سر ہلا رہے تھے۔

برحان اپنی بائیک سٹارٹ کرنے لگا، ان سے مارگلہ کی پہاڑیاں تیس چالیس منٹ کی مسافت پر تھیں۔

محراب اب خدیجہ کو اگلی ہدایات دے
رہی تھی،
"خدیجہ، صرف تایا ابو کو کال کرو۔ انہیں
کہو پولیس کو لے کر وہاں جائیں۔ لیکن
خیال سے، اپنے سائرن وغیرہ بند رکھیں۔
ہمیں انہیں کسی صورت بھاگنے کا موقع
نہیں دینا۔"
خدیجہ مسکراتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔
رابطہ منقطع ہوگیا۔ سب کے دلوں میں
امید جاگ اٹھی تھی، ان کے لیے بند دیوار
سے راستہ بنا دیا گیا تھا۔
یہ تھی ان کی خالص توکل کی طاقت۔
"کیا کبھی ایمان والوں کے راستے بند ہو
سکتے ہیں؟ ان کی آخری منزل تو معجزہ
ہے۔"
خدیجہ بار بار دل پر ہاتھ رکھتی، اپنے رب
کا شکر ادا کرتی۔

مہروز اپنی بائیک کو مکمل سپیڈ سے دوڑا
رہا تھا۔
اسے وہاں پہنچنے میں چند ہی منٹ لگے،
قریباً چھ سے سات منٹ۔
دوسری طرف برحان اپنی بائیک کو
احتیاط سے چلا رہا تھا۔ محراب کی وجہ
سے اس نے اپنی سپیڈ کو بڑھایا نہیں تھا،
جبکہ وہ بار بار پیچھے سے چیختی تھی،
"تمہیں بائیک چلانا بھی میں سکھاؤں؟
اترو، مجھے چلانے دو۔ تم جان بوجھ کر
آہستہ چلا رہے ہو نا؟ اسے بھگاؤ
برحان۔"
برحان سیدھا دیکھتے، اونچی آواز میں بولا،
"معاف کرو ملکہ، میرے ساتھ کوئی عورت
نہ بیٹھی ہوتی تو تم میری سپیڈ
دیکھتی۔"
محراب نے ایک نظر پیچھے گھمائی، پھر
واپس آگے چہرہ کیے بولنے لگی،

کون عورت بیٹھی ہے تمہارے ساتھ؟" وہ " سکتے میں تھی۔ "اس نے مجھے عورت بولا؟ کیا یہ جانتا نہیں میں صرف بائیس سال کی ہوں؟" وہ سوچ رہی تھی۔

جب برحان کو اس کی بات کا مطلب سمجھ آیا، وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ کتنے لمحے اسی طرح ہنستا رہا۔ بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے وہ اب بولا، "تو تم ننھی بچی ہو؟ آؤ، میں پہلے تمہیں گھر چھوڑ کر آؤں، رات کو باہر جن پکڑ لیتے ہیں بچوں کو۔"

ایک بات واضح ہے، تمہاری زبان تمہاری" بائیک سے زیادہ تیز ہے۔" وہ غصے میں تلملاتی بولی۔

*******

خدیجہ کو مہروز کی کال موصول ہوئی۔
وہ اس کمرے میں خاور کا موبائل پکڑے
بیڈ پر بیٹھی تھی۔
"جی بھائی؟" وہ کال اٹھاتے بولی۔
"آگے کی لوکیشن بتاؤ خدیجہ۔۔ میں
پہاڑیوں میں پہنچ گیا ہوں۔"
"بھائی، ٹھیک سے سمجھ نہیں آرہی یہ
نشان مارگلہ کے بیچو بیچ میں کہی پر
موجود ہے۔۔" وہ پریشانی سے بولی تھی۔
"ٹھیک ہے۔۔ میں آگے جاتا ہوں۔ موبائل
رکھو۔"
"خیال سے بھائی۔" وہ فکر سے بولی۔
"پریشان نہیں ہو، میں اسے لے کر آؤں
گا۔"
رابطہ منقطع ہوگیا۔ وہاں شدید سردی
پڑ رہی تھی۔ مہروز کے بازوؤں کے بال
کھڑے ہوگئے۔۔ وہ موبائل کی ٹارچ آن کیے
آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے راستے میں پڑتی

دو جونپھڑیوں کے اندر جا کر دیکھا تھا۔
اندر داخل ہوتے ہی اس کے دل کی
دھڑکن تیز ہو جاتی تھی، اس امید سے کہ
اب آگے ماہین ہوگی۔ لیکن وہ جونپھڑی
خالی ملتی۔ وہاں محض کوئی پرانا
سامان ہوتا۔
وہ ہمت ہارے بغیر اگلی جانب بڑھ جاتا۔
اسے دور ایک تاریک جونپھڑی نظر آئی،
خستہ حالت میں۔ وہ اس طرف بڑھنے
لگا۔ ایک ایک قدم اٹھتا بھاری محسوس
ہو رہا تھا۔ "بس وہ زندہ ہو۔ وہ
سلامت ہو۔" وہ خود سے کہتا۔
لمبے ڈگ بھرتا، وہ اس جونپھڑی کے اندر
داخل ہوا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اس کے
قدموں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔
وہ سکتے میں کھڑا تھا، جیسے سانس لینا
بھول گیا ہو۔

سامنے ماہین کرسی سمیت اوندھے منہ گری ہوئی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، اس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ اس کی صرف ایک آنکھ نظر آرہی تھی، جو بند تھی۔

وہ دیوانہ وار بھاگتا اس کے قریب پہنچا، اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"ماہین؟" اس نے پہلا کام جو کیا، اپنی دو انگلیوں کو اس کے ناک کے قریب رکھا۔

اسے لگا وہ اسے کھو چکا ہے۔

گرم ہوا اس کی انگلیوں پر پڑی تھی، جس نے مہروز کی رکی سانس بحال کی۔ "یہ زندہ ہے، اوہ خدا۔ ماہین زندہ ہے۔" وہ کانپ رہا تھا، وہ رو رہا تھا، ساتھ مسکرا بھی رہا تھا۔

اس نے اپنا ہاتھ ماہین کے سر کی پشت پر رکھا، اس کی کرسی کو دوسرے ہاتھ سے اٹھاتا سیدھا کیا۔ یہ پہلی بار تھا، جب

مہروز نے بارہ سال بعد اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ بھی اس حال میں۔ اس کی دائیں گال پر انگلیوں کے نشان چپکے تھے، اس کے ماتھے پر چوٹ کا نشان تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کھولنے لگا، اس کے ہاتھوں کی جلد پر رسی کے نشان چپک گئے، ہاتھ رگڑنے کی وجہ سے، اس کی ہاتھوں جلد بھی اکھڑی ہوئی تھی۔

"ماہین؟ ماہین اٹھو۔ ماہین؟" وہ بار بار اس کا نام لے رہا تھا۔ اس کے سینے میں گھٹن محسوس ہوئی۔ ماہین کا پورا جسم برف بنا پڑا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر اس کے کندھوں پر رکھا۔ اب وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ رگڑ رہا تھا۔ کبھی وہ اس کے پاؤں رگڑتا۔ وہ دیوانہ وار ساتھ بول رہا تھا،

"مجھے دیر ہوگئی۔ معاف کر دو۔ ماہین" خدا کے لیے اٹھ جاؤ۔" وہ اسے گلے لگانا

چاہتا تھا، لیکن وہ اس رب کی بنائی حدود نہیں توڑ سکتا تھا، جس نے اسے ماہین سے ملوا دیا تھا۔

کچھ لمحے بعد ماہین بند آنکھیں میچنے لگی، وہ کراہ رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے مہروز کو دیکھا۔ اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ مسلسل اپنے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ اور پاؤں مسل رہا تھا۔

اسے ہوش میں آتا دیکھ مہروز کی طاقت بحال ہو رہی تھی، اس ستائیس سالہ مرد کی جان میں جان آنے لگی۔

"تم ٹھیک ہو؟ مجھے معاف کر دو۔ مجھے دیر ہوگئی آنے میں۔" وہ اسے دیکھتا آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

ماہین کا ذہن صورت حال سمجھ رہا تھا۔

"مہروز مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ بہت زیادہ۔ میرا سکارف کھینچ کر اپنے ساتھ لے گیا وہ۔ میرا ماسک توڑ دیا اس نے۔"

وہ کملائی ہوئی بولی تھی۔ اس کی ساری ہمت جو اس نے طلاق کے بعد سے اب تک جوڑی تھی، اپنی شخصیت کو دوبارا سے تشکیل دیا تھا۔ وہ سب ٹوٹ کے بکھر گیا تھا۔ اسے اس وقت کسی بات کی پرواہ تھی تو محض، اس کے سر پر حجاب نہیں تھا۔

مہروز نے ہاتھ میں پکڑا موبائل کھولا، اس نے برحان کو کال ملائی۔

کچھ لمحے بعد اس نے بائیک سائڈ پر روکے کال اٹھائی۔

برحان کوئی موٹی چادر لیتے آؤ۔ ماہین"
کو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ میں تمہیں لوکیشن
"بھیج رہا ہوں، آ جانا۔
برحان نے سمجھنے والے انداز میں سر کو
خم دیا۔ اور آس پاس کوئی دکان ڈھونڈنے
لگا۔
کیا بولا اس نے؟" محراب نے پوچھا۔"
ماہین کو ٹھنڈ لگ رہی ہے، کوئی موٹی"
"چادر لانے کا بولا ہے۔
محراب کے جیسے دل پر کسی نے پاؤں"
رکھ کر کچل دیا ہو، اور کہا جا رہا ہو،
"اب جی کر دکھاؤ۔
برحان ادھر ادھر دیکھتا رک کر محراب کو
دیکھنے لگا، جو اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی
تھی۔
حوصلہ رکھو ملکہ۔ سب ٹھیک ہے۔ کچھ"
اور بات ہوتی تو مہروز کا لہجہ اس
وقت ایسا نہ ہوتا۔" وہ جیسے محراب

کی پریشانی بھانپ گیا تھا۔ جواباً محراب سر ہلانے لگی۔

اس کے بعد مہروز نے ایک میسج خدیجہ کو بھیج دیا۔ "ماہین مل گئی ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔" وہ جانتا تھا، خدیجہ کی سانسیں بھی اٹکی ہونگی۔

اس کا میسج تھا یا کوئی آب حیات، جو خدیجہ کو پلا دیا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگنے لگی۔ اس کی دعا عرش پر سن لی گئی تھی۔ وہ خاور کا موبائل واپس رکھے، شکرانے کے نفل ادا کرنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

مہروز، ماہین کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ ماہین کانپ رہی تھی۔ اس نے لکڑی کی ٹوٹی پھوٹی کرسی کو غور سے دیکھا، پھر جیسے اس کا دماغ چل اٹھا۔

"آؤ میرے ساتھ ماہین۔ ہم باہر بیٹھتے ہیں۔"

ماہین بغیر سوچے سمجھے اٹھ کھڑی ہوئی۔ درد کی ایک اور لہر اس کے جسم میں دوڑی۔ اس کی جوتی ٹوٹ چکی تھی۔ وہ لڑکھڑائی، مگر کرسی کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ مہروز بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا ایک ہاتھ سہارے کے لیے ماہین کے آگے کیا۔

ماہین نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ "میں چل سکتی ہوں۔" کہہ کر چھوٹے چھوٹے قدم بڑھانے لگی۔ مہروز نے کرسی اٹھا لی۔

وہ دونوں جونپھڑی سے باہر آئے، مہروز اسے جونپھڑی کی پچھلی جانب لے آیا۔ درختوں کے جھرمٹ میں، ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائے وہ کھڑی ہوئی۔ سامنے تھوڑی دور وہ پہلے والی جونپھڑی تھی، جہاں مہروز پہلے گیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس کے اندر دوبارہ گیا اور اب کی بار

وہاں سے ایک ماچس اور ایک پلاسٹک ڈبے
میں مٹی کا تیل اٹھا کر لایا۔
ماہین اسے دیکھے گئی، بولی کچھ نہیں۔
وہ کرسی کا ایک ایک حصہ الگ کیے،
زمین پر جوڑ رہا تھا۔ ساتھ وہ مٹی کا
تیل اس پر چھڑکنے لگا۔ کچھ لمحے بعد
ماچس سے آگ لگانا شروع کی۔ لکڑیوں
نے جلد چنگاری پکڑ لی تھی۔
اب وہ ارد گرد نظریں گھمانے لگا۔ پاس
ہی دو بڑے پتھر نظر آئے، اس نے انہیں آگ
کے قریب رکھا اور ماہین کو دیکھنے لگا۔
ماہین اپنے چھوٹے
قدم اٹھاتی نزدیک آ کر ایک پتھر پر بیٹھ
گئی۔ مہروز بھی ساتھ بیٹھ گیا۔
آگ کی روشنی میں مہروز نے اس کا
چہرہ دیکھا، جس پر نشان تھے۔ اس نے
ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔ پھر اس نے

واپس چہرہ آگ کی طرف موڑ لیا۔ لمحے کے لیے سب منتشر ہوگیا تھا۔
غصے سے اس کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔ وہ اس کی پسندیدہ عورت تھی، اور مرد اپنی پسندیدہ عورت کو تیز آندھیوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اس وقت وہ بہت بےبس محسوس کر رہا تھا۔ اس نے خود سے عہد کیا، ماہین کو ملے ایک ایک زخم کا بدلہ ارسل سے لے گا۔
چند لمحے گزرے۔
"مجھے لگا تم نہیں پہنچ سکو گے۔"
ماہین سامنے دیکھتی بغیر پلکیں جھپکائیں بولنے لگی۔ مہروز کا چہرہ بھی اب سامنے کی جانب تھا۔
"تمہاری خاطر مجھے آ نا ہی تھا۔"
"میں خوف میں تھی، مجھے لگا وہ مجھے لے جائے گا۔"

میں خوف میں تھا، کہ میں تمہیں کھو"
"دوں گا۔
ماہین کی آنکھیں بھیگنے لگی۔ اس کے
دماغ میں رات پڑھی جانے والی آیات
گردش کرنے لگیں۔ "تم دونوں خوف نہ
کرو، بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سب
کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔" (القرآن)
ماہین اپنے ہاتھ آگے کو پھیلائے بیٹھی تھی۔
اسے ابھی بھی شدید ٹھنڈ لگ رہی تھی۔
اس کا جسم بھی اس آگ کی مانند اندر
سے جل رہا تھا۔ وہ سر گھٹنوں میں دیے
ہاتھ آگے کی جانب پھیلائے بیٹھ گئی۔
مہروز نے لمحے بھر کو اسے دیکھا، اس نے
اپنی آنکھوں میں جمع ہوتے پانی کو بہنے
سے پہلے ہی صاف کر دیا۔ اس کی نظر
ماہین کے پاؤں پر پڑی۔ اس نے سرخ رنگ
کی جوتی پہن رکھی تھی ، جو اوپر کی
جانب سے ٹوٹ چکی تھی۔ اس کے پاؤں پر

زخم کے نشان تھے۔ انگھوٹھے کا ناخن مڑا ہوا تھا، وہاں خون جما تھا۔

مہروز خاموشی سے اس پتھر سے اٹھ کر ماہین کے پاس جا کر گھٹنوں کے بل بیٹھا، اس نے خاموشی سے اس کے پاؤں سے وہ ٹوٹا ہوا جوتا اتارا۔ وہ اس کے پاؤں کی حالت کو دیکھتا رہا، اس کے دل میں درد کی ایک اور لہر اٹھی، مگر وہ خاموش تھا۔ اس نے اپنے پینٹ کی جیب سے ایک چوڑا رومال نکالا، اسے ماہین کے پاؤں اور انگھوٹھے پر باندھا۔

اب وہ اپنے جوتے اتار کر ماہین کے پاؤں کے نیچے رکھنے لگا۔

ماہین خاموشی سے بیٹھی رہی، اس نے ایک بار بھی سر نہیں اٹھایا۔ مہروز جا کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب اس کے پاؤں میں محض گرے رنگ کی جرابیں

تھی۔ چند لمحے بعد ماہین نے سر گھٹنوں
سے اٹھایا۔
"تم روئے ہو؟" ماہین نے ہوش میں آتے
ساتھ سامنے مہروز کو روتے دیکھا تھا۔
اس کا دماغ اس وقت کام نہیں کر رہا
تھا، اسے یقین نہیں آیا
کہ مہروز رویا ہے یا نہیں؟
مہروز اسے دیکھے بغیر بولا، "میں خوف
میں تھا، تم ٹھیک ہو اب؟"
"میں تکلیف میں ہوں۔ شدید تکلیف۔"
مجھے بابا کی یاد آرہی ہے۔ میں پاکستان
آئی تھی، روشنی کی تلاش میں۔ لیکن
مجھے ڈر ہے، میں مزید تاریکی میں نہ
چلی جاؤں۔" وہ سامنے دیکھتی، بےرونق
آنکھوں سے بول رہی تھی۔
وہ خاموشی سے اسے سنے گیا۔

کچھ لمحے بعد ماہین نظریں اٹھائے آسمان دیکھنے لگی۔ اس وقت آسمان چاند اور ستاروں سے مزین تھا۔

"دیکھو مہروز، آج آسمان صاف ہے۔ آج ستارے چمک رہے ہیں۔ میں کل سمجھ رہی تھی یہ ختم ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ تو بس کچھ دیر کو غائب ہوئے تھے۔"

مہروز ماہین کو دیکھنے لگا۔ چند لمحے کا توقف ہوا، پھر وہ بولا۔

"ستارے آسمان پر پہلے کی طرح نظر نہیں آتے۔ شہر کی بےجا روشنیوں نے انہیں مدھم کر دیا ہے۔ لیکن یہاں چاند کے علاوہ کوئی روشنی نہیں ہے۔ اس لیے یہ پوری چمک سے دمک رہے ہیں۔"

"تم مجھ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے تھے نا؟ کیا مطلب تھا اس سوال کا؟"

مہروز نے نظریں اٹھا کر چاند کو دیکھا۔

"تمہیں چاند پسند ہے؟"

ہاں۔ چاند کسے نہیں پسند ہوگا؟"
ہماری تاریک راہوں کا مسافر یہی چاند ہی تو ہوتا ہے۔" فضا میں نرمی گھل رہی تھی۔ دونوں کے دلوں پر بوجھ قدرے ہٹ رہا تھا۔

"ماہین، چاند میں صرف ایک خاصیت ہے، کہ اس کے ساتھ روشنی جڑی ہے۔ روشنی کے بغیر چاند کا کوئی وجود نہیں۔"

ماہین مہروز کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ اسے چند لمحے لگے تھے بات سمجھنے میں۔

تمہارے نام کا مطلب چاند ہے؟" ماہین" جیسے اپنے خدشے کی یقین دہانی چاہتی تھی۔

ہاں" لفظی جواب آیا۔ البتہ مہروز کا" دل بے ترتیب تھا۔

ماہین خاموش ہوگئی۔ کچھ دیر گزری، مہروز کو اس کی خاموشی کھانے لگی تھی۔

"تم جواب نہیں دوگی؟" وہ بےچین آواز سے بولا۔

"میں نہیں جانتی کیا جواب دوں۔"

اس نے سوچا بھی نہیں تھا، اس طرح اس جگہ وہ یہ سب سنے گی۔

"میں نہیں جانتا اس وقت تم سے کیا بات کروں۔ میں بس چاہتا ہوں تم خوش رہو" وہ فکری سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اسے کوئی بے چینی تھی، لیکن سمجھ سے باہر تھا مسئلہ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟

ماہین پھر کچھ لمحے خاموش رہی۔ جیسے الفاظ تلاش رہی ہو۔

"میں تھک گئی ہوں۔ میں واقعی تھک گئی ہوں۔ میرا وجود مجھے بھاری پڑتا

محسوس ہو رہا ہے۔ مجھے صحیح الفاظ نہیں مل رہے، میں بس اتنا چاہتی ہوں ۔ "تم میرے ساتھ رہو۔ مجھے تنہا مت کرو۔" وہ آسمان کو دیکھتے سادگی سے بولی تھی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

"برے وقتوں میں بھی؟"

"خاص طور پر برے وقتوں میں۔"

ایک سکون تھا، جو ماہین کے گرد پھیل گیا۔ اس نے مہروز پر اچانک بھروسہ کرنا شروع نہیں کیا تھا۔ اس نے خاور کے بعد اگر کسی کے ساتھ ہوتے تحفظ محسوس کیا تھا تو وہ مہروز تھا۔ عجیب سحر تھا اس کی شخصیت میں، وہ پاس ہوتا تو وہ خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔ وہ ایسا مرد تھا جو بغیر سوچے سمجھے اپنی عورتوں کے

سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا تھا، انہیں
اپنے ہونے کا احساس دلاتا تھا۔ جو اپنی
مردوں والی اکڑ، اپنی عورتوں کے سامنے
نہیں ظاہر کرتے تھے۔ ایسے مرد کا حق
ہے، کہ ان پر یقین کیا جانا چاہیے۔
چند لمحے خاموشی نے لیے تھے، جب انہیں
کسی کے قریب پڑتے قدم محسوس ہوئے۔
وہ محراب تھی، جو ہاتھ میں ایک چادر
پکڑے بھاگتی ہوئی ماہین کی جانب بڑھ
رہی تھی۔ برحان دور تھا، وہ جیب میں
ہاتھ ڈالے چھوٹے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا
تھا، وہ چاہتا تھا ماہین کو چادر کروا دی
جائے۔ پھر وہ وہاں پہنچے۔
محراب بھاگتی ہوئی ماہین کے گلے لگ
گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوں
تھے لیکن چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
ماہین مسکراتے ہوئے اسے تھپک رہی
تھی۔ "ٹھیک ہے، اب مجھے چادر اوڑھنے

دو۔" کچھ دیر بعد محراب اس سے الگ ہوئی۔ اس نے ایک نظر مہروز پر ڈالی۔ سر کے خم سے اس کا شکریہ ادا کیا جیسے۔
ماہین اس کے ہاتھوں سے چادر لیے اپنے سر کے گرد حجاب کی صورت میں لپیٹ رہی تھی۔
"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" محراب ہنستے ہوئے بولنے لگی۔ مہروز برحان کو دیکھنے پیچھے کی جانب مڑا، لیکن سامنے ارسل ہاتھ میں پستول پکڑے کھڑا تھا۔ مہروز بے اختیار ماہین اور محراب کے سامنے ہوا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سامنے پھیلا لیے۔
جب ماہین اور محراب اس دیکھتے مڑی۔ ان کا وجود ساکت پڑنے لگا۔
"میں نے کہا تھا تمہیں مہروز تم میرے ہاتھوں مرو گے۔"

ارسل غضب میں بولا تھا۔

"شاید تم میرے الفاظ بھول چکے ہو
ارسل۔ حیرت تو یہ ہے، تم میں ابھی تک
اتنی ہمت ہے کہ سامنے کھڑے ہو۔
تمہاری جگہ کوئی تھوڑی سی بھی غیرت
والا ہوتا تو اب تک شرم سے ڈوب کے مر
گیا ہوتا۔"

مہروز گردن اونچی کیے بول رہا تھا۔
مہروز نے ارسل کے پیچھے بے آواز قدم
اٹھاتے برحان کو دیکھا۔ وہ ارسل کو
دبوچنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔

"تمہاری غیرت اور جان، آج میں دونوں
نکالوں گا۔"

"تمہیں تو میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ
آج میں تمہاری غیرت نکالوں گا۔ تمہارے
اس بےکار وجود میں دینے کو صرف ایک
جان ہی ہے۔ اور کسی چیز سے تمہارا
کوئی وسطہ نہیں ہے۔ شوزب زید۔"

برحان قدم قدم بڑھتا، آگے آیا اور ارسل کی پستول کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیا۔

برحان کے قریب آتے ہوئے کسی کھنک سے ارسل فوراً مڑ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے پستول کا رخ برحان کی جانب ہوگیا۔

برحان نے پوری قوت سے پستول کا رخ الٹی جانب کرنا چاہا۔ لیکن ارسل بار بار پستول کا رخ مہروز کی جانب کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جیسے اسے صرف مہروز کو قتل کرنے میں دلچسپی تھی۔

"بچے! یہ رخ میرے ہوتے مہروز کی جانب نہیں ہو سکتا۔" برحان مسکراہٹ سجائے ارسل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا بولا تھا۔

مہروز تیز رفتار سے آگے بڑھا، وہ تیز ہوا کی مانند آگے بڑھتے وہ رخ اپنی جانب کر دینا چاہتا تھا۔

"برحان پاگل مت بنو۔ پیچھے ہٹو۔" وہ
شدید غصے سے بولتا آگے بڑھا تھا۔
ماہین بھی آگے بڑھ رہی تھی، "ارسل رک
جاؤ۔ مت چلانا" وہ چیختے ہوئے
بولی تھی۔
جب ایک گولی کی آواز نے ماہین کے قدم
اپنی جگہ پر منجمد کر دیے۔ وہ منہ پر
ہاتھ رکھے چیخی تھی۔ پوری شدت سے۔
مہروز آگے بڑھتا، ارسل کا ہاتھ اوپر کی
جانب اٹھا چکا تھا، اس نے پوری شدت سے
ارسل کے منہ پر مکا مارا تھا۔ وہ لڑھکتا
ہوا پیچھے کو جا گرا۔
پستول مہروز کے ہاتھ میں آ گیا، لیکن
اس کی نظریں برحان پر تھی۔ جو بے
ساختہ نیچے کو گر رہا تھا۔ گولی اس کے
سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔
مہروز نے ہاتھ میں موجود پستول سے
فائرنگ شروع کی۔ اس نے پستول میں

موجود ساری گولیاں ارسل کے وجود میں اتار دی تھی۔
اب پستول جھٹکے سے پھینکے، وہ برحان کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر تھپڑ مار رہا تھا، کسی طرح سے اسے ہوش میں رکھنا چاہتا تھا۔
ماہین بھاگتی ہوئی برحان کی دوسری جانب بیٹھ گئی، جبکہ محراب اپنی جگہ پر سکتے طاری کیے کھڑی رہی۔
اس کا دل چاہا وہ ارسل کو زندہ کر کے ایک بار پھر اس کا وجود گولیوں سے چھلنی کر دے۔ وہ دوڑتی ہوئی برحان کی طرف لپکی۔ ان سب کی زبان پر ایک ہی الفاظ تھے۔ "برحان سونا نہیں ۔۔۔ ہوش میں رہو۔"
ماہین چیختے ہوئے محراب کو کہہ رہی تھی، "ایمبولینس کو بلاؤ، جلدی کرو۔"

محراب لڑھکراتے ہاتھوں ساتھ کال ملانے لگی۔

فدا حسین اور ساتھ کچھ پولیس اہلکار وہاں پہنچ چکے تھے۔ لیکن وہاں کا منظر دیکھ کر سب دہل گئے۔

وہ سب برحان کو جگانے میں لگے تھے۔

برحان نے ایک نظر مہروز پر ڈالی۔ اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا، جسے مہروز اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہا تھا۔

"میں معاف نہیں کروں گا تمہیں یاد رکھنا۔" مہروز ہانپتی آواز کے ساتھ بولا تھا۔

برحان اب ایک نظر ماہین پر ڈالے مسکرایا تھا۔ ماہین نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھی۔

برحان اب محراب کی تر آنکھوں میں دیکھتے پوری جان لگائے ایک ایک لفظ بمشکل ادا کرتے بولا،

"ملکہ، بدلنا مت۔" اس کے بعد ایک ہچکی کے ساتھ اس کی روح قبض کر لی گئی۔

اس کا دنیا میں وقت تمام ہوا تھا۔

اس کی کہانی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی تھی۔

اس کا دنیا سے رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔

مہروز اس کے شرٹ پر اپنی گرفت مضبوط کیے، اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے تھا۔

وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی میں بول رہا تھا، "ایسا مت کرو۔ تم میرے واحد پارٹنر ہو۔ میں اکیلا پڑ جاؤں گا۔ مجھے عادت نہیں تمہارے بغیر اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کی۔"

وہ بول رہا تھا، لیکن آج اسے آگے سے
کوئی جواب نہیں ملا تھا۔
ارے نا بھائی، میں صرف ایک شخص کے)
لیے گولی کھا بھی سکتا ہوں، اور مار بھی
سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے ایسے
(کھیل کھیلنے کا کوئی شوق نہیں۔
اور آج ایک نے دوسرے کے لیے گولی کھا لی
تھی، اور ایک نے دوسرے کے لیے گولی چلا
دی تھی۔
ماہین اب کے فدا حسین کو دیکھتے، اٹھ
کر ان سے لپٹ گئی تھی۔
فدا حسین کی آنکھ سے ٹوٹ کر آنسو بہا
تھا۔ "سہی کہتے ہیں لوگ۔ بیٹیاں ماں
باپ کی کمزوری ہوتی ہیں۔ مجھے معاف
کر دو بیٹا۔"
محراب وہاں بیٹھے، برحان کے بےجان
وجود کو دیکھے گئی۔

(میں انویسٹیگیٹر ہوں، مجھے سب معلوم ہوتا ہے لڑکی۔)

محراب نے نظر اٹھا کر مہروز کو دیکھا، جو برحان کے خون سے لت پت سینے پر سر رکھے آنسو بہا رہا تھا۔ اس نے اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔ وہ چلا گیا تھا؟ برحان چلا گیا تھا؟ وہ مہروز کو کیسے چھوڑ کے جا سکتا تھا؟

(میں ناکام نہیں ہوتا اپنے کام میں۔ میں ڈھونڈ لوں گا اسے۔)

اس نے یہ نہیں بتایا تھا، وہ خود چلا جائے گا۔ محراب اپنی روانگی میں بول رہی تھی۔

(ہمت رکھو ملکہ، مجھے یقین ہے وہ مل جائے گی۔)

ماہین فدا حسین سے الگ ہوئی۔ وہ دونوں مہروز کی جانب قدم بڑھانے لگے۔

اسے ابھی تک یقین نہیں تھا۔ "برحان مہروز کو چھوڑ گیا؟ لیکن وہ مہروز کو کیسے چھوڑ سکتا تھا؟"

(ہم چن چن کر مارے گیں انہیں، جس نے بھی تکلیف دی ماہین کو)

وہاں سناٹا چھا گیا تھا۔ فدا حسین نے اپنے بیٹے کے کندھے پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھے تھے۔ "دنیا فانی ہے۔" انہوں نے محض اتنا کہا تھا۔

(مجھے تم سب کو غم میں دیکھ کر تکلیف ہوگی۔)

محراب نے بےاختیار اپنے ہاتھوں سے برحان کا بازو جکڑ لیا۔ "تو کیا میں ہر موت ایسی ہی دیکھوں گی؟" اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

(مہروز نے رات کہا تھا، کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈنے کے لیے انا للہ واناالیہ پڑھنا چاہیے۔۔ کیا یہ سچ ہے؟)

محراب پوچھنا چاہتی تھی۔ کیا اب یہ
تسبیح کرنے سے برحان مل جائے گا؟
اس کی آنکھیں اب خالی تھیں۔ سب اٹھ
رہے تھے۔
وہاں ایمبولینس کا سائرن گونج رہا تھا۔
ملکہ، کوئی تعداد مقرر نہیں؟ کتنی بار)
(پڑھوں؟
برحان کو ایمبولینس کے اندر ڈالا جا رہا
تھا، اس کے ساتھ مہروز، محراب اور
ماہین بیٹھے تھے۔ وہ تینوں، برحان پر
نظریں ٹکائے خاموشی سے بیٹھے تھے۔ فدا
حسین اور پولیس اہلکار، ان کے پیچھے
تھے۔ ارسل عرف شوزب زید کی لاش کے
ساتھ کیا بنا؟ تینوں میں سے کسی کو
دلچسپی نہیں تھی۔
معاف کرو ملکہ، میرے ساتھ کوئی عورت)
(نہ بیٹھی ہوتی تو تم میری سپیڈ دیکھتی۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

ایمبولینس مہروز کے گھر کے باہر رکی تھی۔ فدا حسین گھر کا بڑا گیٹ کھول رہے تھے، جب خدیجہ اندر سے بھاگتی ہوئی آئی۔ دروازے پر ماہین کھڑی تھی وہ مسکراتے ہوئے، پوری شدت سے اس سے آ لگی۔ ماہین کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی، اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ خدیجہ اس سے الگ ہوئی، اس کی نظر داخلی دروازے سے اندر آتے سٹریچر پر پڑی۔ جس پر سفید کپڑے میں برحان لپٹا تھا۔ ماہین خدیجہ کو دیکھ رہی تھی، خدیجہ بے یقینی سے ماہین کو دیکھنے لگی۔

(تم ننھی بچی ہو؟ آؤ میں پہلے تمہیں گھر چھوڑ کر آؤں، رات کو باہر جن پکڑ لیتے ہیں بچوں کو۔)

پیچھے سے محراب اندر آئی۔ اس کی نظریں برحان پر جمی تھیں۔

مہروز نے تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔
"برحان کا جنازہ اسی گھر سے اٹھے گا، اس کے بھائیوں کو اطلاع دے دو۔"
جواباً سب خاموش تھے۔

*******

مہروز لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی جانب گیا، دل میں ٹیس تھا جو اٹھ رہا تھا۔ اس کا سانس لینا محال ہوگیا تھا۔
آج اس کا ساتھی بچھڑ گیا تھا۔
کوئی یہ کیوں نہیں بتاتا ہمیں، جب اپنا سب سے قریبی تعلق ٹوٹ جائے، ساتھی بچھڑ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
دروازا بند کیے ایک بار پھر وہ کھالی زمین پر سر کے بل گر گیا۔ جس طرح سجدہ کیا جاتا ہے۔
"میرے ساتھی کی مغفرت فرمانا۔ اسے اگلے جہان میں اس جہان سے زیادہ

خوش رکھنا۔" یہ کہتا وہ آنسو صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

اب وہ واشروم کے آئینے کے سامنے کھڑا منہ دھو رہا تھا۔

(مہروز کے دماغ میں وہ پل گردش کر رہا تھا، جب برحان نے سالوں پہلے اسے کہا تھا۔ "میں مر جاؤں، تو جنازہ اپنے گھر سے اٹھوانا۔ میرے گھر والے میری لاش کی بھی بےادبی کریں گے۔")

مہروز الماری کے سامنے کھڑا اپنا سفید کرتا شلوار نکال رہا تھا۔

اپنی آستینیں چڑھائے، مہروز نے خود کو ایک نظر آئینے میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر ٹوٹی بکھری لہر تھی۔ اس کا دل زخمی تھا۔ لیکن یہ اللہ کا فیصلہ تھا۔ ان سب کو تسلیم کرنا تھا۔

خدیجہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی سی کھڑی برحان کو دیکھ رہی تھی۔ اسے نا اپنی

آنکھوں پر اعتبار تھا، نہ دماغ پر۔ بس اس کا دل بول رہا تھا، 'یہ برحان نہیں ہو سکتا۔' اور اسے صرف اپنے دل پر یقین تھا۔

ماہین اسے دیکھے جا رہی تھی، اس کی سمجھ سے باہر تھا وہ کیا کرے۔ اس کے جسم میں انگارے پھوٹ رہے تھے، لیکن وہ بت بنی کھڑی رہی۔

محراب کچھ فاصلے پر خاموشی سے اپنی جگہ کھڑے برحان کو دیکھتی رہی، پتہ نہیں کیوں، اس کے سامنے بار بار خاور کا مردہ چہرہ آرہا تھا۔ اس نے ان دونوں کو ایک ہی طرح سے دنیا سے جاتے دیکھا تھا۔

میں دوبارا کبھی نارمل ہو سکوں گی؟""

وہ خود سے سوچتی۔

اتنے میں اندر سے آنکھیں مسلتا شاہ زیب باہر صحن میں آیا۔ وہ شور سن کر نیند

سے بیدار ہوا تھا، اس کے پیچھے شارفہ بھی تھی۔

شاہ زیب نے سب سے پہلے جسے دیکھا وہ ماہین تھی، جو سامنے کھڑی اسے آتا دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے چادر کا ایک حصہ پکڑے منہ ڈھک رکھا تھا، اور دوسرا ہاتھ خدیجہ کے بازو پر تھا۔

وہ اسی طرح کھڑے اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی، شاہ زیب کو محسوس ہوا اس کی ٹانگوں سے جان نکل چکی ہے۔ وہ اندرونی دروازے کے نیچے موجود دوسرے زینے پر تھا، جب وہاں سے لڑھکراتا صحن کی طرف نیچے کو گرا، شارفہ بھاگتی ہوئی اسے اٹھانے لگی۔

شاہ زیب کی نظریں ماہین پر جمی تھی، وہ شارفہ کے سہارے کھڑا ہوا۔

اب وہ برحان کے بےجان وجود کو دیکھ رہا تھا، جسے سٹریچر سے چارپائی پر منتقل کر دیا گیا تھا۔

اس کا دماغ جیسے کام کرنا بند کر گیا تھا، "یہ سب کیسے ہوا؟" وہ بمشکل دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

ماہین نے ایک نظر شاہ زیب سے ہٹا کر واپس برحان کی جانب دیکھا، اس کی میت پر نظر ڈالتے وہ واپس شاہ زیب کو دیکھنے لگی۔ وہ ضبط سے، برحان کے بےجان وجود کا لحاظ کیے وہاں کھڑی تھی۔ اسے محض عزت سے برحان کا جنازہ اٹھ جانے کا انتظار تھا۔

مہروز کمرے سے نکلتا باہر صحن میں آیا، برحان کے بھائی پہنچ چکے تھے۔ ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں۔

وہ سب خالی آنکھوں سے ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے جیسے انجان ہو،
""برحان جا چکا تھا؟
وہ سب خاموشی سے ہاتھ باندھے، کھڑے رہے۔
ماہین اپنی ماں اور شہناز سے مل چکی تھی، ان دونوں کو تسلی دینا ایک مشکل امر تھا، لیکن اب ہاجرہ کو تسلی تھی۔ البتہ شہناز کے دل کو برحان کی وجہ سے گہری چوٹ پہنچی تھی۔ وہ اسے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتی تھی۔
شہناز اس کا ماتھا چومتی، آنسو بہاتی رہی۔ جبکہ خدیجہ اپنے کمرے میں واپس چلی گئی، اس کا چہرہ سپاٹ اور دماغ ماؤف تھا۔
چند لمحوں کا کھیل تھا، اور برحان سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس کا جنازہ اٹھاتے وقت

مہروز اس کے دائیں کندھے کی جانب تھا۔ آج اسے محسوس ہو رہا تھا، کہ دوست کا وجود کتنا بھاری ہوتا ہے۔

وہ خاموش نظروں سے چلتا رہا۔

برحان کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارتے، اس کا دل ایک بار پھر بے ترتیب ہوگیا۔

"مرد ذات پر سب سے بڑی زمہ داری یہی ہے، اس کے کندھوں پر سب سے بڑا بوجھ یہی ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے پیارے کو، اپنے عزیز کو اپنے ہاتھوں سے سپردِ خاک کرنا ہوتا ہے۔ چاہے پھر وہ اس کی ماں ہو، باپ ہو، یا کوئی اور جان سے پیارا شخص۔"

سب وہاں سے واپس مڑنے لگے، سوائے مہروز کے۔ وہ وہی کھڑا رہا، خالی آنکھوں سے کتنے لمحے اس قبر پر پڑی تازہ مٹی دیکھے گیا۔

"تو کیا وہ سچ میں چلا گیا ہے؟"

روشنی ہر طرف چھا چکی تھی، لیکن
مہروز کے چہرے پر تاریکی تھی، ایک
گہری تاریکی۔
محراب اپنے کمرے میں چلی گئی، وہ کچھ
دیر اکیلا رہنا چاہتی تھی۔ باقی سب اندر
حال میں خاموش بیٹھے تھے۔ شاہ زیب
کسی صورت اب ماہین سے نظریں نہیں
ملا رہا تھا۔
ماہین وہاں سے اٹھی، "میں اوپر جا رہی
ہوں۔" کہتی خدیجہ کو دیکھنے چلی
گئی۔
وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اندر اندھیرا
تھا۔ اس نے لائٹ چلائی۔ "خدیجہ؟"
خدیجہ بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس
کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا،
جیسے اسے ماہین کی آمد کا پتا ہی نہ
چلا ہو۔

ماہین آہستہ سے جا کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ کتنی دیر اسے دیکھتی رہی، ناجانے وہ کیا سوچ رہی تھی۔

ماہین دھیرے سے آگے ہوئی، اس کا ہاتھ تھامے اسکا سر اپنے سینے ساتھ لگائے بیٹھی۔

بس یہ وقت تھا۔ اور خدیجہ کو سارے منظر نامے پر یقین آگیا۔

وہ لمحہ جیسے حقیقت کا پل تھا۔

اُس کا دل اب یقین کر چکا تھا—وہ چلا گیا تھا، ہمیشہ کے لیے۔ اور اس یقین نے اُسے اتنا توڑا کہ وہ رو رو کر خاموش ہونا بھول گئی۔

اس کے ہونٹ کانپے، اور آنسو تیز بہنے لگے، اس کا سارا صبر ٹوٹ گیا تھا۔ اسے حقیقت پر یقین کرنا تھا، اور حقیقت کڑوی تھی، بہت کڑوی۔

ہر سسکی جیسے اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کا شور تھی، جو اب کبھی خاموش نہیں ہو سکتی تھی۔

ماہین کتنی دیر اسی حالت میں اسے اپنے ساتھ لگائے تھپکتی رہی۔ وہ اسے خاموش ہونے کا نہیں کہہ رہی تھی۔

خدیجہ چند لمحے بعد سسکیوں کے درمیان بولی،

"میں تو کب کی آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی ماہین۔ اُس کو اپنے دل سے نکالنے کی جنگ لڑ رہی تھی۔" آنسو بے قابو تھے، جو اس کی گالوں پر بہتے رہے۔ اس کا درد جو اب تک خاموش تھا، اب الفاظ میں ڈھل رہا تھا۔

"پھر بھی... کہیں نہ کہیں وہ میرے دل کے کسی گوشے میں تھا، چھپا

ہوا... جیسے کوئی پرانا زخم جو کبھی
پوری طرح نہیں بھرتا۔ بھر ہی نہیں
سکتا۔"
اُس کی آواز لرز رہی تھی، جیسے ہر
لفظ اُس کے دل کا بوجھ ہلکا کر رہا ہو۔
"کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں اچانک
سب ختم ہو جائے گا... وہ چلا جائے گا،
ہمیشہ کے لیے، ماہین، کاش وہ نہ جاتا۔
وہ مجھے نہ ملتا لیکن وہ اس طرح سے
دور نہ ہوتا۔"
وہ آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گئی،
جیسے الفاظ بھی اُس کے درد کے لیے
ناکافی تھے۔
"کتنا ظالم نکلا وہ۔ میرے زخم کو مزید
گہرا کر گیا۔ کیا اب میں کبھی اسے بھلا
سکوں گی؟"
ماہین خاموشی سے اسے سنتی رہی۔ اور
اسی طرح سے تھپکتی رہی۔

آج وہ اس کے ہر لفظ سے اتفاق کر رہی تھی۔ خدیجہ اب اسے کبھی زندگی سے نہیں نکال سکتی تھی۔ زندہ لوگوں کو دل سے نکالا جا سکتا تھا، مگر جو مر جائے؟ وہ ساری زندگی دل کا حصہ بن کر کہیں دور اندر چھپے رہتے ہیں۔

*******

محراب اپنے کمرے میں بیڈ سے ٹیک لگائے، ہاتھوں کو گھٹنوں کے گرد باندھے بیٹھی تھی۔

اس کے ذہن میں ایک فقرہ گردش کر رہا تھا، "ملکہ بدلنا مت۔"

چند گھنٹوں بعد مہروز گھر واپس آیا تھا۔ رمشہ کی آمد ہو چکی تھی۔ وہ اسداللہ کے بغیر آئی تھی۔

حال میں مہروز کو داخل ہوتا دیکھ، وہ اٹھ کر اس کی طرف گئی۔ رمشہ نے نیلے رنگ کا کار مدار جوڑا پہن رکھا تھا۔ اس

کے بال کھلے تھے، ہیل پہنے ٹک ٹک کرتی
وہ اس سے آ لگی۔
مہروز کی آنکھیں مکمل خشک تھیں۔
چہرے پر کسی جزبات کے آثار نہیں تھے۔
وہ رمشہ سے الگ ہوتا آگے آیا۔ حال میں
سب بیٹھے تھے۔ ہر کوئی وہاں موجود
تھا۔ مہروز نے ایک کھالی نظر سب پر
ڈالی، اور سر کو خم دیتا اپنے کمرے کی
جانب چل دیا۔
اندر آتے ساتھ، اس کے ڈریسنگ ٹیبل پر)
ایک کالے رنگ کی شرٹ پینٹ چکور
(صورت میں تہہ میں لپٹی پڑی تھی۔
سب کی موجودگی میں حال میں بیٹھے،
ماہین نے بات کا آغاز کیا تھا۔ سوائے
حوریہ کے وہاں ہر کوئی موجود تھا۔
ہاجرہ، محراب، خدیجہ، فدا حسین،
رمشہ، شاہ زیب اور شارفہ۔ وہ سب

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

خاموشی سے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ برحان کا آخری سوٹ تھا، جس میں) اسے گولی لگی تھی۔ اس پر خون کے نشانات اب خشک پڑ گئے تھے۔ مہروز (اسے اٹھاتا، اپنی الماری میں رکھنے لگا۔ ماہین کے ہاتھوں میں اس کے باپ خاور کا موبائل تھا۔ جس پر وہ کچھ نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "آپ سب کو لگ رہا ہوگا یہ سب ارسل نے کیا تھا، مگر نہیں۔ ارسل ساتھ شامل تھا، لیکن یہ سارا پلان کسی اور کا تھا۔" شاہ زیب کو اپنا گلہ خشک ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ مہروز کی نظر برحان کی پینٹ کی جیب) سے جھلکتے ایک کاغذ پر پڑی۔ وہ کاغذ جس پر رات اس نے ماسٹر مائنڈ کا نمبر درج کیا تھا۔ صبح وہ اسے اپنی پینٹ کی

جیب میں ڈالے، مہروز کی طرف آیا تھا۔
(اس کے حوالے کرنے۔
محراب کو ایک بار پھر برحان کے الفاظ یاد
آئے تھے۔ اس نے بتایا تھا، کہ ماہین جانتی
تھی اس قاتل کو۔ وہاں موجود ہر کوئی
ماہین کو بغور دیکھ رہا
تھا، سب کے کان کھڑے تھے۔
"محراب بتاؤ، بابا جب یہاں آرہے تھے، اس
سے پہلے انہیں کیا پتہ لگا تھا؟" ماہین
محراب کی جانب گھوم کر پوچھ رہی
تھی۔ سب کی نظریں اب محراب پر جمی
تھیں۔
(مہروز نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ اس پر
پاکستانی نمبر درج تھا، جس کے پچھلے
(حصے پر لکھا تھا۔ "ماسٹر مائنڈ"
"یوشاکا نے بابا کو بتایا تھا، کہ ایک شخص
جس کی چھ انگلیاں ہیں وہ ارسل سے
ملنے آیا تھا۔ یہ سننے کے بعد بابا بہت

غصے میں تھے، اور کہا تھا فدا حسین سے
ملنا ہے مجھے" اس نے ساری بات فدا
حسین کو دیکھتے ہوئے کہی۔
لیکن اس کی بات سن کر، سب کی
نظریں اپنے آپ شاہ زیب کی جانب مڑ
گئی تھی۔
مہروز نے نمبر کے ہر ہندسے کو پڑھا۔)
ایک ایک کر کے اسکی تیوری چڑھنے لگی،
اسے یقین نہیں تھا۔ یا شاید وہ یقین کرنا
نہیں چاہتا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنا
(موبائل نکالا۔
شاہ زیب ان سب کی نظروں کا رخ خود
پر پاتے، اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ان
کے سامنے کرتا، اپنا لہجہ ہموار بناتے
بولا۔ "یہ پانچ پانچ ہیں۔ میں عرصے پہلے
آپریشن کروا چکا ہوں۔ محراب، ماہین؟
"تم دونوں کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

ماہین اسے دیکھتے طمانیت سے مسکرائی، اس کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے جانی جا سکتی تھی۔ جبکہ محراب کا وجود سکتے میں تھا، جیسے اسے ہر بات کی کڑی جڑتی ہوئی مل گئی۔ "آپریشن؟ پانچ انگلیاں؟" جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

جواباً کچھ لمحے کے وقفے ساتھ ماہین بولی تھی، "یہی وجہ تھی، کہ میں اب تک خاموش تھی۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا جو تمہیں مجرم ثابت کرتا۔ اور مجھے میرے باپ نے سکھایا تھا، ثبوت کے بغیر کسی پر الزام لگانا بہت جلد بے معنی ہو جاتا ہے۔"

شاہ زیب کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی، اس کے کان میں سائیں سائیں ہونے لگا۔ خدیجہ، فدا حسین اور شہناز بے یقینی سے سارا منظر نامہ دیکھ رہے تھے۔

ہاجرہ بھی خاموش، ٹکر ٹکر بیٹھی اپنی
بیٹیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اندر سے اس
کے جزبات بھڑک رہے تھے، جبکہ رمشہ
اور شارفہ کو ماہین اور محراب کے کسی
لفظ پر اعتبار نہیں تھا۔

رمشہ تلملاتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی
ہوئی، "اپنی بکواس بند کرو تم دونوں
بہنیں۔ کس حق سے تم لوگ میرے بھائی
پر بول رہے ہو؟ بہت پاک صاف بنی
پھرتی ہو تم ماہین۔ تمہیں لگتا ہے سب
تمہاری اس بکواس پر
اعتبار کر لیں گے؟" غصے سے رمشہ کے
گال سرخ ہو چکے تھے۔

اس کے جواب میں ہاجرہ غضب سے
بولی تھی، "ایک منٹ۔ بات پوری ہونے دو
"ان کی۔ بات کا رخ مت پھیرو بی بی۔
ماحول میں عجیب تنازع پھیل گیا تھا۔

مہروز کمرے میں بےیقین کھڑا تھا۔ وہ)
نمبر شاہ زیب کا تھا۔ اس کا وہ خدشہ
حقیقت بن چکا تھا۔ خاور کا قتل، ماہین
کا اغوا ہونا، اور برحان کا قتل۔ اس سب
(کا زمہ دار اس کا سگا بھائی تھا۔

"میں بات نہیں پھیر رہی چچی۔ آپ اپنی
بیٹی کی تربیت نہیں کر سکی۔ اپنا گھر تو
بسا نہیں سکی تھی، اب چاہتی ہے
دوسروں کے گھر بھی اجڑیں۔" اب کی بار
جواب شارفہ کی جانب سے تھا۔

ہاجرہ جواباً کچھ کہنے لگی تھی جب
ماہین نے ٹوک دیا، "ایک منٹ امی۔ مجھے
جواب دینے دیں۔

"بھابھی، میرے پاس ثبوت ہے۔ میں نے کہا
نا، بغیر ثبوت میں بات نہیں کرتی۔
خاموشی سے وہ سن لیں آپ لوگ، پھر
میں جواب دوں گی میں نے گھر کیوں
نہیں بسایا۔"

یہ کہتے ساتھ اس نے ایک ریکارڈنگ چلا دی۔ وہ ایک رات پہلے کی شاہ زیب اور اس کے درمیان ہوئی بات تھی۔ جو اس نے اپنی تسبیح رکارڈرکے زریعے رکارڈ کی تھی۔

آواز صاف تھی، اتنی صاف کہ کسی کے پاس اسے جھوٹ کہنے کی وجہ نہیں تھی۔

اسے سنتے ہوئے محراب نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی تھی، جبکہ باقی سب نظریں شاہ زیب پر جمائے اسے بےیقینی سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ سب کس لیے کیا؟" یہ پہلا سوال تھا جو فدا حسین نے شاہ زیب کو دیکھتے کانپتی آواز سے کیا تھا۔

ان کی آنکھوں میں شدید تپش تھی۔ "تو کیا یہ سب پیسے کی حوس میں کر ڈالا میری اولاد نے؟" وہ خود سے کہتے۔

"بابا جھوٹ ہے یہ، یہ جھوٹی ہے۔ جعلی آواز ہے۔" وہ پوری ڈھٹائی سے بول رہا تھا۔ اس کے لیے یہ صدمہ شدید تھا، کہ اس کے گھر والے اس کو مجرم کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ششد تھا۔

"تم نے میرے باپ کا قتل ان کے بزنس کے لیے کیا، خود کو بچانے کے لیے، مجھے اغوا کروایا، اور اس سب میں برحان بےوجہ قتل ہوا۔ ارسل کے ساتھ تم بھی مجرم تھے شاہ زیب۔ تم نے کتنے بے قصوروں کی زندگی تباہ کر دی۔

اور بھابھی شارفہ، میں نے اپنا گھر توڑا نہیں تھا، میں نے خود کو اس جہنم بھری زندگی سے بچایا تھا۔ تا کہ میں کھل کے سانس لے سکتی۔ اور میں آپ کا گھر نہیں اجاڑ رہی، کوئی کسی کا گھر نہیں اجاڑ سکتا۔ میں آپ کی زندگیوں میں نہیں گھسی، آپ لوگ میری زندگی میں

گھسے اور اسے اجاڑ کر دکھ دیا۔" وہ گلے پھاڑے بول رہی تھی، اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ مہروز جو بےیقین سا کمرے میں کھڑا تھا، دروازا کھولے باہر آیا۔
شاہ زیب، ماہین کو نظر انداز کیے، اپنے باپ کی بےیقین آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی گردن پر ڈوب کر گلٹی ابھری تھی۔ اس نے یہ سب کبھی نہیں سوچا تھا۔

اب کی بار خدیجہ بھیگی آنکھیں لیے صدمے کی سی کیفیت میں بولی تھی، "آپ نے ہم سب کو اتنی ازیت دی؟ وہ آپ تھے جو یہ سب کرتے رہے؟ ماہین کی زندگی آپ نے بےرونق بنائی؟ آپ کی دو بہنیں تھی بھائی۔ آپ کو ایک بار بھی ہمارا خیال نہیں آیا؟ آپ کو ایک بار بھی حوریہ کو دیکھتے اپنے کرتوتوں کا خیال نہیں آیا؟"

"بس کر دو تم سب۔ بس کر دو۔ یہ
جھوٹ ہے سب۔ میری بات سمجھ
کیوں نہیں آرہی تم لوگوں کو؟" وہ
چیختے ہوئے بولا تھا۔

"تم سب کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ وہ
کہہ تو رہا ہے یہ جھوٹ ہے، ماہین نے
جعلی آواز لگائی ہے۔ اس سے کچھ بھی
توقع کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا اس نے
خود اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ اغوا کا
ڈرامہ کیا ہو ساری رات باہر رہ کر آئی
ہے کمبخت۔ اور اب معصوم بنے میرے
بھائی پر بول رہی؟" رمشہ غصے سے
ماہین کی طرف دیکھتے ایک ایک لفظ چبا
چبا کے ادا کر رہی تھی۔

اور اس کے الفاظ تو ہمیشہ ماہین کے
کانوں میں کسی پگلے ہوئے سیسے کی
مانند پڑتے تھے۔

ماہین جواب دینے لگی تھی، جب مہروز کی گرجدار آواز نے سب کو ساکت کر دیا۔

"اگر ایک اور لفظ کوئی مزید ماہین کے کردار پر بولا تو میں تہس نہس کر دوں گا ہر چیز۔" وہ اسی طرح ماتھے پر ڈھیروں بل ڈالے، اپنی غصے سے سرخ آنکھیں لیے شاہ زیب کا گریبان دبوچے کھڑا ہو گیا۔

فدا حسین اور شہناز ایک جھٹکے سے اٹھے تھے، فدا حسین اپنی جگہ پر ساکت کھڑا تھا، جبکہ شہناز اپنے دونوں بیٹوں کو آمنے سامنے دیکھ، رونے لگیں۔ وہ انہیں چھڑوا رہی تھی۔

"اپنے باپ کا لحاظ کر لو دونوں۔ چھوڑ دو اسے مہروز۔"

مہروز نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ دیا۔ اور ہاتھ میں اٹھایا وہ نمبر اوپر ہوا میں لہرایا۔

Writer: Aleena Aqeel Ahmad

برحان کے کپڑوں سے مجھے یہ نمبر ملا"
ہے۔ یہ اس قاتل کا نمبر تھا، جو بے
غیرتوں کی طرح چھپ کر اپنے ہی خاندان
"میں وار کرتا رہا۔

سب اپنی اپنی جگہ منجمد کھڑے تھے۔

فدا حسین قدم چلتا آگے آیا۔ اس کی
آنکھوں میں سرخی تھی، یہ پہلی
بار تھا، جب شاہ زیب نے اپنے باپ کی
آنکھوں میں آنسو دیکھا تھا۔

شاہ زیب کے دل میں جیسے چھن سے
کچھ ٹوٹا تھا۔ "تو یعنی سب کو اعتبار آچکا
ہے؟" اس نے خود سے کہا۔

فدا حسین نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے
منہ پر دے مارا۔

اس بار شاہ زیب کا گریبان فدا حسین کے
ہاتھوں میں تھا، اور کسی کی جرت نہیں
تھی، کچھ بولتے۔

"کیا تمہیں ایک بار ترس نہیں آیا؟ کیا چاہیے تھا تمہیں؟ پیسہ؟ کیا تمہیں اپنے باپ کی عزت کا خیال نہیں آیا؟ میں نے آج تک حرام کا رپیہ نہیں کمایا اور تم نے مجھے کہاں لا کھڑا کر دیا ہے شاہ زیب؟"
شہناز اپنے بوڑھے ہاتھوں ساتھ، اپنے شوہر کی کلائی مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھی۔
"بابا۔ ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔" شاہ زیب بولا تھا۔
اس کی بات سن کر مہروز نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔
جبکہ ماہین قدم قدم چلتی آگے آئی، وہ فدا حسین کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔
"تمہاری سزا ابھی شروع ہوئی ہے شاہ زیب۔ خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے، اس لیے آپ کو اپنوں سے زخم بھی گاڑھے ملتے ہیں۔"

اس نے اپنا موبائل نکال کر شاہ زیب کے سامنے کیا، وہ ایک خبر نامہ تھا، جسے پڑھتے ہوئے شاہ زیب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

اس پر لکھا تھا،

دبئی کے معروف بزنس مین شاہ زیب فدا مافیا گروہوں کے ساتھ ملوث، پاکستان میں روپوش۔

دبئی کے کاروباری شخص، شاہ زیب فدا، مافیا گروہوں کے ساتھ روابط کے الزام میں پولیس کی نظروں سے چھپ کر پاکستان میں اپنے آبائی گھر میں روپوش ہو گیا ہے۔ ایک اندرونی ذرائع کی فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر دبئی پولیس نے اس کی گرفتاری کی تیاری شروع کر دی ہے۔

اطلاعات کے مطابق، شاہ زیب فدا مافیا ایجنسیوں کے ساتھ گہرے روابط رکھتا تھا

اور اُس کے کاروبار سے منسلک متعدد غیر قانونی سرگرمیوں کے شواہد دبئی پولیس کو مل چکے ہیں۔ دبئی پولیس نے اس کے دفتر اور رہائش گاہ پر چھاپے مارے، جہاں سے مافیا سے تعلق ثابت کرنے والا مواد برآمد ہوا۔ تاہم، شاہ زیب چھاپے سے قبل ہی پاکستان فرار ہو چکا تھا۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ دبئی پولیس، شاہ زیب کو گرفتار کرنے کے لیے پاکستان پولیس سے تعاون حاصل کر رہی ہے اور جلد ہی بین الاقوامی سطح پر کارروائی متوقع ہے۔

ماہین ایک گہری سانس لیے اپنا موبائل پیچھے کرنے لگی۔ وہ پڑھ چکا تھا۔

وہ شدید صدمے میں ماہین کو دیکھنے لگا۔

"یہ کیا کیا تم نے میرے ساتھ؟" وہ بے یقین سا بولا تھا۔

"میں نے کیا کیا؟ بس تمہارے کرتوتوں کی
خبر دبئی کی پولیس کو ایک میل کے ذریعے
لکھ کر بھیجی ہے۔ مجھے یقین نہیں تھا،
کہ تم مافیا کے گروہوں ساتھ تعلقات
رکھتے ہو۔ میں نے تو بس احتیاطاً پولیس
کو اطلاع دی۔ مجھے کیا پتہ تھا یہ سچ
ہوگا؟ افسوس ہے مجھے تم پر شاہ
زیب۔" وہ سر دائیں بائیں ہلاتے بولی
تھی۔ اس کی آواز پورے حال میں گونج
رہی تھی۔
مہروز اور خدیجہ نے کرب سے آنکھیں
میچی تھی۔ شارفہ کی آنکھیں اب بھیگ
رہیں تھی۔ اسے سب کچھ ہاتھوں سے
نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔
شاہ زیب شدید غصے سے ماہین کی
طرف بڑھا تھا، جیسے اسے مارنے لگا ہو۔
ماہین پورے قد کے ساتھ کھڑی تھی وہ
جانتی تھی وہ اکیلی نہیں ہے۔

شاہ زیب کو آگے بڑھتا دیکھ، فدا حسین اور مہروز دونوں ماہین کے سامنے آ گئے، شاہ زیب چیختا ہوا بول رہا تھا۔

"تم کچھ بھی کر لیتی میرے ساتھ ماہین۔ یہ نا کرتی۔ میری زندگی برباد کر دی تم نے۔ میں نے اتنے سالوں کی محنت سے ہر چیز بنائی تھی۔"

فدا حسین نے شاہ زیب کے سینے پر ہاتھ رکھے اسے روکا تھا، وہ تکلیف اور غصے کے ملے جلے جذبات کا شکار تھے۔

اسنے اپنا ساتھی، اپنا چھوٹا بھائی خاور کھویا تھا۔ اور اس سانحے کے پیچھے اس کی اپنی اولاد تھی، وہ چاہتے تھے، زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"میں ایک لکھاری ہوں شاہ زیب۔ اور میں لفظوں کے وار کرتی ہوں۔" ماہین اس جی میل کی بات کر رہی تھی، جو اس نے تفصیل سے لکھ کر دبئی کی

پولیس کو بھجوا دی تھی۔ اور اس سے شاہ زیب کی الٹی گنتی، اور سزا دونوں شروع ہو چکی تھی۔

باہر پولیس کے سائرن گونجنے کی آوازیں آنے لگی۔ اس آواز نے سب کے دل لمحے کو دہلا دیے۔

وہ خدیجہ اور محراب تھیں، جو سب سے پہلے باہر دروازا کھولنے بھاگیں تھی۔ شاہ زیب نے زخمی آنکھوں ساتھ انہیں باہر جاتا دیکھا تھا۔

*******

شاہ زیب فدا کے آبائی گھر کے باہر ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے سب کچھ لمحے بھر میں ختم ہونے کو ہو۔ لیکن اندر، اُس کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں جیسے ہر پل تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

دبئی سے آئے ہوئے خاص ایجنٹس اور پاکستان کی پولیس کی بہترین ٹیم دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ یہ عام پولیس نہیں تھی—یہ ایک تربیت یافتہ خصوصی ٹیم تھی جو صرف ایسے ہی مشن کے لیے چُنی گئی تھی۔

اسلام آباد کے اُس گھر کے اطراف گہری نگرانی ہو چکی تھی۔ دبئی پولیس نے پاکستان کی پولیس سے مدد لے کر تمام منصوبہ بندی کر لی تھی۔

"گھیر لیا گیا ہے"، ایک ایجنٹ نے کان میں نصب چھوٹے سے مائیک میں سرگوشی کی، اور لمحے بھر میں کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ اندر سے محراب نے دروازہ کھولا تھا، جس پر ٹیم لمحے بھر کو مزید ایکٹیو ہوئی۔

وہ لوگ تیزی سے مگر خاموشی سے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ جیسے ہی دروازہ

کھلا، شاہ زیب کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ دروازے کے دوسری طرف اُس انجام کی طرف بڑھ رہا تھا، جس سے بچنے کے لیے اُس نے ہر حربہ آزمایا تھا۔

یہ ایک عام گرفتاری نہیں تھی، یہ انصاف کا وہ پل تھا جو برسوں سے مؤخر ہو رہا تھا۔

شاہ زیب کے سارے غیر قانونی کاروبار، بیرون ملک مافیا سے تعلقات ،

سب آج اس کے سامنے آ چکے تھے۔ جب دبئی اور پاکستان کی پولیس نے اسے گھیرا، اُس کی آنکھوں میں وہی خوف تھا جو ہمیشہ بھاگتے رہنے والے مجرم کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔

وہ تکلیف زدہ آنکھوں سے باری باری سب کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے اپنے ہی گھر والے اُسے ان زخم خوردہ اور نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے، وہ جان گیا تھا

کہ اُس کے گناہ اب ہر طرف ظاہر ہو چکے ہیں۔
اندر کا دروازہ جیسے ہی دھیرے سے کھلا، اُس کے دل میں خوف کا ایک طوفان مچ گیا۔ ایجنٹس اندر قدم رکھ چکے تھے، لیکن وہ اُس سے زیادہ اپنے  خاندان والوں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ اُن کی نگاہیں، جو کبھی اُس پر فخر کرتی تھیں، آج نفرت اور ملامت کا پتہ دے رہی تھیں۔ وہ اُس کے ہر غیر قانونی کام کے ثبوت کی طرح اُس پر پڑ رہی تھیں، جیسے وہی اُس کے سب سے بڑے دشمن ہوں۔
شاہ زیب کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔
شاہ زیب نے اپنی ماں کی آنکھوں میں وہ سوال دیکھا جو اُس نے کبھی سننے کی ہمت نہیں کی تھی: "یہ سب تم نے کیوں کیا؟" اُس کے والد کے جھکے کندھے اور

خاموشی جیسے چیخ چیخ کر اُس کی مذمت کر رہے تھے۔ پورا گھر ایک خاموش قبرستان کی مانند ہو چکا تھا۔

ایجنٹس اُس کے قریب پہنچے، اور وہ جانتا تھا کہ اب بھاگنے کی کوئی صورت نہیں بچی۔ اُس کے ہاتھوں میں زنجیر باندھی گئی، لیکن اُس کی حقیقی قید وہ نظریں تھیں جو اُس کے گھر والوں نے اُس پر ڈال رکھیں تھی۔ یہ عام گرفتاری نہیں تھی؛ یہ اُس کے تمام رشتوں اور عزت کا خاتمہ تھا۔

"شاہ زیب فدا، تمہیں مافیا گروہوں کے ساتھ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔" ایک ایجنٹ کی سرد اور بوجھل آواز گونجی، لیکن اُس کے ذہن میں گونجتے سوال اُس کے اپنے تھے، "کیا یہ سب اس قابل تھا؟"

ایجنٹس اُسے لے جا رہے تھے، اور پیچھے رہ گئے تھے وہ چہرے جو کبھی اُس کے قریب ترین تھے، لیکن آج وہ اُسے آخری بار اُس نظر سے دیکھ رہے تھے، جیسے کوئی مرنے والے کو دفنانے سے پہلے آخری نظر دیکھتا ہے۔

صحن سے باہر نکلتے ہوئے، گیٹ کے باہر ایک وین کو رکتا دیکھ، شاہ زیب کے قدم لمحے بھر کو تھمے تھے۔

یہ وہ لمحہ تھا جب شاہ زیب کو لگا کہ وہ دنیا کے ہر انجام کا سامنا کر سکتا ہے، لیکن اپنی بیٹی کی معصوم آنکھوں میں وہ نظر نہیں دیکھ سکتا جو آج اس پر پڑنے والی تھی۔

گیٹ سے باہر اسے کمانڈو جیپ کی طرف لے جایا جا رہا تھا، جب اچانک ایک چھوٹی سی آواز نے اسے روک دیا۔

""بابا؟

شاہ زیب کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا—اُس کی سات سالہ بیٹی، جس کے ننھے ہاتھوں میں ابھی بھی اسکول کا بستہ تھا، گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ اُس کی بڑی بڑی معصوم آنکھیں اپنے والد کو حیرت اور خوف سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ایجنٹس کے مضبوط ہاتھوں میں جکڑا ہوا تھا، اور اُس کی بیٹی کو یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اُس کے بابا کو کیوں لے جایا جا رہا ہے۔

"بابا، آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اُس کی آواز میں معصومیت تھی، وہ معصومیت جو دنیا کی ہر حقیقت سے بے خبر تھی۔

شاہ زیب کی آنکھوں میں ایک لمحے کو آنسو چھلک آئے۔ وہ سب کچھ سہہ سکتا تھا—گھر والوں کی نفرت بھری نظریں، ایجنٹس کی سختی، اپنی عزت کا خاتمہ—لیکن اپنی بیٹی کی آنکھوں میں یہ بے

بسی اور سوالات نہیں دیکھ سکتا تھا۔
اُس کا دل جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔
وہ چاہتا تھا کہ وقت رک جائے، کہ وہ
اپنی بیٹی کو سب کچھ سمجھا سکے،
معافی مانگ سکے، لیکن اب الفاظ بھی
اس کی گرفت سے باہر ہو چکے تھے۔
ایجنٹس اُسے آگے بڑھا رہے تھے، لیکن اُس
کی نظریں اپنی بیٹی کی طرف جمی
ہوئی تھیں۔ وہ معصوم، جو آج تک اُس
کے لیے دنیا کی سب سے پیاری چیز تھی،
آج اُسے اس حالت میں دیکھ رہی تھی
جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی
تھی۔
"بابا!" اُس کی بیٹی کی دوبارا آواز نے
جیسے اُس کا دل چیر کر رکھ دیا۔ یہ وہ
لمحہ تھا جب شاہ زیب نے محسوس کیا
کہ اُس نے صرف قانون کو نہیں، اپنی
بیٹی کو بھی کھو دیا ہے۔ اُس کے تمام

غلط فیصلے اُس معصوم کی آنکھوں میں آئینے بن چکے تھے۔

ایجنٹس اُسے لے جا چکے تھے، لیکن پیچھے اُس کی بیٹی کی آنکھوں میں وہ سوال باقی رہ گئے تھے، جن کا جواب شاید اب کبھی نہیں دیا جا سکے گا۔

اندر سے ماہین بھاگتی ہوئی آئی تھی، وہ حوریہ کی وین کی آواز کو پہچانتی تھی۔ وہ کسی طرح اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھنا چاہتی تھی، کاش اس نے کچھ نہ دیکھا ہو۔

جب گیٹ کے اندر آتی سامنے سے حوریہ اسے دکھائی دی۔

"بابا کدھر جا رہے ہیں پھوپھو؟ اور آپ کو چوٹ کیسے آئی؟" وہ تشویش سے ماہین کا زخمی چہرہ دیکھتے پوچھ رہی تھی۔

ماین اس ک سامن آئی اس ک اتھوں س اس کا بست لیا اب و گھٹنوں ک بل اس ک سامن بیٹھی تھی

"میری جان بابا کو کوئی ایمرجنسی آگئی تھی انیں بزنس ایمرجنسی ک لی واپس دبئی جانا پڑ را  اور میں کل گر گئی تھی اس لی تھوڑی چوٹ لگ گئی" ماین ن حد تک اپنا لج نرم بنات کا تھا

"بابا ک اتھ کیوں بندھ تھ؟" حوری کو جیس اس ک جواب س تسلی نیں ملی تھی

"ی ان کی حفاظت ک لی تھا آپ ک بابا ایک بڑ انسان یں انیں حفاظت ک ساتھ ل جایا جا را  دبئی" ماین کو اس س بتر جواب نیں سوجھا تھا

حوری ن سمجھن وال انداز میں سر لا دیا

"واپس کب آئیں گے میرے بابا؟"
ماہین اس کا ہاتھ پکڑے اندر کو جا رہی تھی، جب اس نے اگلا سوال کیا۔ ماہین نے لمحے بھر کو آنکھیں میچیں۔
"جلد آ جائے گے۔ اور مجھے بتاؤ بھوک لگی ہے؟" اس نے بات کا رخ پھیر دیا۔
وہ دونوں حال میں داخل ہونے لگی۔
شارفہ آگے بڑھی، اس نے ایک جھٹکے سے حوریہ کا ہاتھ ماہین کے ہاتھوں سے کھینچا تھا، اور اسے لیے کمرے میں چلی گئی۔ ماہین گہری سانس بھرتی رہ گئی۔
باقی سب حال میں اپنی جگہ جا کر واپس بیٹھ چکے تھے، شہناز خاموش آنسو بہا رہی تھی۔ خدیجہ ان کے گھٹنوں سے لگے انہیں خاموش کروانے میں لگی تھی۔
دوسری جانب فدا حسین خالی نظروں سے بیٹھے زمین کو تک رہے تھے۔

ماہین قدم چلتی ان کے پاس جا بیٹھی۔

محراب، اپنی ماں کے گرد اپنی باہیں ڈالے بیٹھی تھی۔ سب ایک دوسرے کا سہارا بنے کھڑے تھے۔

رمشہ، محراب اور ہاجرہ کو گھور رہی تھی، وہ دل ہی دل میں ان سب کو بددعائیں دینے لگی۔

ماہین نے ایک نظر اٹھا کر مہروز کو دیکھا، جو سامنے دیوار ساتھ پیٹھ لگائے، ایک ٹانگ پیچھے دیوار پر رکھے بند مُٹھی منہ کو لگائے نیچے نظریں کیے تھا۔

ماہین کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے نظریں ملائی۔ چند لمحے نظریں ملی، اور اس نے ہمیشہ کی طرح نظریں پھیر لی۔

وہ مزید ماہین کا زخمی وجود نہیں دیکھ پایا۔ اس کی پیشانی کے ساتھ دائیں آنکھ

پر بھی زخم کا نشان تھا۔ اور پاؤں پر اس نے وہی مہروز کا رومال باندھ رکھا تھا۔
چند لمحے یونہی خاموشی کی نظر ہوئے۔
ماہین فدا حسین کا ہاتھ اپنے ہاتھوں کی گرفت میں جکڑے تھی، وہ اس ہاتھ سے بہت محبت رکھتی تھی۔
کچھ لمحے بعد فدا حسین نے بھی اس کا ہاتھ جکڑ لیا۔ وہ دونوں ایک سا غم بانٹ رہے تھے۔ ماہین کا جیسے کب سے رکا ہوا سانس خارج ہوا تھا۔

*******

یہ اکتوبر کے آخری دن چل رہے تھے۔
ماہین اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی، اپنے ناول کی آخری صفحات لکھ رہی تھی۔
وہ مہرون رنگ کی لانگ فراک میں ملبوس تھی، اس کے اوپر ہلکے خاکی رنگ کی ہڈی پہن رکھی تھی۔ اس کے لمبے

گھنگریالے بال اس کی پشت پر بکھرے تھے۔
وہ بار بار سردی کی وجہ سے اپنے ہاتھ مسلتی۔
کچھ لمحے بعد خدیجہ مسکراتے ہوئے ہاتھ میں دو کپ گرم چائے کے پکڑے داخل ہوئی۔ اس نے نارجی رنگ کی شلوار قمیض کے اوپر کالے رنگ کی ہڈی پہن رکھی تھی۔ اس کا وزن اب کم ہو چکا تھا۔ وہ خود کا بہت دھیان رکھتی تھی۔ اس پر روپ چڑھ رہا تھا، وہ روپ جو خود کا خیال خود رکھنے سے چڑھتا ہے۔
ماہین نے اسے ایک نظر گھور کر دیکھا۔ خدیجہ نے رات اسے بتایا تھا، کہ جس دن وہ اغوا ہوئی تھی اس نے اس کا ناول پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ اس بات پر ماہین اس سے سخت ناراض تھی۔

اسے منانے کے لیے وہ اس کے لیے گرم چائے بنا کر لائی تھی۔

"مان جاؤ نا اب یار۔ میں جزباتی ہوگئی تھی۔ ویسے ایک زیادتی کی ہے تم نے میرے ساتھ۔"

"وہ کیا؟" وہ اسے نظر انداز کیے اپنا ناول لکھتے بولی تھی۔

"ہیرو کا حلیہ تم نے بھائی مہروز کا رکھا ہے، لیکن ہیروئن کو تم نے میرا حلیہ کیوں نہیں دیا؟" وہ اسے شرارتاً چھیڑتے بول رہی تھی۔

ماہین اب اسے دیکھنے لگی۔ اس نے ایک کپ ماہین کے سائڈ ٹیبل پر رکھا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں پکڑے اپنی سائڈ پر جا کے بیٹھ گئی تھی۔

"مہروز نے خود کہا تھا، مجھے اپنے ناول میں لکھنا۔"

"تو تمہیں جو کہتا ہے، تم اسے لکھ دیتی ہو؟" وہ پورے دانت نکال کر بول رہی تھی۔

"اس کا حلیہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ اس لیے لکھ دیا۔" ماہین نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"زیادتی ہے یہ بھائی ساتھ۔ ٹھیک ٹھاک تو نہ کہو اسے، اچھا بھالا ہینڈسم ہیرو ٹائپ بھائی ہے میرا۔"

ماہین کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

کمرے میں اب چائے کی چسکیاں لینے کی آواز گونج رہی تھی۔

چند لمحے بعد محراب ان کے کمرے میں آئی۔ آتے ساتھ وہ دھڑلے سے ماہین کے پاؤ کی طرف بیٹھ گئی۔

"بہت سردی ہے بھئی یہاں تو۔" وہ ہاتھ مسلتی بول رہی تھی۔

"تمہارا ناول کہاں تک پہنچا ہے؟" محراب
نے اس سے سوال کیا۔ آج کل سب اس
سے یہی سوال کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ
ہر وقت اسے مکمل کرنے میں لگی رہتی
تھی۔
"بس مکمل ہونے والا ہے۔" خدیجہ"
بےاختیار ہلکا سا اس کی طرف کو جھکی
تھی۔ جب اس کی نظر لیپ ٹاپ پر
موجود ایک نام پر پڑی۔ وہ نام جس پر
اس کی ساری دنیا ختم ہو جاتی تھی۔
"برحان؟" وہ بےاختیار بولی۔
ماہین نے ایک بار پھر گھور کر اسے دیکھا۔
"پیچھے ہٹو۔"
لیکن خدیجہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ
رہی تھی۔ محراب کے دل کی دھڑکن بھی
لمحے کو بے ترتیب ہوئی تھی۔ ایسے ہی،
کبھی وہ یاد آتا تو اس کا دل بے قرار سا
ہو جاتا۔ پتہ نہیں کیوں؟

ماہین ان دونوں کی سوالیہ نظروں کو خود پر مرکوز پائے، آنکھیں گھماتی کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے بتا دیتی ہوں۔ لڑکے کا حلیہ مہروز جیسا ہے، مگر نام برحان ہے۔"

"لیکن جب پہلے پڑھا تھا میں نے، تب برحان نہیں تھا۔ کچھ اور نام تھا۔" خدیجہ بولی۔

"میں نے بعد میں نام بدل دیا۔ برحان کا مطلب زیادہ اچھا تھا (حق بات کا واضح ثبوت)۔ وہ ہماری کہانیوں میں ہمیشہ رہے گا۔" ماہین مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

اس کی بات پر خدیجہ اور محراب بھی زخمی سا مسکرا دیں۔

"اس کے آخری الفاظ تھے، 'ملکہ! بدلنا مت' میں اکثر سوچتی ہوں، مجھے یہ کیوں کہا اس نے؟" محراب بولی تھی۔

خدیجہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

"اسے تم پسند تھی، وہ کہتا تھا، مجھے ایسی لڑکی چاہیے جو عام نہ ہو بلکہ کسی ملکہ جیسی ہو۔ پر اعتماد، خوبصورت اور خود میں کافی۔ اور تم میں ہر یہ خاصیت ہے۔"

"لیکن مجھے وہ جانتا ہی کتنا تھا؟ ہم صرف ایک دن تو ساتھ رہے تھے، وہ بھی ماہین کی خاطر۔" محراب بےیقین سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کسی کو پسند کرنے کے لیے صرف ایک نظر کافی ہوتی ہے۔ ملکہ۔ بس وہ ایک نظر ہوتی، جو کسی کا بھی دل بدل کر رکھ دیتی ہے۔ کسی کی کوئی ایک بات، کوئی ایک انداز دل کو اتنا پیارا لگتا ہے، کہ پھر وہ شخص چاہ کر بھی برا نہیں لگتا۔

دل سے عزت نکلتی ہے۔ اس شخص کے
لیے۔"
"کیا واقعی؟ ایک نظر کافی ہوتی کسی
کو محبت جیسی بیماری لگنے میں؟"
"نہیں۔ وہ نظر آپ کو اگلے شخص کی
چاہت میں مبتلا کرتی ہے، یعنی دل میں
ایک چاہت کا بیج بوتا ہے، اس کے بعد ہر
نظر آپ کے دل میں موجود اس چاہت کے
بیج کو پانی دیتا ہے۔ وہ کسی پودے کی
مانند بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک
مضبوط درخت بن جائے۔ محبت کا
درخت۔"
"اور اگر وہ شخص آپ کو نا ملے تو؟"
"درخت کاٹ بھی دیا جائے، تو جڑیں موجود
رہتی ہیں۔ دل کے کسی گوشے میں وہ
شخص ہمیشہ رہتا ہے ملکہ۔"
"ظالم محبت۔" محراب نے تنبیہ کی۔

"ہم اسے ظالم بنا دیتے ہیں۔ خود اپنی نظروں سے۔۔ کیونکہ ہم نظروں کی حفاظت نہیں کر پاتے۔۔" خدیجہ نے مسکراتے ہوئے آخری بات مکمل کی۔

محراب کو اس کے لہجے سے کچھ محسوس ہوا تھا، مگر اس نے مزید سوال نہیں کیا۔

ماہین لکھتے ہوئے، اپنی نظروں سے بار بار خدیجہ کا چہرہ دیکھتی تھی۔

خدیجہ نے خود کو مکمل بدل دیا تھا۔ اس کی شخصیت میں نکھار تھا، وہ اپنے فیصلوں پر اب پُرامید ہوتی تھی۔ گردن اونچی کیے سب کے سوالوں کا جواب دیتی تھی۔

اس نے خود کو نکھارنے کا سفر شروع کر دیا تھا۔

مہروز روز صبح فجر پڑھ کر، برحان کی قبر پر جاتا تھا۔ اس کے لیے دعائیں کرتا،

اس کے نام پر روز کچھ نہ کچھ صدقہ
کرتا تھا۔ قریباً تین، چار مرتبہ برحان کو
اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ مسکراہٹ
کے ساتھ، وہ اس کو بتاتا تھا کہ تمہارے
تحفے مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔
اس روز گھر واپس لوٹنے پر، وہ سیدھا
فدا حسین کے کمرے میں گیا تھا۔
"اسلام علیکم بابا۔"
"وعلیکم السلام۔"
فدا حسین اپنے بیڈ پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ
رہا تھا۔ جب اسے آتا دیکھ سیدھا
ہوا۔ شہناز ان کے ساتھ لیٹی ہوئی
تھی۔ فدا حسین وہ کتاب ساتھ انہیں بھی
پڑھ کر سنا رہے تھے۔
کمرے کا ماحول قدرے گرم تھا۔ ہیٹر چل
رہا تھا۔ اور کھڑکی سے آتی روشنی کمرے
کو چمکا رہی تھی۔ ان کے کمرے میں
قالین بچھا تھا۔

مہروز نے ایک کرسی کھینچ کر فدا حسین کی جانب رکھی، اور اس پر آکر بیٹھ گیا۔

"بابا مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ دونوں سے۔"

"بولو، سب خیریت ہے؟"

وہ جیسے الفاظ تلاش رہا تھا۔

"میں آپ دونوں کی رضامندی سے ماہین سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

شہناز سیدھا ہو کر بیٹھی۔ فدا حسین نے کچھ لمحے کی خاموشی لی۔

مہروز پُرامید نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ماہین مان جائے گی؟" فدا حسین سوچتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ تو امی بات کریں اس سے۔ آپ کریں گی نا بات؟" مہروز اب اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

وہ مسکرا دیں۔ ان کے چہرے پر جھریاں بڑھ رہی تھیں، اور وہ پہلے سے کمزور نظر آتی تھیں۔

"ضرور میرا بچہ۔ میں ابھی ہاجرہ سے بات کر کے آتی ہوں۔ پھر ماہین سے بھی خود جا کر پوچھوں گی۔ بھلا کیوں منع کرے گی ماہین؟ کیا کمی ہے میرے بچے میں؟" وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بولیں۔

ایک خوشی کی لہر مہروز کے چہرے پر دوڑ اٹھی۔

فدا حسین نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کیا تھا۔

"ہاں مگر ماہین نہ مانی، تو بھول جانا میں تمہاری طرف داری کروں گا۔" وہ احتیاطاً اسے بولے تھے۔ جس پر وہ سر ہلاتا مسکرانے لگا۔

شام تک، ماہین سے اس کی رضامندی لے
لی گئی تھی۔ سب کے چہروں پر ایک
خوشی کی لہر دوڑ اٹھی۔
خدیجہ چہکتی ہوئی اوپر آئی اور اسے
گلے لگایا۔
جبکہ محراب اپنی تیز آنکھوں سے نیچے
حال میں مہروز کو گھور رہی تھی۔
وہ اور مہروز سائڈ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔
جبکہ باقی سب بڑے، صحفوں پر بیٹھے
نکاح کی تاریخ کا فیصلہ کر رہے تھے۔
محراب تھوڑا آگے کو ہوئے مہروز کو
گھورتے پوچھنے لگی۔
"آپ کو ماہین پسند تھی۔ بچپن سے پسند
تھی۔ اور اب آپ دونوں کی شادی ہو
رہی ہے۔ یہ سب آپ نے کیسے کیا؟ کوئی
جادو یا تعویذ تو نہیں کروائے میری بہن
پر؟" محراب مشکوک نگاہوں سے اس کا
معائنہ کرتی چبا چبا کر بول رہی تھی۔

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ؟" مہروز نے
حیرانی سے اسے دیکھتے پوچھا۔
"یعنی واقعی آپ نے جادو کروایا ہے؟" وہ
آنکھیں پھاڑے بےیقین سی اسے دیکھ رہی
تھی۔
"ارے نہیں پسند والا قصہ؟"
"اوہ وہ۔۔ وہ مجھے کسی خاص بندے نے
بتایا تھا۔" وہ دانت نکالے بولی تھی۔
"یعنی وہ تمہیں سب بتا کر گیا ہے۔""
مہروز سر جھٹکتا، مسکراتے ہوئے بولا
تھا۔
"آپ واقعی محبت کرتے ہیں ماہین سے؟"
"میں نہیں جانتا محبت کے اصل معنی کیا
ہیں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں، ماہین
میری ہر نماز کی ہر دعا میں شامل
ہے۔"
وہ سادگی سے بولا تھا۔

وہ بار بار اپنی محبت کے گن گانے والا
شخص نہیں تھا۔ وہ اپنے اعمال
سے ظاہر کرتا تھا کہ "مجھے تم سے کتنی
محبت ہے۔
چند لمحے گزرے، جب تیسرے دن، جمعہ کو
ان کے نکاح کی تاریخ رکھ دی گئی۔
اب وہ سب ایک دوسرے سے گلے مل رہے
تھے۔
شارفہ خاموشی سے ایک طرف ہوئے
بیٹھی رہی، جبکہ باقی سب ایک دوسرے
کو مٹھائی کھلا رہے تھے۔
شہناز نے اسے بھی مٹھائی کھلائی، لیکن
اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے۔

*******

جلد وہ دن بھی آگیا، جب وہ دونوں مسجد
میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

ان کے درمیان سفید کلی کے پھولوں کی جالی بنی تھی۔ ماہین نے گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔
اس نے لال رنگ کا خوبصورت کار مدار لہنگا پہن رکھا تھا۔ جبکہ مہروز نے سفید شیروانی پہنی ہوئی تھی۔
مہروز کی پہلے سے کچھ ہلکی بڑھی داڑھی تھی۔ بلاشبہ وہ دونوں اس وقت سب سے حسین لگ رہے تھے۔
قاضی صاحب نے ان دونوں سے ان کی رضامندی پوچھی۔ اور کچھ ہی لمحوں میں وہ ایک دوسرے کے محرم بن گئے۔
ایک دوسرے کے زندگی بھر کے ساتھی۔
چاند کو اس کی روشنی سے نواز دیا گیا تھا۔
ان دونوں کے دلوں میں ایک خالی پن تھا۔
مہروز کو اس لمحے برحان کی شدید یاد آئی تھی، وہ ہوتا تو اس وقت اسے کہتا،

"مجھے حیرت ہے، ماہین نے تمہیں چماٹ
کیوں نہیں ماری؟"
دوسری طرف ماہین کو خاور کی یاد
آرہی تھی۔
خوشی اور غم کے موقع پر ہر وہ شخص
شدت سے یاد آتا ہے، جسے زندگی
نے ہم سے بہت دور بھیج دیا ہو۔
سب اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، ایک
دوسرے کو مبارکباد دیتے گلے ملے۔
خدیجہ پہلے بھاگ کر مہروز کے گلے لگی
تھی۔ اس کے کان میں سرگوشی کی
صورت میں بولی، "اب بیوی کے پیچھے
بہن کو مت بھولنا۔"
جس پر مہروز سر نیچے کیے مسکرانے لگا
تھا۔
اب وہ ماہین سے گلے ملتے اسے ایک بات
بتانے لگی، جسے وہ کب سے اپنے اندر
دبائے ہوئے تھی۔ "میرا بھائی تمہیں بارے

سالوں سے چاہتا ہے۔ وہ تو بتائے گا نہیں تمہیں، سو میں ہی یہ راز بتا دیتی ہوں۔"

خدیجہ کی بات سن کر ماہین کے چہرے پر کتنا بڑا صدمہ تھا، اگر اس کا گھونگھٹ نہ ہوتا تو سب وہ راز جان لیتے۔

فدا حسین ماہین کے پاس آئے، کتنی ہی دیر اسے اپنے ساتھ لگائے آنکھیں موندے کھڑے رہے۔

"ہمیشہ خوش رہو میں ہمیشہ تمہارے لیے موجود رہوں گا۔ کوئی بھی تنگ کرے، میرے پاس دوڑ آنا۔"

یہ پہلی بار تھا، جب ماہین کی آنکھ سے ٹوٹ کر آنسو گرا۔

وہاں سب ان دونوں کے ساتھ موجود رہے، مہروز اور ماہین کی اکیلے میں کوئی بات نہ ہو سکی۔

شام تک بارات لیے وہ سب گھر پہنچ چکے تھے۔ سب کا تھکاوٹ سے برا حال تھا۔
ان کے گھر میں کچھ مہمان تھے، جو اگلے دن ولیمے کے بعد ہی گھر جانے والے تھے۔
ماہین، مہروز کے کمرے میں کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ محراب اور خدیجہ بھی تھیں۔
وہ تینوں اب بیڈ پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں، مہمانوں کی ہل چل میں کسی نے بھی ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا تھا۔
"اب میرا کمرہ تو ویران ہوگیا نا۔" بیچ میں خدیجہ دکھ سے بولی تھی۔
جس پر ماہین منہ پر ہاتھ رکھے ہنسنے لگی تھی۔
اس کے گھنگریالے بال کھلے تھے، آج اس کی بھوری آنکھوں پر ہلکا میک اپ تھا۔
اس کے چہرے پر نور تھا، ایک عجیب سی

کشش۔ جو دیکھنے والے کو نظریں جمانے پر مجبور کر دیتی۔
وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔
وہ تینوں اسی طرح کتنی ہی دیر باتیں کرتی رہیں تھیں۔ مسکراتی رہیں تھیں۔
پرسو ماہین نے مہروز کے ساتھ ملایشیا جانا تھا۔ خاور کے بزنس کے بہت سے پیپرز تھے جو اسے سائن کرنے تھے۔ قریباً ایک ہفتہ وہاں رہ کر انہیں واپس لوٹ آنا تھا۔ اس کے بعد محراب اور ہاجرہ کو وہاں واپس جانا تھا۔
ان کی زندگیاں اسی طرح سے بے ترتیب چلنے والی تھیں۔ اور اس بے ترتیب زندگی کی انہیں عادت ڈالنی تھی۔
چند لمحوں بعد مہروز کمرے میں داخل ہوا۔ ماہین بیڈ کی دائیں جانب بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

مہروز چند لمحے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔
اس کی برسوں پرانی دعائیں آج اس کے
سامنے حقیقت بنی کھڑی تھی۔ "کون کہتا
ہے رب دعائیں نہیں سنتا؟ ایک وہی تو
سنتا ہے، جب کوئی نہیں سنتا۔ ہمیں بس
اپنی نیت خالص رکھنے کی ضرورت ہے۔"
مہروز دھیمے دھیمے بول رہا تھا اس کے
الفاظ ماہین کو صاف سنائی دے رہے
تھے۔
وہ اس کے لیے سفید گلاب لایا تھا۔ مہروز
اس کی گال پر پڑتا ڈمپل دیکھ رہا تھا،
بارہ سال پہلے اس کی مسکراہٹ ہی
تھی، جس نے اس کے دل
میں محبت کا بیج بویا تھا۔
"شکریہ میری زندگی میں آنے کا۔"

*******

اگلی صبح مہروز اور ماہین دونوں برحان
کی قبر پر گئے تھے۔ اس سے چند قدم دور
خاور کی قبر تھی۔
دونوں باری باری دونوں قبروں کے
سرہانے کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے۔
وہ دونوں ایک ساتھ قبرستان سے باہر
نکل رہے تھے۔ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتے،
اپنے ہاتھ سینے ساتھ باندھے چل رہے تھے۔
ماہین مالٹے رنگ کی شلوار قمیض پہنے
کندھوں پر کالی موٹی چادر بکھیرے ہوئے
تھی۔ جبکہ مہروز گہرے نیلے رنگ کی
کرتا شلوار پہنے تھا۔ اس نے اوپر کوئی
کپڑا نہیں اوڑھ رکھا تھا۔
وہ دونوں سامنے دیکھ رہے تھے، ماہین
اس کے کندھوں سے کچھ اوپر آتی
تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" مہروز اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ قبرستان سے باہر آتے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"ہاں۔ تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں۔ ایسا لگتا ہے عرصے بعد سکون ملا ہے۔" مہروز نے جواب دیا۔

"تمہیں تو رشک آ رہا ہوگا اپنی قسمت پر۔" وہ اپنی روانگی میں بے نیاز سی بولی تھی۔

مہروز اسے دیکھے گیا، "بلکل، سہی کہہ رہی ہو۔ تمہیں بھی اپنی قسمت پر رشک آرہا ہے نا؟"

"مجھے کیوں آئے گا؟ محبت تمہیں ہے مجھ سے۔ مجھے تو نہیں ہے۔" وہ اسی طرح سامنے دیکھتے بولی تھی۔ وہ اتنی آسانی سے اقرار کرنے والوں میں سے نہ تھی۔

وہ فرصت سے اسے دیکھتا سوچے گیا، یہ
ناز نکھرا اس پر سجتا بھی تھا وہ تھی
ہی اتنی پیاری۔
اس کی جانب سے جواب نہ پا کر ماہین
نے نظریں اٹھائے اسے دیکھا وہ پہلے سے
ہی اسے دیکھ رہا تھا۔
بھوری آنکھیں ایک بار پھر سنہری آنکھوں
سے ملی تھی۔ لیکن اس بار مہروز نے
نظریں نہیں چرائی تھیں۔ اس بار نظریں
چرانے والی ماہین تھی۔
وہ اب سر جھٹکتا ہنسنے لگا تھا۔
"تو ماہین اب نظریں کیوں چرانے لگی
ہے؟"
ماہین کے گال لال پڑ رہے تھے، لیکن
ماسک نے اس کی عزت رکھی ہوئی تھی۔
"ماہین خاور کسی سے نظریں نہیں
چراتی مہروز فدا۔" یہ کہتے ساتھ وہ اس

کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے
پورے قد کے ساتھ دیکھنے لگی۔
چند لمحے لگے تھے، مہروز نے نظریں جھکا
لی۔
ماہین اسے دیکھتے ہنسنے لگی۔ اونچی
آواز میں۔ اس کی ہنسی جادوئی تھی۔
جواباً مہروز بھی مسکرا رہا تھا۔
اچھا خیر تمہارا پسندیدہ رنگ کیا ہے؟""
ماہین اسے بغور دیکھے پوچھ رہی تھی۔
وہ چاہتی تھی، کل کا جوڑا وہ اسی رنگ
کا پہنے۔
مہروز کچھ دیر پلکیں اٹھائے اسے دیکھتا
رہا، چند لمحے کا وقفہ لیے وہ بولا۔ "اب
"بھورا رنگ میرا پسندیدہ رنگ ہے۔
ماہین اسے اپنی بھوری آنکھوں سے
دیکھتی رہی کتنی ہی دیر۔

وہ صاف لفظوں میں محبت کا اظہار نہیں کرتا تھا، وہ ہمیشہ ڈھکے چھپے لفظوں میں بیان کر جاتا تھا۔ اس طرح کہ ماہین لاجواب ہو جاتی۔

وہ دونوں واپس سے چلنے لگے، قدم قدم ملائے۔

"اب یہ مت سمجھنا میں اپنا پسندیدہ رنگ سنہرا کہوں گی۔ میرا رنگ سفید ہی رہے گا۔" وہ نکھرے سے بولی تھی۔

"تمہیں کچھ بھی بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ کوئی اس سے پوچھتا روح زمین پر اس وقت سب سے خوش نصیب شخص کون ہے تو وہ بلاشبہ اپنا نام لیتا۔

*******

(ایک نومبر)

کے-ایل ملایشیا ائیرپورٹ سے وہ دونوں چلتے ہوئے باہر آرہے تھے۔

ماہین نے باہر نکلتے ہوئے ایک گہری لمبی سانس خارج کی۔ اس نے سفید رنگ کا باجو کورنگ پہن رکھا تھا، ساتھ مہروز کالے رنگ کی کوٹ پینٹ میں ملبوس تھا۔ یہ تاریخ ماہین کے دماغ پر نقش تھی۔ چھ ماہ پہلے، وہ پاکستان یہ سوچ کر گئی تھی کہ ایک نومبر کو وہ واپس آجائے گی۔ اس جگہ، جہاں اس کا باپ تھا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا، واپسی پر سب کچھ اتنا پیچیدہ ہوچکا ہوگا۔

ائیرپورٹ پر اسے لینے خاور نہیں آئے گا۔ اس نے کتاب کو آج شائع ہونے کے لیے دے دیا تھا، جبکہ خدیجہ کو اس نے پی ڈی ایف کی ایک کاپی بھیج دی تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ مزید انتظار نہیں کر سکتی۔

اس کتاب کو اس نے بہت محبت سے لکھا تھا۔ اس کے لیے یہ ناول بہت اہم تھا، یہ گواہ تھا ہر اس سانحے کا جو اس

دورانیے میں اسے پیش آئے تھے۔ اسے یقین تھا، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کوئی لڑکی پہلے جیسی نہیں رہے گی۔ ایک لمبے عرصے تک وہ اس کتاب کے اثر سے آزاد نہیں ہو پائے گی۔

وہ سب سے پہلے خاور کے خالی اپارٹمنٹ میں گئے تھے۔ ماہین نے ایک نظر اس کے ساتھ والے اپارٹمنٹ پر ڈالی۔ لیکن آج اسے کوئی خوف کوئی احساس محسوس نہیں ہوا تھا۔

وہ خود کو ہیل کر رہی تھی۔ اس نے خود کو تکلیف سے بچانے کا وعدہ کیا تھا۔

ایک بات جو حقیقت ثابت ہوئی تھی، ماہین نے چھ ماہ پہلے اپنا سفر جاری کرتے یہ بات جان لی تھی، کہ واپسی پر وہ پہلے جیسی ہو کر نہیں لوٹے گی۔

ہر نیا سفر انسان کو بدل دیتا ہے۔ اور پاکستان کے سفر نے بھی اسے بدل دیا تھا۔

اس کی خود اعتمادی، اس کا مان، اس
کی پہچان اسے واپس مل گئی تھی۔
اس کے رب نے اسے کہیں پر بھی تنہا
نہیں چھوڑا تھا، ہر وقت اس
کے ساتھ کوئی نا کوئی ضرور تھا۔ کیونکہ
ہمارا رب، ہمیں تنہا نہیں پڑنے دیتا۔ وہ
ہمیں ساتھیوں سے نوازتا ہے۔
خدیجہ، فدا حسین، شہناز، محراب،
ہاجرہ، برحان اور اب مہروزہ اس کے
سفر میں سب اس کے ساتھ رہے۔ وہ
کہیں بھی اکیلے نہیں پڑی تھی۔
اندر داخل ہوتے ہی، گھر میں ایک مہک
دور اٹھی۔ جو اتنے مہینوں سے غائب نہیں
ہوئی تھی۔ وہ اس کے باپ کی خوشبو
تھی۔
ماہین اپنا ماسک نیچے کر رہی تھی۔ جب
اس کی نتھوں سے وہ خوشبو ٹکڑائی۔
قدم قدم چلتے وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔

*******

چند دن بعد ماہین کو خدیجہ کی کال موصول ہوئی۔
ماہین اس وقت آفس میں تھی۔ سامنے پیپرز کا ڈھیر لگا پڑا تھا۔
وہ موبائل کان سے لگائے سلام کرنے لگی۔
"میں نے تمہارا ناول پڑھ لیا ہے ماہین۔ اور میں یہ محسوس کر سکتی ہوں میں وہ شخصیت نہیں رہی جو اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے تھی۔ تم نے ہر باب میں کچھ راز رکھے ہیں اور میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔ ہر وہ راز میں پا چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے، جو بھی اسے پڑھے گا وہ اس کی گہرائی ضرور سمجھے گا۔"
وہ جزبات میں بول رہی تھی۔
ماہین لمحے بھر کو مسکرائی۔
"تو کیا سیکھا تم نے اس سے؟"

"مجھے کوئی نازک پروں والی پری نہیں
بننا، جو آسانی سے کسی جادوگر کی قید
میں آ جاتی ہے، مجھے وہ شاہین پرندہ
بننا ہے جس کی اڑان سب سے اونچی ہو،
اس کے قریب عام کوّے بھٹکنے کی
جرت بھی نہ کرسکے۔"

ماہین مسکرائی تھی۔ اس کے دل میں
جیسے کوئی ٹھنڈک پڑی تھی۔

"اور ہر انسان کا نام اس کے وجود کی
طرح خاص ہے۔ بہت خاص۔ بس ہمیں
صحیح مطلب کی تلاش کرنی ہے۔ ورنہ
ہمارا سفر تو ہمارے ناموں میں ہی چھپا
ہوتا ہے۔"

ماہین کھلے دل سے مسکراتے اسے
شاباشی دے رہی تھی، کچھ دیر بات کرنے
کے بعد ماہین آخری بات بولی،

"ٹھیک ہے میں رکھ رہی ہوں، مہروز آتا
ہوگا۔ مجھے کام پورا کرنا ہے۔ میں جلد

واپس پہنچ جاؤں گی۔" وہ کہتی کال کاٹ چکی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی تھی۔ باہر آسمان کو تکتے ہوئے کہنے لگی،

"تو یہ ثابت ہوا، ماہین آپ کی لاڈلی ہے" اللہ جی۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے محبت سے آسمان کو تکتے بول رہی تھی۔

ختم شد

(علینہ عقیل احمد)